حصہ دوم
ہمزاد کی واپسی
PDFBOOKSFREE.PK

میرے لیے ایس ایچ او کا یہ حکم قطعی غیر متوقع تھا اسی لیے چونک اٹھا اور اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا ایس پی صاحب نے اپنے احکام واپس لے لیے؟"

"جی نہیں۔" ایس ایچ او سراج الدین آگے بڑھ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "دراصل ایس پی صاحب اس وقت اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ شاید ہیڈ آفس گئے ہیں۔ جب تک وہ ....."

"برادرم سراج الدین!" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آپ تم گویا اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے مجھے حوالات میں بند کر رہے ہو! یہی بات ہے نا؟"

میرے بگڑتے ہوئے لہجے نے اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار پیدا کر دیے۔

"شیخ صاحب! آپ غالباً میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ دراصل قانون تو قانون ہوتا ہے اور سب کے لیے برابر انصاف فراہم کرنا اس کا کام ہے۔"

وہ قانون کے بارے میں اپنی ضروری اور غیر ضروری معلومات کا اظہار کرتا رہا۔ اس کا مقصد محض یہ تھا کہ میں اسے قطعی جاہل نہ سمجھ بیٹھوں۔ میں خاموشی سے اس کی لن ترانیاں سنتا رہا۔ پھر جب وہ خاموش ہو گیا تو میں نے کہا۔

"برادرم! تم تو مجھے علم دریاؤ معلوم ہوتے ہو!" میں اسے گھسنے لگا۔ "تم تھے کہاں اب تک! قانون کے بارے میں اتنی وسیع معلومات!" لفظ "اتنی" کو میں نے ذرا کھینچ کر ادا کیا تھا۔

"جی بس آپ بزرگوں کی مہربانی ہے۔" وہ ریشہ خطمی ہونے لگا۔

اس کا انداز ہی کچھ ایسا تھا کہ میں کوشش کے باوجود اپنی رگ شرارت کو پھڑک اٹھنے سے باز نہ رکھ سکا۔ میں نے اسے شرماتے لجاتے دیکھ کر ایک دم کہہ دیا۔ "بس تو پیارے' تم مرغا بن جاؤ۔"

"ئ..... ای..... ای؟" اس نے منہ پھاڑ دیا۔

"ہاں تمہارا مرغا بننا بہت ضروری ہے۔" میں سنجیدگی سے بولا۔ "اس طرح دوران خون سر کی طرف ہو جاتا ہے جس سے عقل بڑھتی اور آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ پھر تم پر قابلیت کے دورے نہیں پڑا کریں گے بلکہ مستقلاً قابلیت تمہاری کھوپڑی میں جگہ بنا لے گی۔ سمجھے گئے نا تم!"

اب وہ حیرت کے لمحے سے نکل چکا تھا اور اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ "دیکھیے شیخ صاحب، میں آپ کے ساتھ عزت سے پیش آ رہا ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ میرے ماتحت کے سامنے میری عزت سے کھیلنے لگیں۔"

اس کے لہجے میں تلخی آ گئی تھی، مگر مجھ پر اس کا کیا اثر ہوتا! میں بدستور اسے گھورتا رہا۔ "تم مجھ پر غلط الزام لگا رہے ہو! جہاں تک مجھے علم ہے کھلونوں سے کھیلا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید تمہاری عزت کھلونا نہیں ہے اور نہ میں کوئی بچہ ہوں کہ اس سے کھیلنا چاہوں گا۔"

"میں نے محاورۃً عرض کیا تھا!" وہ وضاحت کرتے ہوئے اور بھی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا۔

اچھا تو محاورۃً بولنا بھی آتا ہے تمہیں! کمال ہے! تمہاری صورت دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ تم اتنے قابل ہو گئے۔"

"کیا مطلب؟" اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

"مطلب یہ کہ چُغد لگتے ہو صورت سے" یہ میرا گویا آخری حربہ تھا کہ وہ بے قابو ہو جائے اور مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔

"بس بہت ہو گیا!" وہ ایک دم اپنی اصلیت پر آ گیا۔ وہ خول اتر گیا جو اس نے وقتی طور پر اپنے اوپر چڑھا لیا تھا۔ میں اب ایک لفظ برداشت نہیں کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میز پر ایک طرف رکھا ہوا اپنا بینت اٹھا کر عالم جوش میں زور سے میز پر مارا۔ "تم شاید مجھے بھی ملک فیروز دین سمجھ رہے ہو!"

"سمجھی کیا، یہاں اس کرسی پر بیٹھ کر سبھی ملک فیروز دین بن جاتے ہیں۔" میں نے پر سکون آواز میں کہا، پھر سخت لہجے میں بولا۔ "میرے پاس شرافت کا جواب شرافت اور کمینگی کا جواب کمینگی ہوتا ہے! سمجھے میاں سراج الدین! جب ایس پی میری رہائی کا حکم دے چکا ہے تو تم درمیان میں اپنی ٹر ٹھتانے والے کون ہوتے ہو؟ میں دو منٹ میں دماغ کے سارے کیڑے جھاڑ دیتا ہوں! اگر تم عزت کے ساتھ مجھے یہاں بٹھاتے اور کہتے کہ جب تک تمہارا

ایس پی نہ آ جائے، میں تھانے سے نہ جاؤں تو اور بات تھی، مگر تم کچھ زیادہ ہی پھیلنے لگے۔ ظاہر ہے، ایسی صورت میں مجھے تمہارا یہ فیصلہ کس طرح قبول ہو تا کہ حوالات میں دوبارہ بند کر دیا جاؤں!"

"تو تم میرے فیصلے کو چیلنج کر رہے ہو!" وہ مجھے گھور کر بولا۔ "یعنی مجھے بہ حیثیت ایس ایچ او یہ حق نہیں کہ کسی مجرم کو جو اقبال جرم بھی کر چکا ہو، حوالات میں بند کر سکوں!"

"تمہیں پھر قابلیت کا ہیضہ ہونے لگا! احمق آدمی! کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے جرم کی نوعیت دیکھی جاتی ہے اور یہ دیکھنا عدالت کا کام ہے، تم ایسے ٹٹ پونجیوں کا نہیں۔"

اس کی قوت برداشت آخری جواب دے ہی گئی۔ ایک تو یہی کم نہ تھا کہ وہاں سب انسپکٹر موجود تھا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ وہاں سپاہی کی موجودگی کا خیال اسے ایک دم آ گیا۔ میری بجائے وہ اس کی طرف دیکھ دہاڑا۔ "لے جاؤ اس احمق کے بچے کو! بند کر دو حوالات میں! میں بھی دیکھتا ہوں کہ کتنے کس بل ہیں اس میں!"

"پچھتاؤ گے برخوردار!" یہ کہتے ہوئے میں نے ہمزاد کو اشارہ کر دیا۔ "ابھی یہاں تماشا شروع ہو جائے گا۔ جب تک تمہارا ایس پی اپنا حکم واپس نہیں لے گا۔ میں ہرگز حوالات میں بند نہیں ہوں گا! اگر میری بات پر یقین نہیں تو کوشش کر کے دیکھ لو۔"

میرا اشارہ پاتے ہی ہمزاد فوراً حرکت میں آ گیا تھا۔ ڈرتا جھجکتا ہوا سپاہی میری طرف بڑھتے بڑھتے ایک دم رک گیا۔ سب انسپکٹر شاہد فضا میں تناؤ محسوس کرتے ہی ایک دم اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ایس ایچ او کا چہرہ شدید غصے کے سبب سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی نظریں سپاہی پر جمی ہوئی تھیں۔ سپاہی جیسے ہی رکا وہ چیخ اٹھا۔ "جلدی کر! رک کیوں گیا؟" پھر وہ سب انسپکٹر کی طرف پلٹا۔ "اور تم کھڑے ہوئے کیا تماشا دیکھ رہے ہو! ایک آدمی کو قابو میں نہیں کر سکتے تم!"

"یس سر!" سب انسپکٹر گڑبڑا کر جلدی سے میری طرف لپکا، پھر غالباً اسے گذشتہ ایس ایچ او ملک فیروز دین کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ یاد آ گیا اور وہ خود ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

میں اطمینان کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا بلکہ اب ٹانگیں بھی پھیلا دی تھیں جیسے اس واقعے سے میرا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ ہمزاد کی موجودگی میں بھلا مجھے فکر بھی کیا ہوتی! میں دیکھ رہا تھا کہ وہ پوری طرح چوکنا ہے۔

پھر اس سے پہلے کہ ایس ایچ او مزید کُرّم خانی دکھاتا، صورت حال غیر متوقع طور پر بدل گئی۔ ایس پی کا اردلی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بھی بنگالی تھا۔

"صاب بلاتا اے۔" اس نے گویا طلبی کا حکم سنایا۔

جس طرح غبارے میں بھری ہوئی ہوا ایک دم نکل جاتی ہے' وہی حال ایس ایچ او کا ہوا۔ ادھر اردلی حکم سنا کر گیا' ادھر ایس ایچ او اپنی کرسی سے اٹھا۔ "میں آتا ہوں ابھی" اس نے سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ پھر کھوکھلی سی آواز میں بولا۔ "جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں......" اس نے میری طرف نگاہ اٹھائی۔ اس نے دانستہ فقرہ ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔ "سمجھ گئے تم؟"

سب انسپکٹر اس کا اشارہ سمجھا' یا نہیں' مگر اس نے زور سے گردن ہلا کر "یس سر!" کہہ دیا۔

دروازے تک پہنچتے پہنچتے بغیر مڑے ایس ایچ او نے اپنے اشارے کی وضاحت بھی ضروری سمجھی' بولا۔ "اسے میرے لوٹنے تک یہاں روکنا ہے!"

ایک بار پھر غریب انسپکٹر کو۔ "یس سر" کی ہانک لگانا پڑی۔ ایس ایچ او' کمرے سے نکل گیا۔

"اپنی تو ہر طرح مصیبت ہے!" سب انسپکٹر بڑبڑاتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا' پھر شاید اسے سپاہی کا خیال آگیا جو ابھی تک کسی مجسمے کی طرح اپنی جگہ کھڑا تھا۔ "اے! تم دروازے پر جا کر کھڑے ہو جاؤ۔ سنا نہیں صاحب کیا حکم دے کر گئے ہیں!"

سپاہی کسی چابی بھرے ہوئے کھلونے کی طرح اباؤٹ ٹرن ہوا اور دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

میرے بیان اور ایس ایچ او کی حماقت سے معاملہ بے سبب طول کھینچ رہا تھا اور ابھی مجھے بہت سے کام تھے۔ اب تھانے اور پولیس کے چکروں سے میرا جی اوب گیا تھا۔ یہ چکر جتنی جلد ختم ہو جاتا اچھا تھا۔ نیا ایس ایچ او بھی ظاہر ہے کہ اب میرے حق میں نہیں رہا تھا۔ وہ ایس پی کو کوئی نئی پٹی پڑھانے کی کوشش کرتا۔ وہ اس کوشش میں کامیاب ہوتا یا نہ ہوتا' میرا وقت ضرور برباد کرتا۔ میں نے چند ہی لمحوں میں ایک فیصلہ کر لیا۔ اس سب انسپکٹر اور سپاہی کے بس میں نہیں تھا کہ مجھے جانے سے روکا جا سکتا۔ میں اچانک کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اسی کے ساتھ ہمزاد کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

مجھے کرسی سے اٹھتے دیکھ کر سب انسپکٹر بوکھلا گیا اور خود بھی کھڑا ہو کر بولا۔ "جنا...... جناب! آپ...... آپ تشریف رکھیے!"

"بکومت!" میں نے اسے ڈانٹ دیا۔ "تم پر کوئی ذمے داری نہیں آئے گی۔"

"ما...... مگر...... مگر جناب!...... س...... سنیں تو سہی...... وہ......"

"عجب چرغد ہو تم! اگر مگر کیے جا رہے ہو! کہہ تو دیا کہ تمہیں توپ دم نہیں کیا جائے گا۔ میں تھانے سے بھاگ نہیں رہا' تمہارے ایس پی کے پاس جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں آگے بڑھا۔

"پھر...... پھر تو ٹھیک...... ٹھیک ہے جناب!" یہ کہہ کر اس نے سپاہی کو بلند آواز میں مخاطب کیا۔ "جناب کو ایس پی صاحب کے کمرے تک چھوڑ آؤ!"

"نہیں!" میں نے سختی سے کہا۔ "زیادہ ہوشیاری چھانٹنے کی ضرورت نہیں' مجھے ایس پی کا کمرا معلوم ہے' خود اکیلا وہاں تک چلا جاؤں گا۔"

پھر سپاہی تصویر بنا دروازے پر کھڑا رہ گیا اور میں اس کے قریب سے گزر کر باہر آگیا۔ سپاہی کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ مجھے روک سکتا۔

جلد ہی میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تھانے کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ میرا ہمزاد میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ جلد از جلد اس چکر سے نکلنا ہے' تم اس سلسلے میں جو چاہو کرو' مجھے کوئی اعتراض نہیں' مگر قانون کے معاملے میں مداخلت نہ کرنا۔

ایس پی کے کمرے کے دروازے پر مستعد کانسٹیبل کھڑا تھا۔ ہمزاد لپک کر اس کے سامنے آگیا۔ میں اس دوران میں اندر داخل ہو چکا تھا۔

"...... یقین کریں سر کہ وہ دس نمبری ہے اور......" ایس پی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے نئے ایس ایچ او کی آواز سنی۔ مجھے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس کی آواز کو بریک لگ گیا تھا۔

"دس نمبری حاضر ہے جناب!" میں نے ایس پی کے قریب اپنے ہمزاد کو دیکھ کر کہا۔

"تو تم بکواس کرتا اے!" ایس پی ایک دم ایس ایچ او پر گرم ہو گیا۔

پھر ایس پی نے اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں نئے ایس ایچ او سے جواب طلب کیا کہ جب میں نے رہائی کا حکم دے دیا تھا تو پھر تم کون ہوتے تھے جو شیخ کرامت کو رہا نہیں کیا۔ ایس ایچ او سراج الدین لاکھ اپنی صفائی پیش کرتا رہا۔ مگر ایس پی نے ایک نہ سنی۔

ایس پی نے میرا تحریری بیان بھی منگوا لیا اور اسے پڑھنے کے بعد گویا اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس نے کہا کہ شیخ کرامت کا یہ بیان صداقت پر مبنی ہے' انہوں نے کچھ نہیں چھپایا' یہاں تک کہ حالات سے مجبور ہو کر رشوت دینے کا بھی اعتراف کیا ہے۔ قانون اندھا نہیں ہوتا جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ وہ حالات و واقعات کا تجزیہ کرکے اور صحیح نتیجے پر پہنچنے کے بعد کسی پر لاگو ہوتا ہے۔ اس کیس میں یہ واضح ہے کہ شیخ کرامت کو رشوت دینے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے

سوا شیخ کرامت کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا اس لیے قانون کی نگاہ میں اصل مجرم شیخ کرامت نہیں، ایس ایچ او ملک فیروز دین ہے، لیکن اس کا حتمی فیصلہ عدالت کرے گی۔ ان حالات میں پولیس کے پاس کوئی جواز نہیں کہ شیخ کرامت کو زیر حراست رکھے۔ ہاں شیخ کرامت پر یہ پابندی ضروری عائد کی جا سکتی ہے کہ وہ پولیس کو اطلاع دیے بغیر چانگام سے کہیں نہ جائیں اور یہ کہ اگر اپنی موجودہ قیام گاہ چھوڑیں تو پولیس کو نئے پتے سے آگاہ ضرور کر دیں۔ اس کی وجہ یہ کہ اس کیس کے عدالت میں جانے کے بعد انہیں بھی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

جو کچھ ایس پی نے زبانی کہا اسے تحریر میں بھی لے آیا گیا کیوں کہ اسی بنیاد پر عدالت میں کیس پیش کیا جانا تھا۔ اسی کے ساتھ نئے ایس ایچ او سراج الدین سے بھی تحریری طور پر جواب طلب کر لیا گیا کہ اس نے میرے سلسلے میں تعمیل حکم کیوں نہیں کی اور غیر ضروری طور پر مجھے تھانے میں کیوں روکا؟ میرے نزدیک اس کے لیے اتنی سزا کافی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اتر گیا تھا۔

میری توقع سے کہیں پہلے گلو خلاصی ہو گئی اور اس میں یقیناً" ہمزاد کا ہاتھ تھا۔ اس نے میری ہدایت پر پورا عمل کیا تھا۔ ایس پی کے ذہن پر پوری طرح مسلط ہونے کے باوجود اس نے قانون میں مداخلت نہیں کی۔ ایس پی نے جو کچھ کہا تھا، خلاف قانون نہیں تھا۔ میں ایس پی کا شکریہ ادا کر کے اس کے کمرے سے نکل آیا۔

تھانے سے نکلتے نکلتے عصر کا وقت ہو گیا۔ میں نے قریبی مسجد میں عصر کی نماز پڑھی اور پھر اپنی تباہ حال کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ فی الحال میرے لیے وہی جائے پناہ تھی۔ میں اپنے ہمزاد سے بچھڑ کر ریزہ ریزہ بکھر گیا تھا اور اب مجھے اپنا بکھرا ہوا وجود سمیٹنا تھا۔ میرے پاس کچھ بھی تو نہیں رہا تھا، نہ گھر، نہ در، نہ عزت، نہ وقار، نہ پیسا، نہ شہرت، نیک نامی نہ شادکامی!

مجھے زیادہ کی ہوس پہلے بھی رہی ہو تو رہی ہو، مگر اب نہیں تھی۔ اب میں نے اپنی زندگی کا رخ تبدیل کر لیا تھا۔ آدمی کے باطن کا اثر یقیناً" اس کے ظاہر پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ شان و شوکت، نمود و نمائش کیا دھرا تھا اس میں! زندگی میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ جسے گھر کہتے ہیں، وہ میں نے کبھی نہیں بنایا۔ گھر کا تصور میرے ذہن میں صرف در و دیوار نہیں۔ یہ میں نے اس لیے عرض کیا کہ عموماً" لوگ در و دیوار کو گھر کہہ دیتے ہیں۔ دل میں یہی ایک پھانس تھی جو کبھی کبھی چبھنے لگتی تھی۔ اس روز اپنی کوٹھی کی طرف جاتے ہوئے بھی یہی خیالات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے جنہیں میں نے دانستہ اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

وہ میری کوٹھی کا ملبا نہیں، میری حسرتوں کا ملبا تھا جس کے درمیان سے ہو کر میں اپنے کمرے تک پہنچا۔ ہمزاد کو میں نے تھانے سے نکلتے ہی رخصت کر دیا تھا۔ اب پھر طلب کر لیا۔

"تم وہ جڑی بوٹیاں اور پتیاں لے آئے جن کا سفوف بنانا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں، یہ لیجیے۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ "مجھے معلوم تھا کہ یہاں آ کر سب سے پہلے آپ کو انہی کا خیال آئے گا۔"

میں نے دونوں چیزیں اس سے لے لیں، پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "سفوف بھی تمہی بنا لو اور سوتے وقت مجھے اس کی ایک خوراک کھلا دینا۔ مجھے تمہاری بات پر یقین ہے، انشاء اللہ ایک ہفتے کے اندر میں معدے کے سرطان سے نجات حاصل کر لوں گا۔"

"انشاء اللہ۔" کہتے ہوئے ہمزاد نے مجھ سے وہ جڑی بوٹیاں اور پتیاں واپس لے لیں اور بولا۔ "میں سات دن کے لیے الگ الگ پڑیاں بنا کر رکھ لوں گا، آپ مطمئن رہیں۔"

"تم سے ایک بات اور پوچھنا تھی۔" کچھ دیر بعد میں نے مزید کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ یہ ممکن بھی ہے یا نہیں، پھر بھی....."

"آپ کہیں تو سہی۔" وہ مجھے خاموش دیکھ کر بولا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا باطن بدل چکا ہے، مگر ظاہر..... ظاہر وہی ہے۔ اب ..... اب مجھے اپنے اس مکروہ" چہرے سے بھی گھن سی محسوس ہوتی ہے جس پر گناہ کی متعدد تحریریں نقش ہونے لگی۔ "کسی اور کو یہ محسوس ہوتا ہو کہ نہ ہوتا ہو، لیکن مجھے اپنے چہرے اور بقیہ جسم کے درمیان یہ فرق بہت کھلتا ہے۔ تم ..... تم میرے ہمزاد ہو اس لیے یقیناً" میرے جذبات کو سمجھ سکتے ہو۔ جانے کیوں کبھی پہلے مجھے یہ خیال نہیں آیا!"

"قطعی طور پر یہ چہرہ بدلنا تو ممکن نہیں، ہاں اس پر سے بڑھاپے کے آثار ختم کیے جا سکتے ہیں۔ جلد کا ڈھیلا پن، سیاہی، جھریاں، کھردرا پن اور پژمردگی دور ہو جائے گی، مگر چہرے کے بنیادی خطوط وہی رہیں گے جو در اصل ہیں۔" ہمزاد مجھے تفصیل کے ساتھ سمجھانے لگا۔ "یوں سمجھیں کہ آپ کا چہرہ ایک جوان شخص کا چہرہ نظر آنے لگے گا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ آپ اگر پہلے بھی یہ خواہش ظاہر کرتے تو اس کی تکمیل ہو جاتی۔"

"زندگی کے ہنگاموں اور ہوس و ہوس نے اتنی مہلت ہی کہاں دی تھی کہ میں یہ سوچ سکتا۔" میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"بس چند لمحے آپ کو تکلیف ہوگی' اس کے بعد آپ گویا عہد جوانی میں لوٹ جائیں گے۔ حکم دیں تو میں قریب آؤں!" ہمزاد بولا۔

"ٹھہرو!" میں نے کہا۔ "میں آخری بار یہ چہرہ دیکھ لوں جو کچھ دیر بعد میرے لیے اجنبی بن جائے گا۔" یہ کہہ کر میں مسہری سے اٹھا اور میز پر رکھا ہوا آئینہ اٹھالیا۔

آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے اس وقت میرے احساسات بہت عجیب سے تھے۔ وہ چہرہ مجھے اپنا چہرہ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے ہاتھ سے آئینہ رکھ دیا اور پھر مسہری پر آبیٹھا۔

"آجاؤ اور تکلیف کی پروا نہ کرو! گذشتہ چالیس دن کے دوران میں جو تکلیفیں میں برداشت کرچکا ہوں' بہرحال یہ تکلیف اس سے زیادہ نہیں ہوگی۔"

ہمزاد میرے قریب آگیا اور بولا۔ "آنکھیں بند کرلیجیے۔"

میں لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ دوسرے ہی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہمزاد مجھ پر جھکا ہو۔ اس کے بعد میں نے ایک چبھن سی محسوس کی' پھر یوں لگا جیسے میرے چہرے کی جلد جگہ جگہ سے پھٹنے لگی ہو۔ تکلیف شروع ہوگئی' مگر میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ میں ایک حیرت ناک تجربے سے گذر رہا تھا۔ برقی رو سی میری جلد میں دوڑ رہی تھی۔ یہ صرف چند لمحے تھے جو تکلیف کی وجہ سے مجھے زیادہ محسوس ہوئے۔ پھر ٹھنڈک سی محسوس ہوئی جیسے کوئی زخموں پر مرہم رکھ رہا ہو۔ بعد میں یہ احساس بھی جاتا رہا۔

"یہ آئینہ لیجیے۔" مجھے ہمزاد کی آواز سنائی دی۔ "آنکھیں کھول کر اپنا چہرہ دیکھیے۔"

آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے سے بھی پہلے' آنکھیں کھولتے ہی میرے لیے پہلا ذہنی جھٹکا ہمزاد کا بدلا ہوا چہرہ تھا۔ میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور آئینے دیکھنے سے پہلے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ "یہ...... یہ تمہارا چہرہ...... یہ کیسے بدل گیا؟"

وہ مسکرایا۔ "میں آپ ہی کا تو جسم لطیف ہوں' آپ ہی کا عکس' آپ ہی کا آئینہ تو ہوں! یہ تو ہونا ہی تھا۔ جب آپ کا چہرہ بدل گیا تو پھر میرا چہرہ کیوں نہ بدلتا؟"

میرا ہمزاد ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میں جانے کہاں کہاں پہنچ گیا تھا' بدایوں' ہاں بدایوں! میری جوانی قید میں تو گزری تھی اور اب' اب وہی جوان چہرہ' میرا بچھڑا ہوا معصوم چہرہ مجھے آئینے میں بھی نظر آرہا تھا جس پر گناہ کی سیاہی نہیں تھی۔ اس سے مجھے بڑی تقویت' روحانی تقویت محسوس ہوئی۔ اب میرا ظاہر بھی بدل گیا تھا۔ میرے چہرے اور بقیہ جسم کے درمیان جو نمایاں فرق تھا' ختم ہوچکا تھا۔ وقت جیسے پیچھے کی طرف لوٹ گیا تھا۔ مجھے بدایوں یاد آرہا تھا۔ میرٹھ یاد آرہا تھا' دلی کے گلی کوچے میری آنکھوں میں گھوم رہے تھے۔

میں نہ جانے کب تک انہی خیالوں میں کھویا رہتا کہ ہمزاد کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ مجھ سے رخصت کی اجازت مانگ رہا تھا۔

"نہ جاؤ' ابھی نہ جاؤ اور مجھے سوچنے دو!...." میں جذباتی لہجے میں بولا۔ "مجھے سوچنے دو کہ میں کہاں آگیا ہوں اور کیوں؟..... اور سنو! اس وقت تک قریب ہی رہا کرو جب تک میں خود تمہیں رخصت نہ کردیا کروں۔"

"بہتر ہے۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"بدلے ہوئے چہرے نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔" میں ہمزاد کی بجائے جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ "اب ان واقعات کو برسوں گزر چکے ہیں۔ اگر میں واپس بھی چلا گیا تو شاید میرا ماضی' میرا پیچھا نہیں کرے گا۔ وہ انگریزوں کی حکومت کا زمانہ تھا۔ وہ فضا اور تھی اور..... اور اب..... اب شاید..... مگر....." خیال کی ایک اور لہر نے میرے تخیل کی رو منقطع کردی۔ میری فوری واپسی ممکن نہیں تھی۔ ابھی مجھے بہت سے مسئلے نمٹانا تھے اور ان میں سب سے اہم مسئلہ سریتا کی بازیابی کا تھا۔ شمبھو کو میں نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ سریتا کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ جانا خود غرضی ہوتی۔

ہمزاد ایک طرف مودب کھڑا تھا۔ میری نگاہ اس کی طرف اٹھی تو میں جیسے خیالوں کی دنیا سے لوٹ آیا۔

"سنو!" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔ "اس وقت پہلا مسئلہ سکونت کا ہے۔ میں اس کھنڈر میں نہیں رہ سکتا۔ یہیں اسی محلے میں کوئی خالی مکان تلاش کرلو۔ کرائے کا جھنجھٹ نہ ہو تو بہتر ہے۔ میں دیکھتا ہوں' کتنی رقم باقی رہ گئی ہے....." یہ کہتا ہوا میں اٹھا۔

الماری کھول کر دیکھی تو چند سو روپے پڑے تھے۔ ہمزاد کو میری مشکل سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ کچھ ہی دیر بعد میرے سامنے میز پر بڑے نوٹوں کی ڈھیریاں لگی ہوئی تھیں جنہیں میں نے ایک اٹیچی میں بھر لیا اور ہمزاد مکان کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔

یہ میرا تجربہ تھا کہ ہمزاد کے لیے کبھی کوئی مشکل' مشکل نہیں ہوتی۔ وہ جلد ہی لوٹ آیا اور آتے ہی بولا۔ "یہاں سے صرف دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک مکان خالی ہے۔ مالک مکان یہاں سے مغربی پاکستان کے ایک شہر کراچی منتقل ہونا چاہتا ہے۔ اس کی سکونت اپنے بڑے بھائی کے گھر میں ہے۔ مکان اس نے اسی لیے خالی کردیا ہے کہ جب کوئی اچھا گاہک ملے' اسے بیچ دے۔ آپ چاہیں تو پہلے چل کر دیکھ لیں۔"

"تم نے دیکھ لیا کافی ہے۔ بس سر چھپانے کی جگہ چاہیے۔ تم مجھے مالک مکان کے

پاس لے چلو۔" ابھی میری بات پوری ہوئی تھی کہ مغرب کی اذان ہو گئی۔ میں نے ہمزاد سے کہا۔ "نماز پڑھ کر ابھی چلتا ہوں۔ یہ مسئلہ آج ہی حل ہو جائے تو بہتر ہے۔"

پھر مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد میں ہمزاد کے ہمراہ مالک مکان کے بڑے بھائی کے گھر تک پہنچ گیا۔ وہ بندہ بہار کا تھا۔ چھپرا ڈسٹرکٹ کے ایک قصبے کا رہنے والا! آدمی خوش اخلاق تھا مگر تھوڑا سا لالچی بھی! اسی وجہ سے اس کا مکان نہیں بک سکا تھا۔ خالی مکان قریب ہی تھا۔ اس نے مجھے دکھایا اور میں نے پسند کر لیا۔

"اب آپ ہی بتائیں صیب جب دو منزلہ مکان ہے' ساٹھ ہزار کوئی زیادہ تو نہیں ہیں!" مجھے اپنی دانست میں ہموار کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے' مگر مجھے فوراً" قبضہ چاہیے۔" میں نے بات کو مختصر کرنے کی خاطر کہا۔

"مکان تو اسی وجہ سے خالی پڑا ہے۔ صیب!" معاملہ بنتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔ "آپ ابھی آ جائیں۔" پھر ذرا توقف سے کہا۔ "بات بس....."

"ہاں ہاں کہو' کیا بات ہے"

"سودا نقد ہو گا صیب جب!" اس نے دل کی بات کہہ دی۔

"منظور ہے۔" میں نے رضامندی کا اظہار کر دیا' پھر بولا۔ آپ کے پاس اس کے کاغذات ہیں؟"

"بالکل صیب! ہر کام پکا ہے۔"

"مکان کی رجسٹری وغیرہ کل صبح ہو جائے گی۔ میں تمہیں رقم آج ہی ادا کر دیتا ہوں۔ تم مکان کے کاغذات دے دو۔"

"چلیں تو پھر..... اور یہ رکھیں مکان کی چابیاں!" اس نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کرنے کی خاطر کہا۔

"نہیں میں پہلے رقم لے آؤں' پھر چابیاں لوں گا۔" یہ کہتا ہوا میں اس کے ساتھ خالی مکان سے باہر آ گیا۔

"میں بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گا۔" چلتے چلتے وہ بولا۔

"بس ابھی آیا۔" یہ کہہ کر میں اپنی کوٹھی کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھنے لگا۔

اس کے بعد عشاء سے پہلے پہلے میرا سارا ضروری سامان نئے مکان میں منتقل ہو چکا تھا۔ کاٹھ کباڑ میں نے وہیں پرانی حویلی کے کھنڈر میں چھوڑ دیا تھا۔ اسی دوران میں میرا پرانا ملازم ارشاد علی بھی آ پہنچا تھا۔ حویلی کو کھنڈر بنے دیکھ کر اس نے گریہ کرنے کے لیے ابتدا ہی

کی تھی کہ میں نے اسے روک دیا۔ ہمزاد کے علاوہ چھوٹا موٹا سامان منتقل کرنے میں اس نے بھی تیزی دکھائی تھی' اور سامان بچا بھی کیا تھا! سامان میں دیگر ضروری اشیا سے زیادہ کتابیں تھیں۔ ارشاد علی دن میں کئی بار وہاں چکر کاٹ کر گیا تھا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ اس نے میری بدلی ہوئی صورت کو بھی بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔ مگر جب میری آواز سنی تھی تو اسے یقین کرنا ہی پڑا تھا کہ میں شیخ کرامت ہوں۔ اسے میرا وظیفہ کامیاب ہو جانے پر بڑی خوشی تھی۔ میرے بدلے ہوئے چہرے کو بھی اس نے وظیفے کے کھاتے میں ڈال دیا تھا اور میں صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

نئے مکان کی اوپری منزل کو میں نے سکونت کے لیے منتخب کیا۔ اوپر صرف دو کمرے تھے جن میں سے ایک کو میں نے نشست گاہ اور دوسرے کو خواب گاہ بنا لیا۔ نچلی منزل پر تین کمرے تھے۔ ان میں سے ایک کو لائبریری' دوسرے کو مہمانوں کے لیے اور تیسرا کمرا ارشاد علی کے لیے مخصوص کر دیا۔

بہت کم وقت میں ہمزاد نے اس مکان کا حلیہ بدل دیا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ گھنٹہ بھر پہلے کوئی اس میں منتقل ہوا ہے۔ اوپری منزل پر دونوں کمروں کے سامنے کھلی چھت پر منڈیروں کے کنارے گملے لگے ہوئے تھے اور ان میں خوشبودار پھول مہک رہے تھے۔ سارا گھر خوبصورت سامان سے بھرا ہوا تھا۔ ارشاد علی بار بار میرے پاس آ کر اپنی حیرت اور خوشی کا اظہار کرتا' کبھی کہتا۔ "مہمانوں والے کمرے میں جانے کہاں سے نئی مسہری اور نئی میز کرسیاں آ گئی ہیں۔" کبھی ہانپتا ہوا آتا اور بتاتا۔ "جناب! جانے کہاں سے بڑا فرنیچر چلا آ رہا ہے' نیا! میری تو عقل حیران ہے۔ میں ذرا سی ذرا باہر کا چکر لگانے گیا تھا کہ دیکھوں پاس پڑوس والے کیسے ہیں' لوٹا تو میرا کمرا سامان سے بھرا پڑا تھا اور..... اور باورچی خانہ بھی! ...... اور تو اور غسل خانے میں لوٹا۔ بالٹی' تولیا' صابن بھی دیکھا ہے میں نے۔ کمال ہو رہا ہے جناب! اب اللہ کا کرم معلوم ہوتا ہے' جس نے لے لیا تھا' دوبارہ دے دیا۔"

وہ خود ہی توجیہات تلاش کر لیتا تھا اس لیے مجھے مزید سمجھانے کی کیا ضرورت تھی! ظاہر ہے کہ میں اسے ہمزاد کے بارے میں تو بتا نہیں سکتا تھا کہ یہ سب کارستانیاں اس کی ہیں۔ ہمزاد سے میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ نئے مکان کو رہنے کے قابل بنا دو اور وہ میرے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے وہی کیا تھا جو میں کہتا۔

وہ رات میں نے نئے مکان میں سکون اور اطمینان کے ساتھ سو کر گزار دی۔ صبح مکان کی رجسٹری بھی کرائی اور تھانے جا کر بھی اپنا نیا پتہ لکھوا آیا۔ تھانے والے بھی میری بدلی

ہوئی شکل دیکھ کر حیران ہوئے۔ مگر کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ مجھے شیخ کرامت تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا۔ گزشتہ روز انہیں خاصا سبق مل چکا تھا۔ وہ مجھ سے ڈرے ڈرے اور سہمے سہمے سے تھے۔

تھانے سے لوٹتے ہوئے مجھے ڈاکٹر امتیاز کا خیال آیا۔ گھر آتے ہی میں نے ارشاد علی کو ساتھ لیا اور ڈاکٹر سے ملنے روانہ ہو گیا۔ ارشاد علی کو میں نے اس لیے اپنے ساتھ لیا تھا کہ وہ مجھے صحیح پتے پر پہنچا دے۔ وہاں پہنچ کر میں نے ارشاد علی کو واپس کر دیا۔

میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ ایک بچی باہر آئی۔ میں نے اس سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب ہیں؟"

"انکل سے ملنا ہے؟ امتیاز انکل سے؟" بچی نے تصدیق چاہی۔

"جی ہاں بیٹے!"

"کیا نام ہے آپ کا؟" بچی نے پوچھا۔

"شیخ کرامت۔"

"انکل اپنے کمرے میں سو رہے ہیں، ابھی جگاتی ہوں انہیں۔"

"اتنی دیر تک سوتے ہیں تمہارے انکل؟"

"صبح کی سیر کر کے آتے ہیں میرے ساتھ اور پھر سو جاتے ہیں، مگر میں نہیں سوتی۔ اس وقت تک اٹھ جاتے ہیں، نہیں تو میں جگا دیتی ہوں۔ اچھا میں آئی ابھی۔" یہ کہہ کر بچی اندر چلی گئی۔ اس کی باتوں میں بڑا بھول پن تھا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ ڈاکٹر امتیاز کی بھتیجی ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ بچی بھاگتی ہوئی آئی اور مجھے نشست گاہ میں لے جا کر بٹھا دیا۔

"انکل ابھی منہ دھو کر آ رہے ہیں۔" اس نے بتایا، پھر بولی۔ "چائے پئیں گے آپ؟ بنوا کر لاؤں امی سے؟"

"نہیں بیٹے، شکریہ! آپ بس بیٹھی رہیں۔"

"جی نہیں جناب، میں نہیں بیٹھ سکتی آپ کے پاس۔"

"کیوں؟"

"ابو کہتے ہیں پہلے کام پھر باتیں۔"

"کیا کام ہے آپ کو اس وقت؟"

"اسکول سے آ کر دو پیج لکھتی ہوں، انگریزی کے۔ جس دن نہیں لکھتی نا تو امتیاز انکل یوں آنکھیں نکالنے لگتے ہیں!"

اس نے اس طرح آنکھیں نکال کر دکھائیں کہ مجھے ہنسی آ گئی اور میں بولا۔ "اچھا تو پھر تم جاؤ، لکھو!"

بچی چلی گئی تو میں سوچنے لگا کہ ڈاکٹر امتیاز یقیناً" بے روزگار ہے۔ غالباً" اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے ورنہ پیسے پاس پلے ہوتے تو اپنا کوئی چھوٹا سا کلینک کھول کر بیٹھ جاتا۔ میرے خیال میں وہ ایک ذہین اور باصلاحیت نوجوان تھا۔ اگر اسے آگے بڑھنے کا موقع ملتا تو یقیناً" کچھ کر دکھاتا۔ ایسے نوجوان ملک و قوم کا اثاثہ ہوتے ہیں، لیکن زمانے کی تیز رفتاری اور خود غرضی انہیں آگے نہیں بڑھنے دیتی۔

"السلام علیکم شیخ......" ڈاکٹر امتیاز کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔

اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "آپ...... آپ نے اپنا نام......"

"بیٹھیں!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "یقین کر لیں میں ہی شیخ کرامت ہوں۔"

"آواز...... آپ کی آواز تو وہی ہے، مگر......" وہ ابھی تک میرے سامنے کھڑا حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"اور میں بھی وہی ہوں۔ اگر مزید یقین دلانے کی ضرورت ہو تو پرسوں حوالات میں میرے اور آپ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی، وہ دہرا دوں!"

"لیکن یہ ممکن...... یہ کس طرح ہو سکتا ہے!" اس کی آواز میں حیرت کے باوجود لب شکست کا عنصر شامل تھا۔

"شاید آپ بھول گئے، میں نے آپ سے کہا تھا کہ عقیدے سے بڑی کوئی قوت نہیں۔"

"جی ہاں مجھے یاد ہے۔" یہ کہتا ہوا وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں اس لیے آپ سے ملنے آیا تھا کہ آپ خود اپنی آنکھوں سے خدا کی قدرت کا تماشا دیکھ لیں۔ خدا قادرِ مطلق ہے۔ وہ مردہ جسم میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔ میرے یقین کو آپ عملی صورت میں دیکھ رہے ہیں کہ میں آپ کے سامنے زندہ سلامت اور تقریباً" صحت مند بیٹھا ہوں۔"

"صحت مند!...... ارے آپ تو جوان ہو گئے ہیں اور...... یہ ایک ناقابل یقین سی بات ہے، مگر میں اپنے مشاہدے کو کس طرح جھٹلا سکتا ہوں! یقین کریں شیخ صاحب کہ ابھی تک میرا ذہن اس حقیقت کو قبول نہیں کر رہا۔"

"اس کی وجہ ہے۔" میں نے پرسکون آواز میں کہا۔ "ہم اس حد تک مادہ پرست ہو

چکے ہیں کہ ہر معاملے میں عقل ہی کو اپنا رہنما بناتے ہیں۔ عقل کی اہمیت سے مجھے بھی انکار نہیں' لیکن ماورائے عقل بھی بہت کچھ ہے' جس کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔"

"آپ بجا فرما رہے۔" اس نے میری بات کی تصدیق میں کہا۔ "ہماری عقل ایک خاص حد تک ہی ہماری رہنمائی کرتی ہے ورنہ اس کائنات میں متعدد ایسے مظاہر ہیں کہ ان کا کوئی عقلی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔

"دراصل ہم نے روحانی اقدار کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اور ساری خرابیاں اسی سے پیدا ہوئی ہیں۔ خیر! یہ بتائیں آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟ میں اصل موضوع پر آ گیا۔

"فی الحال تو کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن چند دن بعد شاید مجھے جاب مل جائے۔ دراصل ڈاکٹر انوار الحق صاحب مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔"

"خدا کرے آپ کی توقع پوری ہو' مگر میں کچھ اور عرض کرنا چاہتا تھا۔" میں نے اسے معنی خیز انداز میں مسکرا کر دیکھا۔

"جی فرمایئے۔" وہ خوش اخلاقی سے بولا۔"

"آپ خود اپنا پرائیویٹ کلینک کیوں نہیں کھول لیتے!" میں نے عرض مدعا سے پہلے راہ ہموار کی۔

"اپنا کلینک نہ کھولنے کے کئی سبب ہیں جناب!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں آپ جیسے مخلص آدمی سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتا کہ میں کسی بڑے خاندان کا فرد نہیں ہوں' بڑے خاندان سے میری مراد روپے سے پیسے ہے۔ متوسط گھرانا ہے ہمارا' میرے والد اور والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ میرے لیے بھائی صاحب ہی سب کچھ ہیں۔ انہوں نے ہی مجھے پڑھا لکھا کر اس قابل کیا ہے کہ میں زندگی کی دوڑ میں شامل ہو سکوں۔ خدا ایسا بڑا بھائی سب کو دے۔ بہرحال ان کے ذمے داریاں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اب مزید ان پر کوئی بوجھ ڈالوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ اب ان کی ذمے داریوں کو کم سے کم کر دوں۔ اسی تگ و دو میں لگا ہوں اور مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔"

"ہوں!" میں چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا۔ اگر آپ کو کہیں سے اتنی رقم مل جائے کہ اپنا کلینک کھول لیں تو......"

"جی نہیں۔" اس نے درمیان ہی میں میری بات کاٹ دی۔ "اوّل تو یہ کہ میں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتا' یعنی قرض لے کر میں یہ کام نہیں کر سکتا! دوسری وجہ یہ ہے کہ

اپنا کلینک کھول لینا تو آسان ہے' مگر اسے چلانا اتنا آسان نہیں۔"

"آپ اپنی بات کی وضاحت کریں گے؟.... میں سمجھا نہیں کہ کلینک چلانے میں کیا قباحت ہے؟"

"بات یہ ہے جناب کہ مریض عموماً" ہمارے جیسے نوجوانوں کو بالکل اناڑی سمجھتے ہیں۔ وہ تجربہ کار افراد کو ترجیح دیتے ہیں۔ میں اس کی ایک مثال عرض کروں۔ میرے ہی کلیگز میں سے ایک نے گوری کے قریب جو آبادی ہے غریبوں کی' وہاں اپنا کلینک کھولا ہے۔ ابھی کوئی ایک مہینہ ہوا...... بندہ ایم بی بی ایس ہے اور ذہین بھی۔ اسی سے کچھ فاصلے پر ایک بڑے میاں کا کلینک ہے جو میرے علم و اطلاع کے مطابق پہلے ایک ڈاکٹر کے کمپاؤنڈر ہوتے تھے۔ نہ ان کے پاس مناسب تعلیم ہے نہ ڈاکٹری کی ڈگری۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ میرا کلیگ تو دن بھر مریضوں کے انتظار میں سوکھتا رہتا ہے اور ان بڑے میاں کے کلینک پر مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اب بتائیں ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ یہ معتبر و معزز پیشہ بھی لوگوں کی لاعلمی کے سبب دکان داری بن گیا ہے۔ آئے دن ایسے اناڑیوں کے ہاتھوں لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑی رہتی ہے۔ کیس بگڑ جاتا ہے تو مریض کو سرکاری ہسپتال کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ کوئی مرے یا جیے ان کی بلا سے!" یہ کہہ کر ڈاکٹر امتیاز خاموش ہو گیا۔

"آپ اسے نصیحت نہ سمجھیے گا۔" میں اس کی پوری بات سمجھ کر بولا۔ "دراصل اس کی بنیادی وجہ ناخواندگی ہے۔ اس فضا کو آپ ایسے ہی نوجوان بدل سکتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ہمارے ملک میں ایک دم خواندگی کی سطح بلند ہو جائے۔ اس اس میں بڑا وقت لگے گا اور یہ بھی کہ اس سلسلے میں ہمیں ایثار اور قربانیوں سے کام لینا پڑا گا۔ لوگوں کا شعور رفتہ رفتہ ہی بلند ہو گا۔ ایسی صورت میں اگر آپ جیسے سمجھ دار نوجوان ہمت ہار بیٹھیں گے تو حالات جوں کے توں رہیں گے۔ ان حالات کو اسی وقت بدلا جا سکتا ہے جب شر کی جگہ خیر آ جائے' بدی کی جگہ نیکی لے لے' برائی کی جگہ بھلائی اپنے قدم جما لے۔ یہ کام ایثار اور قربانی کا طالب ہے' اس کے لیے ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک سرد جنگ ہے جو آپ کی نسل کو جیتنا ہے۔ تو کیا آپ سپر ڈال دینا چاہتے ہیں؟"

میری گفتگو کے دوران میں اس کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ یقیناً" میرے استدلال نے اس پر کچھ نہ کچھ اثر کیا تھا۔ بالآخر وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں' لیکن...... لیکن...."

فضا کیوں کہ خاصی سنجیدہ ہو گئی تھی اس لیے اس کے بوجھل پن کو دور کرنے کی خاطر

میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن یہ کہ سامان جنگ کہاں سے آئے؟ غالباً" آپ یہی کہنا چاہتے ہوں گے؟"

وہ بھی مسکرا دیا۔ "آپ ٹھیک سمجھے۔"

میرا جو مدعا تھا۔ اس کے لیے اب فضا ہموار ہو چکی تھی۔ میں نے آہستگی سے اپنی واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ بڑے نوٹوں کی ایک گڈی' میں اسی غرض سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ دس ہزار روپے تھے۔ میں نے نوٹوں کی گڈی اس کی طرف بڑھا دی اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' بولا۔ "یہ قرض حسنہ ہے' آپ پر کوئی احسان نہیں۔ جب آپ کے پاس ہوں' واپس کر دیجئے گا' میں واپس لینے سے انکار نہیں کروں گا۔"

"نہیں.... نہیں جناب' یہ.... یہ کیسے ہو سکتا ہے! آپ.... آپ.... میں اتنی بڑی ذمے داری کا خود کو اہل نہیں سمجھتا۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"تو اسے بڑے بھائی کی طرف سے چھوٹے بھائی کے لیے ہدیہ سمجھ لیجئے گا۔ رکھ لیں ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ کو میرے خلوص پر شبہ ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

وہ شریف النفس نوجوان بڑی مشکل سے رام ہوا۔ پھر میں نے اسے اپنے نئے مکان کا پتہ سمجھایا اور اٹھنے لگا۔ اس نے بغیر چائے پلائے مجھے نہ اٹھنے دیا۔ جب وہ مجھے رخصت کر رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔ مفاد پرست لوگوں کی اس دنیا میں یقیناً" اس نوجوان کے لیے یہ بڑا انوکھا اور نیا تجربہ تھا۔ میں اسے خجالت کے احساس سے بچانے کی خاطر مزید وہاں نہیں رکا اور "خدا حافظ" کہہ کر اس کے گھر سے نکل آیا۔

تصویر کا یہ ایک رخ تھا اور اب میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے جا رہا تھا۔ اب مجھے اپنے سابق شریک کار نصیر الدّین سے ملنا تھا۔ ڈاکٹر امتیاز اگر نیکی کی علامت تھا تو نصیر الدّین بدی کا شاہکار! اس نے نہ صرف میرے پورے کاروبار پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا بلکہ مجھے اپنا مقروض ثابت کر کے عدالت میں مجھ پر عدم ادائیگی کا کیس بھی کر دیا تھا۔

ایک زمانے میں جب میں نیا نیا چاٹگام آیا تھا تو یہی نصیر الدین کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ چھوٹے شہروں میں چھوٹے سرمایہ دار بھی بڑے گنے جاتے ہیں۔ کسی سے اسے میرے بارے میں علم ہوا کہ میں پیسے والا آدمی ہوں' خود ہی آ کر ملا اور مجھے اپنی بپتا سنائی۔ اس بپتا کا خلاصہ یہ تھا کہ اسے کاروبار میں گھاٹا ہو گیا ہے اور یہ کہ سرمائے کی کمی کے سبب وہ مار کھا گیا ہے۔ اگر مناسب سرمایہ ہو تو وارے کے نیارے ہو سکتے ہیں۔ اس نے میرے سامنے کئی تجاویز رکھیں جن میں سے ایک مجھے پسند آ گئی۔ میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں اپنی آمدنی کے اصل ذریعے کو چھپانا

چاہتا تھا۔ کم از کم اس نئے شہر میں مجھے یہ شہرت نہیں کرنا تھا کہ میرا ہمزاد میرے قابو میں ہے۔ دنیا دکھاوے کے لیے مجھے کوئی نہ کوئی کاروبار کرنا ہی تھا۔ نصیر الدّین چائے کی برآمد میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ واقعی وہ اس سلسلے میں تجربہ رکھتا ہے اور پیسہ نہ ہونے ہی کی وجہ سے پٹ رہا ہے۔ یہ مسلّمہ اصول ہے کہ بڑی مچھلی' چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ جن لوگوں کے بڑے کاروبار تھے' وہ نصیر الدّین کو پنپنے نہیں دے رہے تھے کہ کہیں کل کو یہی شخص ان کے مقابل نہ آ جائے۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ کتنا بنیادی سرمایہ چاہیے؟ اس نے پانچ لاکھ کی رقم کو کافی بتایا۔ میں نے ہاں کر لی اور لکھت پڑھت بھی ہو گئی۔ ابتدا میں دو چار دفع میں اس جگہ گیا جہاں اس نے اپنا دفتر قائم کیا تھا۔ پھر مہینوں بعد جانے لگا اس لیے کہ نفع ہوتا یا نقصان مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ آمدنی کے ذرائع کے سلسلے میں لوگ میری طرف سے شبہے میں نہ پڑیں۔ رفتہ رفتہ میں نصیر الدّین پر اتنا اعتماد کرنے لگا کہ بہ حیثیت شریک کار وہ مجھ سے جس کاغذ پر دستخط کراتا' ایک نظر اس پر ڈال کر دستخط کر دیتا۔ اس کے بعد میں نے سرسری نظر ڈالنا بھی چھوڑ دی' جہاں اس نے کہا' دستخط کر دیے۔ نہ مجھے اپنے لگائے ہوئے بنیادی سرمائے کی طرف فکر تھی' نہ منافع کی خواہش تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر نصیر الدّین نے چپ چپاتے مجھ سے اس کاغذ پر بھی دستخط کر لیے جس کی رو سے وہ مجھے میرے پانچ لاکھ واپس کر چکا تھا اور اب تنہا سارے کاروبار کا مالک تھا۔ اسی کے ساتھ اس نے مجھے مزید پھانسنے کی خاطر پونے دو لاکھ روپے کا مقروض بھی بنا لیا۔ جھوٹی رسیدوں پر دستخط کرا کے! اس حد تک بھی میرے نزدیک وہ قابل معافی تھا اس لیے کہ گناہ اس نے کیا تھا اور بالآخر اس گناہ کی سزا اسے ہی بھگتنا تھی' یہاں نہیں تو آخرت میں! مگر ہوا یہ کہ وہ سینہ زوری پر اتر آیا اور وہ بھی میرے ساتھ! میری جگہ کوئی اور ہوتا تو رو دھو کر بیٹھ جاتا اور اپنی حماقت پر زندگی بھر پچھتاتا رہتا۔ آدمیت پر اسی لیے تو اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ نصیر الدّین جیسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی عقل کل ہیں۔ ایسوں کا سبق دینا یوں بھی ضروری ہے کہ کل وہ کسی اور شریف آدمی کے گرد اپنی ریاکاری کا جال نہ بن سکیں۔ بات صرف مقدور کی ہے اور مجھے یہ مقدور تھا۔ اب میں اس کے سارے کس بل بہ آسانی نکال سکتا تھا۔ "سو دن سنار کے' ایک دن لوہار کا" یہ کہاوت یوں ہی تو نہیں بنی۔ اس کے پیچھے صدیوں کا انسانی تجربہ ہے' مگر نصیر الدین شاید یہ بھول گیا تھا او اس وقت اسے یہی یاد دلانے جا رہا تھا۔

اس نے چاٹگام جیسے شہر میں بڑا اچھا دفتر بنایا تھا۔ وہاں جتنے لوگ کام کرتے تھے' کم و بیش سبھی مجھ سے واقف تھے اسی لیے جب میں ایک طویل عرصے کے بعد دفتر میں داخل ہوا تو

وقتی طور پر ہلچل سی مچ گئی۔ شاید بدلے ہوئے چہرے کے سبب وہ یہ سمجھے تھے کہ میں ان کے سابق مالک کا بیٹا ہوں۔ نصیر الدین غالباً" پورے اسٹاف کو یہ باور کرا چکا تھا کہ اب وہی تنہا سارے کاروبار کا مالک ہے اور میرا اس فرم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات مجھ سے کسی نے کہی تو نہیں لیکن لوگوں کے چہروں اور ان کے رویوں سے مجھ پر حقیقت روشن ہو گئی۔ کوئی ایک شخص بھی میرے لیے کرسی چھوڑ کر کھڑا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کسی تپاک کا مظاہرہ کیا تھا۔

نصیر الدین پہلے سے الگ کمرے میں بیٹھتا تھا۔ مجھے یہ ضرورت پیش نہیں آئی کہ اسے اپنی آمد سے مطلع کراتا' اس کے کسی "مصاحب" نے اسے خبر کردی تھی۔ وہ اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی خاطر خود ہی اپنے کمرے سے نکل کر باہر آگیا۔

"آداب! آپ غالباً" شیخ صاحب کے فرزند ہیں۔ تشریف لایئے۔" وہ میرے قریب آ کر بولا اور اپنے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ نے کیسے زحمت کی؟"

"ابھی کمرے میں چل کر عرض کردوں گا۔" یہ کہتا ہوا میں اس کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ میری آواز سن کر وہ چونکا ضرور تھا' مگر کچھ بولا نہیں۔

کمرے میں پہنچ کر وہ اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گیا اور اپنے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کو ایک طرف سرکاتے ہوئے بولا "بیٹھیں۔"

میں اس کے مقابل والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے اور اس کے درمیان میز تھی۔ اصل گفتگو شروع کرنے سے پہلے میں نے اس سے کہا۔ "نصیر الدین! مجھے تم سے خلوت میں کچھ بات کرنا ہے اس لیے یہ بہتر ہے کہ تم اپنے چپراسی کو بلا کر ہدایت کردو' اس دوران میں کوئی اندر نہ آئے۔ میرے بدلے ہوئے چہرے پر نہ جاؤ۔ میں شیخ کرامت ہی ہوں!"

لمحہ بھر کو اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آئے' پھر اس نے کہا۔ "اگر واقعی ایسا ہے بھی تو میں اس وقت ذرا کچھ مصروف تھا۔ کام بہت ہے آج کل۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کسی اور وقت آجائیں۔ ٹھہریں' میں اپنی ڈائری دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ وہ ٹیبل کیلنڈر کے ورق الٹنے لگا۔

میں اس کی حماقت اور بھونڈی اداکاری پر مسکرا ہی سکتا تھا' سو مسکرا رہا تھا۔

"ہاں..... یہ..... یہ ویٹ..... یہ ٹھیک ہے۔" وہ جیسے خود سے باتیں کر رہا تھا۔ "میں لکھ لیتا ہوں' یہاں آپ کا نام' وہ قلم اٹھا کر لکھنے لگا۔ "شام چار اور پانچ بجے کے درمیان پرسوں آجایئے۔ دراصل کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ ایک ایک لمحے کا حساب رکھنا پڑتا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

اس نے اپنا سوچا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا اور اندر گوشت میں دھنسی ہوئی چھوٹی چھوٹی سی عیار

آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

"یہ تو ٹھیک کہتے ہو تم نصیر الدین کو بہت مصروف آدمی ہو تمہارا وقت بھی نہیں ہے تمہارے پاس! مگر دیرینہ دوستوں کے لیے تو وقت نکالنا ہی پڑتا ہے۔ آج ہی بات ہو جائے تو اچھا ہے۔ کام تو زندگی بھر کا ہے' کرتے رہنا۔" میں پرسکون آواز میں بولا۔ "یہ اس لیے بھی کہہ رہا ہوں کہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ میں تم سے مصالحت کی بات کرنے آیا تھا۔ میرے تمہارے درمیان جو رنجش خواہ مخواہ پیدا ہو گئی ہے' وہ ختم ہونا چاہیے۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے نا!" میں اسے کھلا رہا تھا۔

"دیکھیں شیخ صاحب' معاف کیجئے مصالحت کا وقت اب گذر چکا ہے۔ میرے آپ کے درمیان مقدمے بازی چل رہی ہے۔ اب فیصلہ عدالت کرے گی۔ اگر آپ اسی سلسلے میں بات کرنے آئے ہیں تو فضول ہے۔ بیکار اپنا اور میرا وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ میری شرافت ہے کہ آپ سے دیرینہ تعلقات کے سبب میں نے عزت کے ساتھ یہاں اپنے کمرے میں بٹھا لیا ورنہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو آپ کو اس کمرے ہی میں نہیں' دفتر میں بھی گھسنے نہ دیتا!" نصیر الدین کا فطری گھٹیا پن ظاہر ہونے لگا۔

"خیر یہ تو تمہارا احسان ہے نصیر الدین اور اس احسان کو میری آنے والی کئی نسلیں یاد رکھیں گی' مگر اس کے باوجود بات ابھی اور اسی وقت ہو گی!" میرا لہجہ بدلنے لگا۔

"کوئی زبردستی تو نہیں ہے؟" وہ عیاری سے مسکرایا۔ "میں چاہوں تو ابھی آپ کو یہاں سے نکلوا سکتا ہوں۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری یار!" میں ہنس پڑا۔ "تم تو تم تمہارے ابا حضور قبلہ بھی مجھے یہاں سے جانے پر مجبور نہیں کر سکتے!"

"شیخ صاحب! دیکھیں آپ میرے باپ تک پہنچ رہے ہیں اور میں..... میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا! چلے جائیں۔ یہاں سے ورنہ میں چپراسی سے دھکے دلوا کر آپ کو دفتر سے نکلوا دوں گا!" غصے کی وجہ سے اس کا پھولا ہوا چہرہ مزید پھول گیا۔ "پھر یہ بھی نہ بھولو کہ تم خود کو اس بدلے ہوئے چہرے کے ساتھ شیخ کرامت ثابت نہیں کر سکتے۔ تم نے یقیناً" کسی غیر ملک جا کر پلاسٹک سرجری کرائی ہے اور اس طرح خود اپنے لیے گڑھا کھود لیا ہے!" وہ بے ادبی پر اتر آیا۔

"گڑھا تو میں نے تمہارے لیے کھودا ہے نصیر الدین! بس اس وقت تمہیں اس گڑھے میں دھکا دینے آیا تھا اور تم مجھے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتے!" یہ کہہ کر میں اٹھا اور پھر پلٹ

کر اندر سے دروازہ بند کر دیا۔

"کیا کر رہے ہو یہ تم!" وہ خوف زدہ سی آواز میں چیخا۔ "میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔" یہ کہ کر اس نے ایک طرف رکھے ہوئے ٹیلی فون سیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

میں لپک کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ "حماقت نہ کرو گدھے!" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا۔ "سکون سے بات کرو، میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا!" میں نے ریسیور کو دوبارہ کریڈل پر رکھ دیا اور گھوم کر دوبارہ اس کے سامنے آ بیٹھا، پھر بولا۔ ""اب اگر تم نے ریسیور اٹھایا تو ٹیلی فون کا تار کھینچ کر نکال دوں گا!" میرے لہجے میں دھمکی تھی۔

وہ خوف زدہ سا نظر آنے لگا اور تیز تیز سانس لیتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"ہاں تو نصیر الدین! اب کہو، مصالحت پر آمادہ ہو؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں!" اس نے تیز آواز میں جواب دیا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ تم غنڈہ گردی کر کے مجھ سے اپنی بات زبردستی منوا لو گے۔"

"غنڈہ گردی!" میں زور سے استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "غنڈے، تم ہو یا میں؟"

"تم کر رہے ہو غنڈہ گردی! میں تو شرافت سے بات کر رہا تھا۔"

"مگر شرافت سے تمہارا کیا تعلق! تم تو انتہائی کمینے اور ذلیل آدمی ہو، احسان فراموش ہو!"

"تم پھر حد سے بڑھ رہے ہو!"

"وہ تو میں بڑھوں گا اور تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔"

"کورٹ میں بات کرنا، کورٹ میں!"

"کورٹ!..... ہونہہ! کورٹ شرفا کے لیے ہوتی ہے۔ تم ایسے بدمعاشوں اور جعل سازوں کے لیے نہیں۔"

"تو پھر جعل ساز ثابت کر دو نا، مجھے عدالت میں! یہاں غنڈہ گردی کرنے کیوں آ گئے ہو!"

"تمہیں جعل ساز ثابت کرنے کے لیے خود تمہارا مردہ ضمیر کافی ہے۔ اس کے لیے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں نصیر الدین!" میرے لہجے میں انتہائی چبھن تھی۔

"ضمیر اور بے ضمیری کی بات کمزور لوگ کرتے ہیں۔ کوئی اور بس نہیں چلتا تو ضمیر ضمیر کی رٹ لگانے لگتے ہیں۔ میں کمزور آدمی نہیں ہوں، میرے پاس دولت ہے اور اس دنیا

میں دولت ہی سب سے بڑی قوت ہے۔"

"بیشری ہو تم!" میں نے ہنس کر کہا۔ "کتنی دولت ہو گی تمہارے پاس! یہی دس بیس لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہے؟"

"تم کون ہوتے ہو یہ پوچھنے والے! کچھ بھی ہو میرے پاس، میرا اپنا ہے! میں نے اپنی محنت اور ذہانت سے کمایا ہے!"

"محنت اور ذہانت سے یا عیاری اور خباثت سے؟"

"بھونکے جاؤ کچھ بھی، مجھ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو گا!"

"اس لیے کہ تم چکنے گھڑے ہو! کمینگی کی انتہا پر پہنچ چکے ہو! اور اپنا وہ وقت بھول چکے ہو جب کوڑی کوڑی کو محتاج تھے اور میرے پاس آ کر ریائے تھے کہ بڑے کاروباریوں نے تمہاری ناک میں نکیل ڈال دی ہے، تمہیں سرمایہ چاہیے۔ بھول گئے اپنی اوقات!" میں نے اسے گھورا۔

"کوئی احسان نہیں کیا تھا تم نے مجھ پر! برابر کے شریک تھے تم!"

"پھر کیا ہوا؟..... بولو! تم نے اس شریک کار کو، اپنے اس محسن کو جس نے برے وقت میں تمہارا ساتھ دیا تھا۔ فراڈ کر کے نو دو گیارہ کر دیا۔ اسی کو ذہانت کہہ رہے ہو تو!"

"میں نے تم سے کوئی فراڈ نہیں کیا۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ "جو فراڈ کرتے ہیں خود چل کر عدالت نہیں جاتے جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے!"

"ڈراما خوب بولتے ہو تم، اگر کسی ناٹک کمپنی میں ہوتے تو اچھا کما کھاتے۔ مسخرے کا کردار تم پر اچھا جچتا۔" میں نے اس کا مذاق اڑایا۔ "تمہاری صورت دیکھ کر ہی ہنسی آنے لگتی ہے۔ چلتے ہو تو لگتا ہے کوئی بڑی سی فٹ بال لڑھک رہی ہو! اس پر کپڑے ایسے پہنتے ہو کہ معلوم ہوتا ہے ڈھولک پر غلاف چڑھا دیا گیا ہے۔" یہ کہہ کر میں ہنسنے لگا۔

"زیادہ دانت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے!" وہ ایک بار پھر گرم ہو گیا۔ "تمہیں میرا مذاق اڑانے کا کوئی حق نہیں، چلتے پھرتے نظر آؤ، اسی میں بہتری ہے تمہاری! میں تمہاری باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔"

"میں تو تمہیں غیرت دلا رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید شرافت کی کوئی چنگاری تمہارے ناپاک وجود میں اب بھی باقی رہ گئی ہو۔"

"ناپاک وجود ہو گا تمہارا! شرافت کی بات بزدل کرتے ہیں اور میں بزدل نہیں ہوں۔ کیسی شرافت، کیسی مصالحت! تم نے کاروبار میں جو رقم لگائی تھی، واپس لے لی اور ہمارے

درمیان تحریری معاہدہ یہ تھا کہ جب میں تمہاری رقم واپس کر دوں گا تو وہ تحریری معاہدہ منسوخ تصور کیا جائے گا۔ اب کس بات کا رونا رو رہے ہو! اس کے علاوہ پونے دو لاکھ روپے تم نے مجھ سے مزید لے لیے' اپنے علاج معالجے کی خاطر!"

"یہ تو میں بالکل بھول ہی گیا تھا' اچھا ہوا تم نے یاد دلا دیا کہ اپنا علاج میں نے تم سے پیسے لے کر کرایا تھا!" میری آواز میں تمسخر تھا۔ "میں نے تم سے جو رقم وقتاً" فوقتاً" لی ہے ظاہر ہے کہ اس کی پکی رسیدیں تو ہوں گی تمہارے پاس! جیسا کہ تم کئی بار بتا چکے ہو' مگر مجھے نہ جانے کیوں یقین نہیں آتا اس بات پر! تمہارے پاس رسیدیں وسیدیں ہیں نہیں' تم یونہی دون کی لے رہے ہو!"

عدالت میں سب معلوم ہو جائے گا تمہیں' رسیدیں ہیں یا نہیں! نصیرالدین کچی گولیاں نہیں کھیلتا۔"

"تو ابھی تک تم گولیاں کھیلتے ہو' بچوں کی طرح! سچ بات آ ہی جاتی ہے زبان پر!..... خیر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اب عدالت کا رخ کیا تم نے تو بہت ذلیل ہونا پڑے گا وجہ یہ کہ وہ جعلی رسیدیں اب تمہارے پاس نہیں ہیں۔"

میں مسکرا کر بولا۔ "تم پر الٹا کیس ہو جائے گا۔"

"بکتے ہو تم! میں نے انہیں بہت سنبھال کر اپنے گھر کی سیف میں رکھا ہے!" یہ کہتے ہوئے وہ کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ غالباً" اس کی وجہ سے میرا پریقین لہجہ تھا۔

"میں بکتا نہیں گدھے' فرمایا کرتا ہوں! وہ رسیدیں میرے پاس ہیں کہو تو ابھی دکھا دوں؟"

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" وہ ہنسنے لگا' پھر بولا "یا پھر تم کوئی چکر چلانا چاہتے ہو!"

میں نے اس دوران میں ہمزاد کو طلب کر لیا اور اس سے کہا۔ "رسیدیں لے آؤ' یہ کہتا ہے کہ وہ جعلی رسیدیں اس کے گھر کی سیف میں رکھی ہیں' بے وقوف کہیں کا!"

ہمزاد میرا حکم سنتے ہی غائب ہو گیا۔

"اب مجھے یقین آ گیا شیخ کرامت کہ تم واقعی سرک گئے ہو۔" وہ ہنس کر کہنے لگا۔ ہواؤں سے باتیں کرنے لگے ہو!

"دم لو ذرا چھری کے نیچے' ابھی تمہاری فاختہ اڑ جائے گی بیٹا جب رسیدیں دکھاؤں گا۔" میرا جملہ پورا ہوا تھا کہ ہمزاد واپس آ گیا اور نے آہستگی کے ساتھ میری واسکٹ کی جیب میں رسیدیں لا کر رکھ دیں۔ میں نے اشارے سے اسے رخصت کر دیا۔ نصیرالدین مجھے اس

طرح دیکھ رہا تھا جیسے واقعی اسے میری ذہنی صحت پر شبہ ہو۔ میں نے اسے ایک بار پھر مخاطب کیا۔ "ہاں تو برخوردار' دیکھو گے وہ رسیدیں؟" اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا' میں نے اپنی واسکٹ کی جیب سے ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ رہیں وہ رسیدیں!" میرا ہاتھ واسکٹ کی جیب سے باہر آ گیا۔

نصیرالدین کے چہرے پر اس وقت زلزلے کے آثار تھے جب میں رسیدوں کی تہیں کھول کر اسے دکھا رہا تھا۔ اسے جیسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ پونے سات لاکھ روپے کی رسیدیں تھیں اور ان پر اسٹامپ بھی لگے ہوئے تھے۔ نصیرالدین کے لیے گویا وہ پونے سات لاکھ روپے تھے۔ معاً" میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا ہے۔ دوسرے ہی لمحے اس نے تیزی کے ساتھ جھک کر اپنی میز کی ایک دراز کھولی اور پھر مجھے اس کی ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔

"شیخ کرامت! یہ رسیدیں میرے حوالے کر دو ورنہ گولی مار دوں گا!" وہ مجھ پر ریوالور تان کر کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔

چلو اچھا ہوا تمہارا یہ روپ بھی نظر آ گیا کہ تم دولت کی خاطر کسی کو قتل بھی کر سکتے ہو!" میں نے انتہائی پرسکون لہجے میں کہا اور ہمزاد کو دوبارہ طلب کر لیا۔

"رسیدیں پھینک دو میز پر!" وہ میری بات کو نظر انداز کرتا ہوا بلند آواز میں بولا' مگر دوسرے ہی لمحے ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

ہمزاد نے اس سے ریوالور چھین کر مجھے تھما دیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اب میرے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا' دوسرے میں رسیدیں۔ ریوالور اتنی تیزی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے نکل کر مجھ تک پہنچ گیا تھا کہ شاید نصیرالدین کچھ سمجھ ہی نہ سکا تھا کہ ایک دم ہوا کیا۔ اب اس کے چہرے پر انتہائی حیرت اور خوف کے تاثرات تھے۔

"اب میں تمہیں گولی مار دوں تو؟" میں نے ریوالور اس کی طرف سیدھا کر لیا۔

"نن..... نہیں!" وہ تقریباً" چیخ اٹھا۔ "گولی نہ مارنا!..... میں..... میں..... مجھے رسیدیں نہیں چاہییں۔"

"کیوں؟..... رسیدوں کے بغیر کیس کیسے لڑو گے؟" میں چبھتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیس..... واپس..... واپس لے لوں گا میں۔" وہ گھگھیانے لگا۔

"نہیں! رسیدیں تو میں تمہیں ضرور دوں گا!" یہ کہہ کر میں نے رسیدیں اس کی طرف پھینک دیں۔

وہ حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی اپنے سامنے پڑی ہوئی رسیدیں دیکھنے لگا۔

"اٹھا کر دیکھو انہیں۔ یہ وہی رسیدیں ہیں جو تم نے اپنے گھر کی سیف میں رکھی تھیں!

"مجھے.... مجھے یقین ہے.... یقین ہے شیخ صاحب!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اچھا تو میں پھر شیخ صاحب ہو گیا۔" لفظ صاحب پر میں نے زور دیا اور مسکرانے لگا' پھر ایک دم میرا لہجہ بدل گیا۔ "رسیدیں اٹھاؤ! ورنہ....." میں نے ریوالور کو حرکت دی۔

"اٹھا.... اٹھا رہا ہوں!" وہ لرزنے لگا۔ "خدا..... خدا کے لیے گو..... گولی نہ چلایئے گا۔" پھر جب وہ جھک کر میز سے رسیدیں اٹھا رہا تھا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

اس وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے اس سے سوال کیا۔ "وہ معاہدہ بھی تمہاری سیف میں ہے جو تم نے مجھ سے لکھوایا تھا' شراکت کا معاہدہ؟"

"ج..... جی...... جی ہاں شیخ صاحب!" اس نے جواب دیا اور اسی وقت کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ "کک...... کون..... کون ہے؟"

"کوئی بھی ہو' کہہ دو کہ تم اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتے!" میں نے اسے حکم دیا۔

اس نے بلند آواز میں میرا حکم دہرایا۔ میں نے دروازے سے قدموں کی چاپ دور ہوتے سنی۔ ہلکی سی "کھٹ کھٹ" کی آواز سے میں نے اندازہ لگایا کہ دروازے پر دستک دینے والی کوئی لڑکی ہو گی۔ دفتر میں اب نصیرالدین نے لڑکیوں کا اضافہ بھی کر لیا تھا جنہیں میں نے آتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔

"ابھی بینک کا وقت ہے۔ تمہارے اکاؤنٹ میں کتنے روپے ہیں؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا' پھر سخت لہجے میں بولا۔ "جھوٹ نہ بولنا!"

"مجھے..... ٹھیک..... ٹھیک سے علم نہیں' اپنے اکاؤنٹنٹ سے پوچھ کر....."

"پوچھنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں خود معلوم کرائے لیتا ہوں۔ ابھی تک یہیں قریبی برانچ میں ہے نا تمہارا اکاؤنٹ؟" میں نے اسی کے ساتھ بینک کا نام لیا۔

"جی..... جی ہاں نیشنل بینک ہی میں ہے ابھی تک میرا اکاؤنٹ!" اس نے تصدیق کی۔ رسیدیں اب تک اس کے ہاتھ میں تھیں۔ اس کے چہرے سے خوف کے ساتھ اب الجھن کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔ وہ یقیناً میری بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

"چیک بک تو ہو گی' تمہاری میز کی دراز میں؟" میں بولا' پھر اس کے جواب دینے سے پہلے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم بے ایمان آدمی ہو اور جو خود بے ایمان ہوتا ہے کسی دوسرے پر اعتماد نہیں کرتا اس لیے مجھ سے بہانہ نہ کرنا کہ چیک بک' اکاؤنٹنٹ کے پاس ہے۔"

"میں.... میں نے کب کہا شیخ صاحب کہ چیک بک میرے پاس نہیں!" وہ بڑی لجاجت سے بولا۔ اپنی موت کو سامنے دیکھ کر اس کی ساری اکڑفوں رخصت ہو گئی تھی۔

"رسیدیں فی الحال میز پر رکھ دو اور چیک بک نکالو جلدی!"

"اس نے فوراً" میرے حکم کی تعمیل کی' پھر ڈرتے ڈرتے سہمی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔ "آپ..... آپ کیا..... کیا چاہتے ہیں شیخ صاحب؟"

"اپنے پانچ لاکھ واپس لینا چاہتا ہوں' چیک کاٹو تم!"

میری بات سن کر اس نے طویل سانس لیا' پھر کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے' مگر..... بیلنس اتنا نہ ہوا تو..... تو پھر....."

"وہ تم مجھ پر چھوڑ دو! ابھی تم بہت دعوے کر چکے ہو کہ بڑے دولت مند بن گئے ہو اور تمہارا دعویٰ مجھے غلط نہیں لگتا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم سے فراڈیوں کے پاس بہت مال ہوتا ہے! ہاں یہ خیال رکھنا کہ دستخط صحیح ہوں۔ میں اس وقت تک یہیں بیٹھا رہوں گا جب تک چیک کیش نہیں ہو جائے گا! لکھو پانچ لاکھ کا چیک! چیک پر سیلف' لکھنا!" میں نے تاکید کی۔

"وہ تو میں لکھ دیتا ہوں مگر....." وہ قلم اٹھاتے ہوئے بولا۔

"مگر کیا؟"

"آپ یہیں بیٹھیں رہیں گے تو..... تو چیک کون کیش کرا کے لائے گا؟" آپ مجھ پر یقین کریں' میں صحیح دستخط کروں گا۔"

"تاکہ ادھر میں چیک لے کر بینک جاؤں' ادھر تم فون پر مینجر سے کہہ دو کہ چیک کیش نہ کرے۔ بعد میں تم بینک کو اس چیک کے نمبر لکھ کر دے دو گے کہ اس نمبر کا چیک گم ہو گیا ہے اور اس کا پیمنٹ نہ کیا جائے!" میں نے یہ کہتے ہوئے اسے گھورا۔ "تمہاری بڑی کھوپڑی میں جو وہ تو لے بھیجا ہے' اس پر زیادہ زور نہ ڈالو' مجھے احمق کی دم!"

اب اسے میں احمق کی دم کہتا یا کچھ اور' وہ برا نہ مانتا' ایک کان سے سنتا دوسرے نکال دیتا۔ یہی ہوا بھی۔ وہ برا مانے بغیر نرمی سے بولا۔ "شیخ صاحب! مجھے اعتراف ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا اور یہ کہ میں بہت برا ہوں' مگر اب..... اب آپ کے ساتھ کوئی

دھوکا نہیں کروں گا۔ آپ کہیں تو بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔"

میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تم ایسے لوگوں کی قسموں اور اعتراف گناہ کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم کتے کی دم کی طرح ہو جسے بارہ سال بھی کسی نلکی میں رکھا جائے تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہے گی۔"

"تو پھر یوں کرتے ہیں کہ آپ یہاں تشریف رکھیں' میں خود چیک کیش کرا کر لے آتا ہوں۔" اس نے دوسری تجویز پیش کی۔

"چیک کیش کرا کے لاؤ گے یا پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے۔"

"آپ تو کسی طرح مان ہی نہیں رہے اور...... اور اگر ہم دونوں ہی یہیں بیٹھے رہے تو...... تو پھر چیک کون......" "ہاں واقعی یہ بات تو ہے۔" میں اس طرح چونک کر بولا جیسے پہلے یہ بات میرے ذہن ہی میں نہ آئی ہو۔ میں اس سے دانستہ کھیل رہا تھا۔

"اب آئی بات آپ کی سمجھ میں!" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

میں ایک دم اس پر ناراض ہو گیا۔ "دانت بند کر گھامڑ آدمی! چلا مجھے پٹی پڑھانے! ابے کیا تیرا کوئی آدمی چیک کیش کرا کے نہیں لا سکتا؟ بول!"

"یہ...... یہ بات بھول...... بھول گیا تھا شیخ صاحب!" اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ پل پل وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا تھا۔

"چیک لکھ جلدی سے!" میں بہ دستور سخت لہجے میں بولا۔ "دیر کی تو کھوپڑی میں سوراخ کر دوں گا! تیرے ابا جی کا مال نہیں تھا کہ تو پی جاتا چپ چاپ! اپنی ہی رقم واپس لے رہا ہوں' اس پر تو اس قدر کمینگی دکھا رہا ہے!"

کچھ دیر کو میرے نرم رویے سے اس کے چہرے پر جو ذرا سی رونق آ گئی تھی' پھر ختم ہو گئی۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر چیک لکھنے لگا۔ چیک لکھنے کے بعد اسے چیک بک سے پھاڑ کر وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ "اکاؤنٹنٹ کو بلا لوں؟ وہ...... وہ چیک کیش کرا لائے گا۔"

"میں نے کہا تجھ سے اکاؤنٹنٹ کو بلانے کے لیے؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"ادھر دے چیک!" میں نے ہاتھ بڑھایا اور اس نے مجھے چیک تھما دیا۔ ریوالور اب بھی میرے دوسرے ہاتھ میں تھا۔ چیک پر ایک نظر ڈال کر میں نے ہمزاد کو اشارہ کیا جو اب میں خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہوا سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ میں نے دانستہ چیک لے کر اپنا بایاں ہاتھ میز کے نیچے کر لیا۔ ہمزاد سے مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے مجھ سے چیک لے

لیا۔ وہ یقیناً" سمجھ چکا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں! جب وہ مجھ سے چیک لینے کے لیے جھک رہا تھا تو میں نے آہستہ آواز میں اس سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ نصیر الدین کے گھر کی سیف سے معاہدہ بھی لیتے آنا۔ میرا انداز ایسا تھا جیسے میں غصے میں بڑبڑا رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ کہ میں بے سبب اپنی پراسرار قوتوں کی شہرت نہیں چاہتا تھا۔ ہمزاد چیک لے کر چلا گیا تو میں نے نصیر الدین کو ایک بار پھر حیران کر دیا۔ میں بولا۔ "یہ جعلی رسیدیں خود اپنے ہاتھ سے جلا دو' میرے سامنے!" مجھے علم تھا کہ وہ سگریٹ پیتا ہے اور اس کی میز پر خوب صورت سگریٹ کیس رکھا ہے' اس میں لائٹر بھی ہو گا۔

میرا حکم سن کر وہ چند لمحے خوف زدہ سا ساکت بیٹھا رہا اور پھر جب میں نے دوبارہ دانت پلائی تو سہم کر بولا۔ "شیخ صاحب!...... یہاں کہیں آگ...... آگ نہ لگ جائے!"

"اگر چاہو گے تم خود تو ضرور آگ لگ جائے گی ورنہ یہ کام اتنا مشکل نہیں۔ اپنے بدگوشت کو اس گھومنے والی کرسی سے اٹھاؤ' رسیدیں اور لائٹر ہاتھ میں لو اور ادھر کونے میں میری طرف منہ کر کے یہ کار خیر انجام دے لو!" میرے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

بالآخر اسے میرے حکم کی تعمیل کرنا ہی پڑی۔ کرسی سے اٹھ کر کونے کی طرف جاتے ہوئے اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ دراصل وہ اندر سے اتنا ہی بزدل تھا اور وہی کیا ہر بے ایمان آدمی اندر سے بزدل ہی ہوتا ہے۔

جعلی رسیدیں جلا کر وہ دوبارہ اپنی کرسی پر آ بیٹھا تو اس اس طرح ہانپنے لگا جیسے کئی میل کا سفر کر کے آیا ہو۔

"سنو نصیر الدین! آج کے بعد سے میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔" میں نے کہا۔

"وہ...... مگر وہ...... معاہدہ......" وہ ہانپتے ہوئے کہنے لگا۔

"اسے بھی ابھی تمہارے ہی ہاتھوں جلواؤں گا' پہلے میری رقم واپس مل جائے۔ سنو بے وقوف آدمی! میں تم سے زبردستی پانچ لاکھ وصول نہ بھی کرتا تو میری صحت پر کوئی اثر نہ ہوتا' مگر یہ پانچ لاکھ تم ایسے کمینوں کے پاس چھوڑ دینا' شرافت سے بعید ہے۔ تم جو دولت کو سب سے بڑی طاقت سمجھتے ہو' تمہیں ذبح کرنے کے لیے یہی ہتھیار استعمال ہونا چاہیے۔ بے ایمانی سے ہضم کیے ہوئے ان روپوں کو تو نے اپنی ملکیت سمجھ لیا ہو گا اس لیے ان کی واپسی پر تم بہت تڑپو گے' یہ مجھے معلوم ہے! اپنی رقم وصول کر لینے کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ رہا یہ کہ اس پیسے سے تم نے مزید کتنا مال بنایا' اس سے نہ مجھے پہلے سروکار تھا' نہ اب ہے۔ تم نے اپنی دولت میں اضافے کی خاطر یقیناً" ہیرا پھیری بھی کی ہو گی' حلال روزی میں حرام کو شامل کیا ہو

گا' اس کے جواب وہ خدا کے سامنے ہوگے' میں نہیں! مجھے تمہاری اس حرام کی کمائی سے بھی کوئی غرض نہیں۔ تمہیں اپنی قبر میں سونا ہے' مجھے اپنی قبر میں۔"

"شیخ..... شیخ صاحب!" وہ بھاری آواز میں بولا۔ "میں..... میں یقیناً" آپ..... آپ کو نہیں سمجھ سکا۔ مجھ..... مجھ سے بہت..... بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔"

"پچھتاؤ کہ یہی تمہارا مقدر ہے!" میں نے سختی سے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم کیوں پچھتا رہے ہو! موٹی مرغی ہاتھ سے نکل گئی! تمہیں مجھ جیسا دوسرا کوئی احمق نہیں ملے گا جو پلٹ کر حساب تک نہ کرے اور تمہاری جھوٹی باتوں پر یقین کرلے کہ کاروبار میں گھاٹا ہو رہا ہے!"

یہ کہہ کر میں نے ریوالور سے گولیاں نکال لیں اور پھر خالی ریوالور' میز پر پھینکتے ہوئے بولا۔

"اس کھلونے کو دراز میں ڈال دو بغیر اس کے بھی تم اب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیوں کہ میں تمہارے سارے کس بل نکال چکا ہوں۔ تم جس پر چمار کر طرح اینٹھ رہے تھے' اس کی راکھ وہ کونے میں پڑی ہے۔ تم نے خود اپنے ہاتھ سے دولت کو آگ لگائی ہے' مگر حرام کی دولت کو!"

اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہ گیا تھا اور نہ ہی اتنی ہمت رہی تھی کہ میرے خلاف مزید کوئی قدم اٹھا سکتا اس لیے خاموشی سے کسی مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔ خالی ریوالور اس نے اپنی میز کی دراز میں ڈال دیا تھا۔ ذہنی طور پر یقیناً" اس نے شکست قبول کرلی تھی۔

معاً" ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ نصیرالدین چونک کر ادھر متوجہ ہوا ہی تھا کہ میں بول اٹھا۔ "ریسیور اٹھا کر مجھے دے دو!" میری آواز میں حکم تھا۔

اس نے چوں وچرا نہیں کیا اور ریسیور اٹھا کر مجھے تھما دیا۔

"جی!" میں نے ریسیور ہاتھ میں لیتے ہی کہا۔

"یہ سیٹھ نصیرالدین کا دفتر ہے نا؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"جی ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھے سیٹھ صاحب سے بات کرنا ہے۔"

"کون صاحب بات کر رہے ہیں؟"

"آپ انہیں فون دے دیں۔" دوسری جانب سے بولنے والے کی آواز میں ہلکی سے جھنجلاہٹ آگئی۔

"سیٹھ صاحب ذرا مصروف ہیں اس وقت! میرے سامنے ہی بیٹھے ہیں۔ آپ جب

تک اپنا کام نہیں بتائیں گے' بات نہیں ہو سکتی۔"

"میں ان کا بینک منیجر ناصر ہوں۔ مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔ آپ انہیں بتا دیں۔"

"ہولڈ کیجئے۔" یہ کہہ کر میں نے اسپیکر پر ہاتھ رکھا اور نصیرالدین سے کہا۔ "بینک منیجر ہے فون پر! وہ غالباً" تم سے چیک کی تصدیق کرنا چاہتا ہوا گا۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ والی بات کی تو سمجھ ہی گئے ہوگے کیا حشر کروں گا تمہارا! میرا چیک بہرحال کیش ہونا چاہیے!"

نصیرالدین بغیر کچھ کہے مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔ پھر اس نے کہا۔

"شیخ صاحب! کیا کہہ رہے ہیں آپ!..... میں سمجھا نہیں۔ آپ تو ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں' پھر چیک کس طرح..."

"لمبی بات نہیں! تم سے میں جو کہہ رہا ہوں' وہ کرو!" یہ کہہ کر میں نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو!..... وعلیکم السلام!..... جی..... وہ..... وہ میرے دوست ہیں..... ہوں..... ہوں!..... نہیں' چیک جینوئن ہے' کیش کردیں آپ!..... نہیں..... واقعی مصروف تھا..... جی؟ ..... اچھا..... کتنے کے چیک ہیں۔ کلیرنگ میں؟..... ہوں..... ٹھیک ہے..... اچھا..... کل تک تو شاید ممکن نہ ہو' ہاں دو ایک دن میں..... ٹھیک ہے' سینچر سے پہلے پہلے..... جی معلوم ہے مجھے..... خدا حافظ!" یہ کہہ کر پھر کہنے لگا۔ "حیرت ہے..... آپ یہاں بیٹھے ہیں اور..... اور چیک' بینک پہنچ گیا!..... ٹھیک اندازہ لگایا تھا آپ نے! منیجر نے اس آدمی کو بٹھا لیا تھا جو چیک لے کر گیا تھا۔ فون کی لائن میں گڑبڑ تھی کچھ اس لیے دیر لگی۔ وہ کافی دیر سے فون ملانے کی کوشش کر رہا تھا' مگر..... یہ..... یہ کس طرح ممکن ہے!"

"نصیرالدین! تمہاری چھوٹی سی عقل میں یہ باتیں نہیں آئیں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم تو ابھی کچھ دیر بعد میرے پاس پانچ لاکھ کی رقم دیکھ کر حیران ہو جاؤ گے برخوردار!"

"وہ..... وہ آپ کا ایک آدمی رقم لے کر آئے گا بینک سے یہاں؟..... دروازہ کھول دوں اب؟"

"یہاں کوئی نہیں آئے گا بے وقوف آدمی!" میں نے ہنس کر کہا۔ "اور نہ دروازہ کھولنے کی ضرورت ہے۔"

"پھر..... پھر؟..... پھر کیسے؟..... کسی طرح رقم آپ کے پاس آ....."

"تم پھر بانکنے لگے انٹ شنٹ!" میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔ "کہہ دیا نا کہ یہ

تم ایسے گھامڑوں کے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں!"

وہ سہم گیا۔

"اور سنو! اگر تم نے کسی سے اس واقعے کا ذکر کیا تو کھال کھینچ دوں گا تمہاری!" میں نے اسے دھمکی دی۔

اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ ہمزاد کمرے میں آ چکا ہے۔ نصیرالدین پوری طرح میری طرف متوجہ تھا اور ذہنی طور پر یقیناً انتشار کا شکار بھی' غالباً" اسی لیے اس کی نظر تھیلے پر نہیں پڑی جو خاموشی کے ساتھ ہمزاد سے مجھے تھمادیا تھا اور جس میں پانچ لاکھ کے نوٹ تھے۔ تھیلا میں نے اپنی کرسی کے قریب ہی رکھ لیا۔ اسی کے ساتھ ہمزاد نے معاہدے کا کاغذ بھی دے دیا تھا جو دو صفحات پر مشتمل تھا۔

"یہ لو وہ معاہدہ جو تمہارے اور میرے درمیان ہوا تھا۔" میں نے ہاتھ اوپر کر کے معاہدہ اس کی طرف بڑھایا۔ "اسے بھی جلا دو ابھی! حالانکہ اس معاہدے کی رو سے پانچ لاکھ مزید وصول کیے جا سکتے ہیں لیکن میں تمہاری طرح بے ایمان نہیں کیوں کہ میری رقم مجھے واپس مل چکی ہے۔ میرے پاس بھی اس کی ایک کاپی ہے جو میں پھاڑ کر پھینک دوں گا۔"

اس نے معاہدہ میرے ہاتھ سے لے لیا' پھر حیرت زدہ اور مردہ سی آواز میں پوچھا۔ "کیا وا...... واقعی رقم آ...... آ گئی آپ کے پاس؟"

"تو کیا میں تمہاری طرح جھوٹا ہوں!" یہ کہہ کر میں جھکا اور کینوس کا تھیلا اٹھا کر میز پر رکھ لیا جس میں سو سو کے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے تھیلے کا منہ کھول کر اس کی طرف کر دیا اور بولا۔ "اب آ گیا یقین؟"

نصیرالدین کی حالت ناقابل بیان تھی' چہرے کا گوشت بار بار پھڑک رہا تھا اور کبھی آنکھیں پھیل رہی تھیں' سکڑ رہی تھیں۔

"کہیں بے ہوش نہ ہو جانا!" میں ہنس کر بولا۔ "ابھی تمہیں یہ معاہدہ بھی نذر آتش کرنا ہے' اٹھو جلدی!"

اس پر وحشت سی طاری ہو گئی تھی۔ میرا حکم سن کر اس نے کئی بار کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی' مگر ہر بار دھم سے پھر گر پڑا۔

"خیر چھوڑو۔" میں اس کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔ "اس معاہدے کو ضائع نہیں کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ جب تمہارے حواس واپس آ جائیں تو جلا دینا۔ میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ نصیرالدین' ہمیشہ کے لیے خدا حافظ!"

اس کے ہونٹ کانپے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو' مگر آواز نہیں نکلی۔ میں نے تھیلا ہمزاد کے حوالے کیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہاں رکنا بے سود تھا۔ میں جس مقصد سے آیا تھا' وہ پورا ہو چکا تھا۔ دروازے کے چٹخنی کھولتے ہوئے میں نے ہمزاد سے کہا کہ تم یہ تھیلا گھر پہنچا کر جا سکتے ہو' میری آواز اتنی دھیمی تھی کہ نصیرالدین نہ سن سکے۔ ہمزاد غائب ہو گیا۔

اسی وقت نصیرالدین کی قوت گویائی جیسے لوٹ آئی۔ میں نے عقب سے اس کی آواز سنی۔ "شے...... شیخ...... شیخ صاحب...... رکیں...... ٹھہر جائیں! اب...... بس ایک منٹ کے لیے۔"

اس کی آواز میں التجا تھی۔ میں رک گیا اور پھر دروازہ کھول کر اس کی طرف پلٹا۔ "بولو کیا بات ہے؟"

"مجھے صرف...... صرف اتنا بتا دیجیے کہ رسیدیں اور معاہدہ...... آخر کس طرح آپ نے میری سیف سے......"

"یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گا نصیرالدین!" میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "کچھ باتیں راز ہوتی ہیں اور انہیں راز ہی رہنا چاہیے یوں بھی اب یہ قصہ ختم ہو چکا ہے۔"

وہ چند لمحے خاموشی سے دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا۔ "آپ...... آپ کو ناراض کر کے میں نے اپنا...... اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ اگر...... اگر آپ...... آپ مجھے ابھی معاف کر سکیں تو...... تو پھر اپنا خادم ہی پائیں گے۔ مم...... میں ساری زندگی آپ کی خد...... خدمت میں گزار دوں گا۔"

جن لفظوں کے پیچھے جذبوں کی سچائی نہیں ہوتی بلکہ ان کا کوئی اور ہی مطلب ہوتا ہے' وہ الگ ہی معلوم و محسوس ہو جاتے ہیں۔ نصیرالدین کوئی احمق نہیں تھا کہ ساری زندگی میری خدمت میں گزار دیتا اور عیش دنیا چھوڑ دیتا۔ اس کا اصل مقصد مجھ سے چھپا نہ تھا۔ وہ یقیناً" اس نتیجے تک پہنچ گیا تھا کہ میرے پاس کوئی پراسرار قوت ضرور ہے۔ اسی کے بل پر تو میں نے اس کی کوڑی کوڑی بلوالی تھی۔ میری خدمت گزاری کے پردے میں اور میرا خادم بن کر وہ دراصل مخدوم بننا چاہتا تھا۔ وہ اس پراسرار قوت کے راز کو معلوم کرنے کی بعد دوبارہ آنکھیں پھیر لیتا' چاہے بعد میں ناکام ہی کیوں نہ ہو جاتا کہ ہمزاد کو قابو میں کرنا بہرحال کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اس میں زندگی داؤ پر لگانا پڑتی ہے' پھر بھی یقین نہیں ہوتا کہ کامیابی حاصل ہو گی یا نہیں! یہی وجہ تھی کہ اس وقت میں نصرالدین کی حماقت پہ ہنس دیا اور بولا۔ "اتنے فرماں بردار نہ ہو برخوردار اور اپنی کھال میں مست رہو! زیادہ کی ہوس اچھی نہیں ہوتی۔" میں نے اس کی زبانی بات کی بجائے دل کی بات کا جواب دیا اور شاید میرا اندازہ غلط نہیں تھا کیوں کہ میری بات

سن کر وہ کچھ بوکھلا گیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اسے خدا حافظ کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر نکلتے ہی میں ایک خوب صورت لڑکی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ وہ کمان سے چھوٹے ہوئے کسی تیر کی طرح دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ ٹکرانے سے بچنے کی خاطر اس نے اور میں نے، دونوں ہی نے کوشش کی۔ میں تو اس کوشش میں کامیاب ہو گیا کیونکہ میری رفتار زیادہ تیز نہیں تھی، مگر وہ لڑکی اپنا جسمانی توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ میں نے فوراً" یہ محسوس کر لیا کہ وہ گرنے والی ہے اس لیے مڑ کر تیزی کے ساتھ اسے سہارا دیا اور گرنے سے بچا لیا۔ صورت سے تو وہ دیسی ہی لگتی تھی، مگر اس کے جسم پر مغربی لباس تھا۔

"ایڈیٹ!" اس نے سنبھل کر کھڑے ہوتے ہی میری سماعت کی تواضع کر دی۔

لڑکیاں، خصوصاً" خوب صورت لڑکیاں اچھے صنف نازک ہونے کا پورا فائدہ اٹھاتی ہیں۔ نہ معلوم کیوں اجنبی مردوں کے سامنے وہ خود کو کوئی آسمانی مخلوق ظاہر کرتی ہیں۔ میں نے کبھی ایسی لڑکیوں کو گھاس نہیں ڈالی اور ہمیشہ انہیں ان کی اوقات ضرور بتا دی۔ وہ لڑکی جس نے مجھے "ایڈیٹ" کہا تھا، ایسی ہی اتھلی معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اسی لیے جواب میں فوراً" کہا۔ "خاتون! ایڈیٹ کیا آپ کے ابا حضور کا نام ہے؟"

"وھاٹ؟" وہ جھنا گئی اور چہرہ غصے سے مزید سرخ ہو گیا۔ "کیا کہا تم نے؟"

"جو سنا تم نے!" میں نے مسکرا کر پرسکون آواز میں جواب دیا۔

"میں سینڈل اتار لوں گی!"

"اور میرے پیر میں جوتا ہے!"

جب اسے اندازہ ہو گیا کہ بندہ دبنے والا نہیں ہے تو عورتوں کا مخصوص حربہ آزمایا اور چیخنے چلانے لگی۔ دفتر کے لوگ جمع ہو گئے اسی دوران میں مجھے معلوم ہو گیا کہ اس قدر چیخنے چلانے کا سبب یہ تھا کہ وہ اس دفتر کے مالک "سیٹھ" نصیر الدین کی منظور نظر تھی۔ "سیٹھ صاحب قبلہ" تک بھی یہ شور پہنچا اور انہوں نے بہ نفس نفیس وہاں نزول اجلال فرمایا۔ پھر حقیقت حال جاننے کے بعد وہ اس "فتنے" کا ہاتھ پکڑ کر اپنی خلوت گاہ میں لے گئے، مگر اس سے پہلے خادم سے معذرت ضرور کی۔ یقیناً" اس دفتر کے "سیٹھ صاحب" نے لڑکی کو بتایا ہو گا کہ بی بی، تم کہاں ہاتھیوں سے گنے چھین لینے کی فکر میں تھیں، جھپٹ میں آ جاتیں تو صورت نہ پہچانی جاتی۔

اس واقعے سے میں کچھ بے مزہ تو ہوا، مگر یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لی کہ اے شیخ! تم

کہاں تک جی جلاؤ گے، یہاں تو آوے کا آوا ٹیڑھا ہے۔

گھر پہنچتے پہنچتے دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ ارشاد علی میرا انتظار کر رہا تھا۔ پرہیزی کھانا ابھی تک چل رہا تھا۔ گزشتہ شب سونے سے پہلے ہمزاد نے مجھے شفائے سرطان کی بیل خوراک استعمال کرا دی تھی۔ ابھی مجھے پورے ہفتے پرہیزی کھانے پر ہی اکتفا کرنا تھا۔ یہ بات میں ارشاد علی کو بتا چکا تھا۔ میرے کہنے پر وہ کھانا لے آیا۔

صبح سے اب تک میں مصروف رہا تھا اس لیے کھانا کھا کر سو گیا اور شام چار بجے کے قریب اٹھا۔

میرے نزدیک اب صرف ایک ہی اہم مسئلہ قابل توجہ تھا، شمبھو اور سریتا کا مسئلہ! مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ شمبھو سریتا کو لے کر کہاں فرار ہوا ہے؟ ہمزاد کے بغیر بھی یہ معلوم کرنا میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، میں نے سوچا۔ میں اس کے لیے اپنے تصور کی حیرت انگیز قوت کو بروئے کار لا سکتا ہوں، اپنی اس پراسرار قوت کا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ یہ قوت مجھے میرے ہمزاد نے عطا کی تھی۔

میں اس وقت اپنے کمرے میں تنہا تھا اور ارشاد علی سے کہہ چکا تھا کہ اب جب تک میں خود اسے نہ بلاؤں، وہ نہ آئے۔ مجھے اس قوت کو بروئے کار لانے کے لیے پوری ذہنی یکسوئی اور ارتکاز توجہ کی ضرورت تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے شمبھو کو کا تصور کیا کیوں کہ میں اسے ایک بار دیکھ چکا تھا۔ مجھے شدید حیرت ہوئی جب کافی دیر تک میرے صفحہ ذہن پر شمبھو کا چہرہ نہ ابھر سکا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اب تک ایسا اسی صورت میں ہوا تھا جب وہ شخص زندہ نہ ہو جس کا میں تصور کروں۔ نتیجتہ" میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شمبھو مر چکا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر میرا ذہن کیوں تاریک ہے؟

یہ بھی تو ممکن ہے کہ ارتکاز توجہ اور رابطے کے درمیان شمبھو کا سحر آڑے آ گیا ہو، میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا اور پھر یہ خیال پختہ ہوتا چلا گیا۔ میرا ذہن شمبھو کی موت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ میں بہت دیر اس مسئلے کا حل تلاش کرتا رہا اور آخرکار ایک راہ نکل آئی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اگر واقعی ایسا ہی ہے جو خیال میرے ذہن میں آیا ہے تو شمبھو اپنی حد تک مجھ سے بچ سکتا ہے، مگر سریتا سے ذہنی رابطہ قائم کرنے میں حارج نہیں ہو سکتا۔ جہاں سریتا ہوتی، وہیں شمبھو بھی ہوتا۔ اس طرح گویا میں سریتا کے ذریعے شمبھو تک پہنچ سکتا تھا۔

پھر کچھ ہی دیر بعد میں دوبارہ آنکھیں بند کیے اپنے تصور کی قوت کو آزما رہا تھا۔ اس

مرتبہ میری توجہ کا مرکز سرتا تھی۔ چند ہی لمحے بعد میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ سرتا کے حسین چہرے نے میرے ذہن کو روشن کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سوگواری تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے اور آنکھیں سوئی سوئی سی تھیں۔ وہ اسی حال میں تھی جس میں آخری بار میں نے اسے دیکھا تھا۔ اپنے تصور کے دائرے کو میں نے مزید وسعت دی۔ سرتا ایک خستہ حال کوٹھری میں تھی۔ جس چارپائی پر وہ بیٹھی تھی' اس پر کچھ بچھا ہوا بھی نہیں تھا۔ نیم تاریک کوٹھی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی غریب آدمی کا ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ میں چونکا اس وقت جب سرتا کے قریب ہی ایک سیاہ ہیولے کو متحرک دیکھا۔ کوشش کے باوجود اس کے خدوخال نمایاں نہ ہو سکے۔ یہ تو میں سمجھ گیا کہ وہ سیاہ ہیولا کسی آدمی ہی کا ہے مگر وہ آدمی کون ہے' یہ نہ جان سکا۔ سرتا کے چہرے سے یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سن رہی ہو' شاید اس سیاہ ہیولے کا مالک اس سے کچھ کہہ رہا تھا کیوں کہ سرتا کی نظریں اس کی طرف تھیں' لیکن مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ امر میرے لیے تعجب خیز ہی تھا۔ اب سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ اپنے تصور کی قوت کو بروئے کار لا کر میں واضح طور پر سب کچھ دیکھتا اور سنتا تھا۔

معاً" سرتا کے لبوں کو جنبش ہوئی اور میں نے اس کی آواز سنی" "کب تک..... آخر کب تک تم صاحب جی سے بچ سکتے ہو؟ ایک دن آئے گا کہ صاب جی' میرے صاحب جی تمہیں....."

سرتا کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ کیوں؟ یہ میں فوری طور پر نہ سمجھ سکا۔ غالباً" سیاہ وجود نے اس کی بات کاٹ دی تھی اور خود کچھ کہہ رہا تھا جسے سننا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ پھر وہ تیزی سے سرتا کے قریب آیا اور میں نے "تڑاخ" کی آواز سنی۔ اس نے سرتا کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ سرتا سسک پڑی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میرے لیے یہ منظر سوہان روح تھا۔

اب میرے لیے یہ سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں تھا کہ وہ سیاہ وجود کس کا تھا؟ سرتا کے ایک ہی جملے سے مجھ پر ساری حقیقت روشن ہو گئی تھی۔ وہ یہ جملہ شمبھو کے سوا کسی اور سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شمبھو مرا نہیں۔ میرا یہ خیال قطعی درست تھا کہ اس نے مجھ سے بچنے کے لیے اپنے سحر کو آزمایا ہے۔ سرتا نے جس لہجے اور جن الفاظ میں میرا ذکر کیا تھا' اس کو سن کر میری روح مضطرب ہو گئی تھی۔ میرے دل پر ایک عالم گزر گیا۔ "میرے صاحب جی" یہ الفاظ بار بار میری سماعت میں گونجنے لگے اور ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی یکسوئی برقرار نہ رہ سکی۔ میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"سرتا"! میرے منہ سے بے اختیار اس کا نام نکلا۔

عجب تھی وہ لڑکی بھی! اس سے پہلے کبھی یوں اس کے لیے بے چین نہیں ہوا تھا۔ وہ جدا ہو گئی تھی تو مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کھیل ہی کھیل میں بات بہت آگے نکل گئی تھی۔ بعض حالات میں آدمی کو خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے دل میں کس کے لیے کتنی جگہ ہے!"

ان حالات میں بھلا مجھ سے کس طرح صبر ہوتا! میں نے فوراً" ہی ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"آپ کچھ پریشان پریشان معلوم ہو رہے ہیں۔" ہمزاد آتے ہی بولا۔ "کیا حکم ہے؟"

"سرتا جہاں بھی ہے اسے فوراً" یہاں لے آؤ!" میں نے اسے حکم دیا۔ "شمبھو سے میں بعد میں نمٹتا رہوں گا۔"

"بہتر ہے۔" یہ کہتے ہی وہ غائب ہو گیا۔

ہمزاد کے لیے وقت اور فاصلے بے معنی تھے اور اس بھری پری دنیا میں کسی کو تلاش کرنا بھی کوئی مشکل کام نہ تھا اور اس کی قوتوں کا میں نے اندازہ لگا لیا تھا۔ کسی وجود کو سمجھنے کے لیے سو سال کا عرصہ بہت ہے۔ وہ سو سال سے میرے ساتھ تھا۔ پھر بھلا میں اسے نہ سمجھتا تو کون سمجھتا! ہاں مہ پارہ کے معاملے میں وقتی طور پر وہ ضرور بے بس ہو گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی۔ مہ پارہ خود پراسرار قوتوں کی مالک تھی۔ خطرہ مجھے شمبھو کی طرف سے بھی تھا مگر اس قدر نہیں۔ پھر بھی ہمزاد کے رخصت ہوتے ہی میں نے اپنے تصور کی قوت کو متحرک کر لیا۔

اب میری آنکھوں کے سامنے پھر وہی منظر تھا' وہی کوٹھری تھی' لیکن اب سرتا نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ لیے تھے۔ شمبھو' سیاہ وجود کی صورت میں ابھی تک کوٹھری میں موجود تھا۔

"چاند کی دیوی!" سرتا یہ کہہ ہذیانی انداز میں ہنسی۔ وہ غالباً" شمبھو کی کسی بات کے جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔ "چاند کی دیوی نے تجھے نئی قوتیں بخش دی ہیں' مجھے تیری اس بات پر قطعی یقین نہیں۔ تو کہتا ہے میرے صاب جی کے پاس بھی بڑی قوتیں ہیں مگر وہ تیری قوتوں کے آگے ہیچ ہیں۔ تو پھر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ طاقت ور ہے! تو میرے صاب جی! دل بھی کوئی چیز ہوتی ہے شمبھو! تو میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ تو اب مجھ پر مزید ظلم نہ کر سکے گا اور....."

سرتا کا جملہ پورا نہ ہو سکا۔ معاً" کوٹھری میں ایک کڑاکا سا ہوا اور سرتا کی چیخ نکل گئی۔ شمبھو کا سیاہ وجود دوسرے ہی لمحے وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔ اسی کے ساتھ سارے منظر پر ایک چمکیلی سی دھند سی پھیل گئی اب مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک دم کیا ہوا میں کچھ

بھی نہ سمجھا۔ میں نے بہت کوشش کی سریتا میرے تصور کے دائرے میں آ جائے' مگر چکیلی
دھند کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آ سکا۔ مجبوراً" میں نے تصور کا سلسلہ منقطع کر دیا اور آنکھیں
کھول دیں۔

کوئی نہ کوئی گڑ بڑ ضرور ہوئی ہے' میں نے سوچا۔ میں نے اپنے ہمزاد کو بھیجا تھا کہ
سریتا کو لے آئے۔ یہ عجیب و پراسرار واقعہ اسی سلسلے کی کڑی ہو سکتا تھا' میں نے ابھی چند
پہلے سریتا کے جو چند جملے سنے تھے' وہ میرے نزدیک بہت اہم تھے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ
شمبھو میری طرف سے غافل نہیں رہا۔ اسے یقیناً" معلوم ہو چکا ہے کہ اپنے ہمزاد کو میں
قابو میں کر لیا ہے۔ "چاند کی دیوی" بھی میرے لیے ایک اہم اشارہ تھا۔ اس وقت میری
سماعت میں مہ پارہ کے کہے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے۔ اس نے آخری ملاقات میں مجھ سے
کچھ کہا تھا' اس کے معنی اب کھلتے جا رہے تھے۔ "..... میں اس نتیجے پر پہنچی کہ تمہیں ہلاک
کرنا' ممکن نہیں۔ مجھے تمہارے لیے کچھ اور ہی بندوبست کرنا پڑے گا کیوں کہ اب تمہارے
اور میرے درمیان ہمیشہ کے لیے رابطہ ختم ہونے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ میں اسی لیے کل
رات غائب رہی اور میں نے تمہارے لیے جو کچھ سوچا تھا' اسے عملی شکل دے دی۔ اس
طرح میں اپنی بیشتر قوتوں سے محروم تو ہو چکی ہوں مگر مجھے اس کا کوئی ملال نہیں۔ اسی سبب اب
میری بھٹکی ہوئی روح ہمیشہ کے لیے قید ہو جائے گی' لیکن یہ قید میں نے خود قبول کی ہے۔ اب
میں اس دنیا میں کبھی نہ آ سکوں گی....."

مہ پارہ کی دھمکی سن کر میں نے اس سے معلوم کرنا چاہا تھا کہ اس نے میرے لیے
بندوبست کیا ہے؟ مگر وہ کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔

حالیہ پیش آنے والے واقعے کے پس منظر میں یہ "بندوبست" مجھ پر واضح ہو گیا تھا۔
"مہ پارہ" کا مطلب چاند کا ٹکڑا ہے۔ شمبھو' ہندو عقیدہ رکھتا تھا اور اس لیے اس ظالم نے
"ٹکڑے" کی بجائے "دیوی" کا اضافہ کر دیا ہو گا۔ میرا ذہن تیزی سے معاملے کی تہہ تک پہنچنے
کی کوشش کر رہا تھا۔ "چاند کی دیوی" نے شمبھو کو نئی قوتیں بخشی تھیں۔ اس بات کے پس منظر
میں مہ پارہ کے الفاظ کہ میں اپنی بیشتر قوتوں سے محروم ہو چکی ہوں' واضح طور پر ایک سمت
اشارہ کر رہے تھے۔ میرے ذہن نے تمام کڑیاں جوڑ لیں۔

مہ پارہ "چاند کی دیوی" بن کر شمبھو کے سامنے ظاہر ہوئی۔ شمبھو کو وہ میرے پیچھے
پہلے ہی لگا چکی تھی۔ پھر اس کی بھٹکتی ہوئی روح نے دنیا سے جاتے جاتے اپنی بہت سے قوتیں
شمبھو کو بخش دیں۔ شمبھو اور میرے درمیان معرکہ آرائی سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی۔

مہ پارہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور گویا اپنی جگہ شمبھو کو دے دی۔ ظاہر ہے کہ اب
شمبھو آسانی سے میرے ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ سریتا میرے اور اس کے' دونوں کے درمیان
انا کا مسئلہ بن گئی تھی۔

اگر میں صحیح نتائج اخذ کرنے میں غلطی کی تھی تو میرے ہمزاد کو ناکام ہی لوٹنا چاہیے
تھا۔ اس کے باوجود میں نے امید کا دامن' ہاتھ سے نہ چھوڑا کیوں کہ ہمزاد آسانی سے اپنی
شکست ماننے والا نہیں تھا۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ چاہے مجھے کتنے ہی عذابوں سے گزرنا پڑے'
میں شمبھو کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا' سریتا کو اس کے چنگل سے نکال کر رہوں گا۔

میں نے پہلے سوچا تھا کہ اپنے ہمزاد کو قابو کر لیا تو سارے دلدر دور ہو جائیں گے'
شمبھو میرے سامنے ناک رگڑنے گا۔ لیکن اب یہ دلدر دور ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ مہ پارہ میرا
ٹھیک ٹھاک ہی بندوبست کر گئی تھی۔ آخر تھی نا "استانی!" اس سے اور کیا توقع ہوتی۔

اب تک میرا تجربہ یہ تھا کہ جذبات' معاملات کو بگاڑ دیتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی جذباتی تھا
اس لیے بگاڑ پیدا ہو جانا بعید نہ ہوتا۔ جذبات سے قطع نظر اس مسئلے کو عقلی سطح پر سوچنے کی
ضرورت ہے' میں نے سوچا۔ اسی وقت کوئی راہ نکل سکتی ہے۔ میں اسی لیے اپنے ذہن کو
پرسکون رکھنے کی کوشش کرنے لگا یوں کہ جذبات' ذہن پر بھی غالب آ جاتے ہیں اور کچھ
سوچنے نہیں دیتے۔

اسی دوران میں ہمزاد کی واپسی ہو گئی۔ میں پہلے ہی اپنے دل کو سمجھا چکا تھا اس لیے
ہمزاد کو تنہا دیکھ کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ سریتا کو اپنے ساتھ نہیں لا سکا تھا۔
میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر ہمزاد کو یقیناً" حیرت ہوئی تھی۔ جب وہ آیا تھا تو اس
کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے جن میں اب حیرت کا اضافہ ہو گیا تھا۔

"میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ سریتا کو کیوں نہیں لا سکے!" میں پرسکون آواز میں
بولا' پھر بغیر رکے کہا۔ "مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم پر کیا گزری؟"

"مختصراً" یہ کہ شمبھو مجھ سے بچ کر نکل گیا۔"

"اور سریتا؟"

"اسے بھی وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا۔"

"کہاں؟"

"وہ ڈھاکے طرف گیا ہے۔"

"تھا کہاں وہ؟" میں سوال پر سوال کیے جا رہا تھا اور وہ جواب دے رہا تھا۔

"ڈھاکے ہی کی ایک نواحی بستی ہے نرائن گنج۔" "ہمزاد بتانے لگا۔" "ڈھاکے سے تقریباً" چودہ میل ہوگی۔"

"تم نے یقیناً" کوشش کی ہوگی کہ اسے روک سکو۔" یہ کہہ کر میں نے اپنے تصور کی قوت سے جو کچھ دیکھا تھا' اسے بتادیا' پھر دریافت کیا۔ "وہ بجلی کا سا کڑاکا کیا تھا؟"

"شبھو نے اس مکان کے گرد حصار کھینچ رکھا تھا۔ میرا وجود اس سے ٹکرایا تو وہ آواز پیدا ہوئی اور اسی سے شبھو خطرے سے باخبر ہوگیا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔

"ہوں!..... پھر؟"

"میں اپنی قوتوں سے کام لے کر اور بالآخر اس حصار کو توڑ کر اندر پہنچ گیا' مگر اس وقت تک وہ اپنی اور سریتا کی مدافعت کا بندوبست کرچکا تھا۔ اس مکان میں مجھے چمکیلی دھند کے سوا کچھ نظر نہ آیا جیسا کہ آپ نے بھی بتایا۔ پھر میں وہاں سے نکل آیا اور از سرِنو اسے تلاش کرنے لگا۔ کافی جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ شبھو مجھے وہاں پھنسا کر سریتا کو ساتھ لیے ڈھاکے کی طرف جارہا ہے۔ میں نے اس کا تعاقب کیا اور جلدی اسی تک پہنچ گیا۔ وہ سریتا کا ہاتھ تھامے ایک پگڈنڈی پر چلا جارہا تھا۔ سریتا اور اس کے گرد ایک چمکیلا غبار رقص کررہا تھا۔ میں نے اس چمکیلے غبار کو عبور کرنا چاہا' لیکن ممکن نہ ہوا۔ پھر میں نے یہ کوشش کی کہ اسے آگے بڑھنے سے روک سکوں اور....."

"اس چمکیلے غبار کو دیکھ کر کیا سمجھے تم؟" میں درمیان میں بول اٹھا۔ "اسے دیکھ کر کچھ یاد آیا تمہیں؟"

"جی ہاں۔"

"کون؟"

"مہ پارہ' آپ کی دشمن جاں!"

پھر میں نے جو نتائج اخذ کیے تھے' ان سے ہمزاد کو بھی آگاہ کردیا' پھر بہت سکون کے ساتھ کہا۔ "ابھی وہ صرف اپنا بچاؤ کررہا ہے' مگر موقع ملنے پر حملہ بھی کرسکتا ہے۔ تمہیں اس نکتے کو فراموش نہیں کرنا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "اب آپ حکم دیں' کیا کیا جائے؟"

اس معاملے میں جلد بازی کی ضرورت نہیں۔" میں بولا۔ "ہاں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ تم اس کی طرف سے غافل نہ رہنا۔ آئندہ کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہے یہ میں تمہیں سوچ کر بتاؤں گا۔ دراصل میں نے جو نتائج اخذ کیے تھے' ان کی تصدیق چاہتا تھا۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے' کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ اب تم جاسکتے ہو۔"

ہمزاد رخصت ہوگیا تو میں از سرِنو اس مسئلے کا جائزہ لینے لگا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ شبھو سے نمٹنے کے لیے مجھے' بہرحال ایک نہ ایک دن چاٹگام کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ مہ پارہ کو زیرِ دام لانے کے لیے بھی مجھے در بہ در کی خاک چھاننا پڑی تھی' لیکن اس دوران میں مجھ سے ایک غلطی ضرور ہوئی تھی۔ میں نے عقل پر جذبات کو ترجیح دی تھی جس کے نتائج اچھے نہیں ہوئے تھے۔ میری زندگی کا ایک حصہ بڑے عذابوں میں گذرا تھا۔ اب میں اس غلطی کو دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ خدا نے زندگی ایسی نعمت اس لیے عطا نہیں کی کہ اسے یوں رائگاں کردیا جائے۔ میں نے اپنی حیات نو کے لیے جو خواب دیکھے تھے' انہیں ہر قیمت اور ہر حال میں پورا ہونا چاہیے تھا ورنہ زندگی کا حاصل ہی کیا! یوں تو سبھی زندگی بسر کرلیتے ہیں اور ایک دن پیوندِ خاک ہوجاتے ہیں۔ کوئی حسرت' کوئی امنگ' کوئی آرزو' کوئی خواب' کچھ تو ہو! "زندگی سے لذت کشید کرنے کے جائز راستے بھی تو ہیں! میں انہیں خیالوں میں کھویا تھا کہ عصر کی اذان ہو گئی۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا اور پھر نماز پڑھ کر میرا ذہن مزید پرسکون ہوگیا۔

نماز پڑھ کر چائے پینے کے دوران میں' میں نے غور کیا کہ چاٹگام چھوڑنے میں کیا کیا چیزیں مانع ہیں؟ میں بغیر اچھی طرح سوچے سمجھے اب کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا کہ بعد میں میرے لیے کوئی مسئلہ پیدا ہوجاتا۔ عدالت میں تین کیس تھے جن میں میری موجودگی ضروری تھی۔ ان میں سے ایک کیس تو آج ہی تقریباً" ختم ہوچکا تھا۔ نصیر الدین نے مجھ پر جو دعویٰ کیا تھا' وہ خود ہی واپس لے لیتا کیوں کہ اب میرے خلاف اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ میرے پاس جو معاہدے کی نقل تھی' اسے بھی میں ضائع کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ دوسرا کیس بلدیہ چاٹگام کا تھا۔ میں نے عدالت میں ری اسسمنٹ کی درخواست دی تھی۔ مجھے اب چاہے روپوں سے دلچسپی ہو نہ ہو۔ کیس بہرحال زیرِ سماعت تھا اور میرے وکیل نے اس کیس میں بھی آگے کی تاریخ لے لی تھی۔ میرے نزدیک یہ معاملہ بھی نمٹانا ضروری تھا' کس طرح؟ یہ مشورہ مجھے میرا وکیل ہی دے سکتا تھا۔ تیسرا کیس ملک فیروز دین کا تھا جو دراصل پولیس کیس تھا' مگر اس میں بھی میری حاضری ضروری تھی۔ میں نے بہرحال اپنے بیان میں رشوت دینے کا اعتراف کیا تھا' خواہ معاملات کچھ بھی رہے ہوں۔ پھر پولیس کے محکمے کی طرف سے بھی مجھے پابند کردیا گیا کہ بغیر علم و اطلاع کے کہیں نہ جاؤں۔ آج کل میں پولیس کی طرف سے اس کیس کا چالان بھی عدالت پیش کردیا جاتا۔ ایس ایچ او ملک فیروز دین نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مجھے قتل کرانا چاہا تھا اور میری حویلی بھی ہضم کرنے کی کوشش کی تھی اس لیے

عدالت میں میرا بیان ضروری تھا۔ صرف پولیس کا بیان دے دینا اس سلسلے میں ناکافی تھا۔ یہ فو
داری کیس تھا اس لیے اس میں زیادہ وقت نہ لگتا۔ دوم یہ کہ اس کیس سے جلد از جلد ا
جان چھڑانے کے لیے میں 'ہمزاد سے مدد لے سکتا تھا۔ تو جب تک یہ معاملات نمٹ نہ جا
چاٹگام سے جانا' مناسب نہیں تھا۔

اب ایڈووکیٹ چوہدری سے میری ملاقات ضروری ہو گئی تھا اور مجھے معلوم تھا ک
اپنے گھر میں کس وقت مل سکتا ہے! میں اس لیے مغرب کی نماز پڑھ کر گھر سے چل دیا۔
حسن اتفاق تھا کہ اس وقت چودھری کا کوئی موکل اس کے پاس نہیں بیٹھا تھا جب میں وہا
پہنچا۔ مجھے علم تھا کہ میرا بدلا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ بھی چونکے گا اور شاید مجھے بہ حیثیت شیخ کرام
پہچاننے سے بھی انکار کر دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس کی حیثیت کے اظہار سے مسکراتا ر
میں اس کی نشست گاہ میں بیٹھا تھا جہاں وہ اپنے موکلوں سے ملتا تھا۔ سامنے ہی آرام دہ کرسی
وہ براجمان تھا۔

میرے مسکرانے پر وہ کچھ جھنجلا گیا اور بولا۔ "جہاں تک میرے علم میں ہے ش
صاحب کے کوئی اولاد نہیں' لیکن آپ کی شکل حیرت انگیز طور پر ان سے ملتی ہے۔ اس ک
باوجود مجھے یہ باور نہیں کر سکتے کہ آپ ہی شیخ کرامت ہیں۔ میرے نوکر نے مجھے اندر جا کر
بتایا کہ شیخ کرامت صاحب' نشست گاہ میں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ بتائیں آپ نے یہ جھو
کیوں بولا؟"

میں نے اب تک اپنی زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا ک
اس دلچسپ صورت حال سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ میں بہ دستور مسکراتا رہا۔

مجھے مسکراتے دیکھ کر اس کے لہجے میں مزید سختی آ گئی۔ "آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ خو
کو کچھ اور ظاہر کرنا بھی جرم ہے۔ میں اگر کہیں خود کو شیخ کرامت بتاؤں اور یہ ثابت ہو جا
کہ میں شیخ کرامت نہیں ہوں تو اس جرم میں مجھے زیر حراست لیا جا سکتا ہے۔ مجھے آپ ا
جلدی سے کھل جائیں کہ آپ کون ہیں اور کس لیے آپ نے خود کو شیخ کرامت ظاہر کیا ت
ورنہ......"

"ورنہ آپ مجھے گرفتار کرا دیں گے!" میں پہلی بار بولا۔ "یہی کہنا چاہتے ہیں
آپ؟"

وہ میری آواز سن کر چونکا۔

"چونکنے کی ضرورت نہیں' آواز کی نقل بھی جا سکتی ہے۔ کیا خبر اپنے چہرے کی

مماثلت سے فائدہ اٹھا کر میں کوئی فراڈ......"

"ٹھہریں!" اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ "یہ تو میں کسی صورت
نہیں مان سکتا کہ آپ شیخ کرامت ہیں' اس خیال کو تو ذہن سے نکال دیں۔ رہی آواز تو آپ
نے خود اس کا جواز پیش کر دیا ہے۔"

"بالفرض میں ہی شیخ کرامت ہوں تو اس کے لیے مجھے کیا ثبوت پیش کرنا ہو گا؟"

OO.....O.....OO
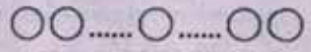
"ثبوت" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "ثبوت میری آنکھیں ہیں۔ ثبوت تو اس وقت طلب کیا جاتا ہے جب پہلے سے ثبوت موجود نہ ہو!" وہ وکیل تھا اور جرح کرنا اس کا پیشہ اس لیے ظاہر ہے آسانی سے رام نہ ہوتا۔

"کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی تو غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ عینی گواہوں کو بھی تو آپ لوگ غلط ثابت کر دکھاتے ہیں کہ دراصل یوں نہیں یوں تھا!" میں نے بھی جرح شروع کر دی۔

"مقصد کیا ہے آپ کا' یہ بتائیں!اس کا لہجہ پھر بدلنے لگا۔ "آپ کیوں میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"مقصد تو اسی وقت بتاؤں گا جب آپ مجھے شیخ کرامت تسلیم کر لیں گے!"

"وہ تو ممکن نہیں!اب آگے کہیں۔"

"پھر تو کہنے کو کچھ نہیں رہ جاتا۔" میں ہنس کر بولا' پھر شرارتاً" کہا "میں اجازت چاہوں گا۔"

"ہوں" اس نے ہنکارا بھرا۔ "اتنی آسانی سے تو اب جانے کی اجازت نہیں ملے گی آپ کو!" اس کے لہجے میں چبھن تھی۔

بات اب تفننِ طبع کی حدود سے نکل رہی تھی اس لیے میں نے معاملے کو سنبھال لیا۔ ایڈووکیٹ چوہدری یہ جان کر بہت حیران ہوا کہ میرے چہرے کی تبدیلی کسی روحانی عمل کا نتیجہ ہے۔ میں نے دانستہ روحانی عمل کی وضاحت نہیں کی تھی۔ یہ ثابت کرنا بہر حال میرے لیے مشکل نہ تھا کہ میں ہی شیخ کرامت ہوں۔ اس گفتگو کے بعد میں اصل موضوع پر آگیا۔ میں بولا۔ "دراصل میں جلد از جلد چاٹگام سے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور کچھ خبر نہیں کہ واپسی کب ہو!میں چاہتا ہوں کہ کم از کم بلدیہ چاٹگام والا کیس جتنی جلد ممکن ہو' نمٹ جائے۔

"اس کیس میں تو آپ ہی نے مجھ سے وقت گزارنے کے لیے کہا تھا اور....."

"ہاں ایک بات شاید میں بھول جاؤں' معاف کیجئے گا کہ آپ کی بات کاٹی۔ اب مجھے رقم کی کوئی پروا نہیں بلدیہ جو رقم دے مجھے منظور ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر آپ نے یہی فیصلہ کیا ہے تو پھر تاخیر کا کوئی سوال نہیں۔" چودھری بولا۔ "اور ہاں وہ دوسرا کیس' نصیر الدین والا!اس کا....."

"وہ اپنا دعویٰ واپس لے رہا ہے۔" میں نے بتایا۔

"کیا؟" اسے میری بات سن کر حیرت ہوئی۔

"ہاں یہی حقیقت ہے۔ میں آج اس سے بھی ملا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے مختصراً" اور جس قدر ضروری ہوا ملک فیروز دین والے پولیس کیس کے بارے میں بھی بتا دیا تاکہ اس کا قانونی مشورہ حاصل کر سکوں۔

"آپ کو اپنے بیان میں رشوت دینے کا اقرار نہیں کرنا چاہیے تھا' یہ غلط ہوا۔"

"مگر حقیقت تو یہی تھی۔" میں مسکرایا۔

"بہر حال ابھی قبل از وقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا جب تک یہ پورا کیس اسٹڈی نہ کر لوں۔"

"میرا مقصد بس یہ ہے کہ جلد از جلد اس سے جان چھوٹ جائے۔"

"فوجداری کا کیس ہے' اس میں زیادہ تو نہیں لگنا چاہیے' پھر بھی دو تین مہینے تو گزر ہی سکتے ہیں۔ دوسری پارٹی' یعنی ملک فیروز دین کے وکیل' عدالت سے مہلت لے سکتے ہیں۔"

"بالفرض وہ ایسا نہ کریں تو؟" میں کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"تو پھر جلدی بھی ممکن ہے' لیکن اس دوران میں یہاں اپ کی موجودگی ضروری ہو گی۔"

"خیر آپ ایک مسئلہ نمٹائیں' اس معاملے پر میں غور کرتا ہوں کہ کیا صورت نکل جائے!"

"آپ ایسا کریں کہ کل صبح کورٹ آجائیں' کچھ کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' تو پھر میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں اٹھنے لگا۔

"چائے تو پیتے جائیں' میں ابھی....."

"نہیں شکریہ!میں بس چلوں گا۔" میں نے خوش اخلاقی کے ساتھ معذرت کر لی۔

ایڈووکیٹ چودھری کے یہاں سے واپسی پر مجھے خیال آیا کہ میری کوٹھی کے کاغذات

ابھی تک ملک فیروز دین ہی کے قبضے میں ہیں۔ بلدیہ چاٹگام والے کیس کا فیصلہ ہو جانے کی صورت میں بہر حال مجھے ان کاغذات کی ضرورت پیش آتی۔ ہمزاد کے ذریعے ان کاغذات کو حاصل کر لینا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا' ممکن ہے کل ہی ان کاغذات کی ضرورت پڑ جائے۔ اسی وجہ سے گھر پہنچتے ہی میں نے ہمزاد کو طلب کرنے کے لیے اس کا تصور کیا۔

جیسے ہی میں نے اسے طلب کیا ہمزاد حاضر ہو گیا۔ "جی..... حکم؟" اُس نے آتے ہی کہا۔

میں نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "کبھی کبھی تمہارا یہ لہجہ اور ایسے الفاظ بڑے عجیب سے لگتے ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولا اور میری طرف حیرانی سے دیکھتا رہا۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا "تمہیں دیکھ کر مجھے یوں لگتا ہے کہ تمہیں نہیں اپنے آپ کو حکم دے رہا ہوں۔"

"آپ کے یہ احساسات فطری ہیں کیوں کہ میں اور آپ جدا کب ہیں! میں آپ ہی کا ہم شکل اور ہم آواز ہوں' آپ ہی کے وجود کا حصّہ ہوں۔"

"کسی صوفی منش نے سن لی یہ بات تو حق ہے کہہ کر مستانہ وار رقص کرنے لگے گا۔" میں نے ازرہِ تفنّن کہا۔

"اب کہاں رہ گئے ہیں' مستانہ وار رقص کرنے والے!" ہمزاد بولا۔ "اب تو ایسوں کی اکثریت ہے جو نہ اس مرتبے کو سمجھتے ہیں اور نہ تصوّف کو۔ اہاں کچھ ہیں' وہ بھی آٹے میں نمک برابر' جو ان رموز کو سمجھتے ہیں۔"

اس وقت مجھے میرؔ صاحب یاد آئے۔ جنھوں نے کہا تھا۔

سب تو ہم کا کارخانہ ہے
یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

میرؔ تقی میر کے بعد میرے حافظے میں یگانہ چنگیزی کا ایک شعر تازہ ہو گیا۔

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی

میرؔ صاحب نے "اعتبار" کہا تھا' یگانہ نے اسے "گمان" میں بدل دیا۔ شعر دونوں بڑھے تھے اس لیے کچھ دیر میں ان کی لذت میں گم رہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہمزاد میرے رو بہ

رو ہے اور حکم کا منتظر ہے۔ میں نے اس سے کوٹھی کے کاغذات لے آنے کو کہا اور اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ جلد از جلد چاٹگام سے چلنا ہے۔ میں نے اس کی وجہ بھی بتا دی۔

"آپ نے درست نتائج اخذ کیے ہیں۔" ہمزاد نے میری بات کی تصدیق میں کہا۔ "شبھو سے نمٹنے کے لیے چاٹگام کو خیر باد کہنا ہی پڑے گا۔"

پھر اُس دن کے بعد میں نے جو کچھ سوچا اور فیصلہ کیا تھا' اس پر عمل کیا۔ سارے معاملات حسن و خوبی سے نمٹتے چلے گئے' کوئی قباحت پیش نہیں ائی۔ بلدیہ چاٹگام نے مجھے میری کوٹھی کے عوض جو معاوضہ دینا منظور کیا' میں نے قبول کر لیا۔ نصیر الدین کا معاملہ میں پہلے ہی نمٹا چکا تھا۔ ایس ایچ او ملک فیروز دین کو لمبی سزا ہو گئی اور مجھ پر رشوت دینے کے جرم میں عدالت نے معمولی سا جرمانہ کر دیا۔ ان واقعات کے سوا دو ماہ میں کوئی اور قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں دانستہ شبھو کی طرف سے یوں غافل رہا جیسے مجھے اس کی کوئی فکر نہ ہو۔ صرف ایک مرتبہ خود اس نے تھوڑی بہت چھیڑ خانی کی اور میں طرح دے گیا۔ ہمزاد کی اطلاع کے مطابق وہ ابھی تک ڈھاکہ میں تھا اور اس غلط فہمی کا شکار ہو چکا تھا کہ میں اب اس سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کروں گا۔ سریتا اب بھی اس کے قبضے میں تھی۔

جب سارے معاملے نمٹ گئے تو میں نے ایک دن ہمزاد کو بلا کر کہا۔ "ڈھاکہ پہنچنے کے پہلے میں چاہتا ہوں کہ وہاں سکونت کا بندوبست ہو جائے۔ اس کے لیے محمد پور کا علاقہ ٹھیک ہے۔ میں پہلے بھی ایک بار چند دن کو وہاں رہا تھا۔"

"بادام تلی گھاٹ کیوں نہیں" ہمزاد معنی خیز انداز میں بولا۔ "سکونت کا بندوبست تو وہاں بھی ہو سکتا ہے!"

"نہیں' میں اس طرح فوری طور پر شبھو کو چوکنا کرنا نہیں چاہتا۔ ڈھاکہ پہنچ کر بھی میں فی الحال اس سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواباً کہا۔

ٹھیک ہے' میں آج ہی سکونت کا بندوبست کر لیتا ہوں تاکہ آپ کو وہاں پہنچ کر کوئی پریشانی نہ ہو۔" یہ کہہ کر وہ میرا اشارہ پاتے ہی چلا گیا۔

شبھو کے بارے میں ہمزاد سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ بادام تلی گھاٹ میں سکونت پزیر ہے۔ یہ علاقہ ڈھاکہ کے بازار حسن بابو بازار کے پیچھے بوڑھی گنگا کے کنارے ہے۔ محمد پور وہاں سے خاصا دور ہے۔ اگر میں اپنی سکونت کے لیے بادام تلی گھاٹ ہی کو پسند کرتا تو ذرا جلدی شبھو کی نظر میں آ جاتا جو میرے نزدیک بہتر نہیں تھا۔ دراصل میں غفلت میں اور اچانک اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔

ہمزاد کے لیے یہ کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا کہ ڈھاکہ میں میرے بتائے ہوئے علاقے میں سکونت کا بندوبست کرلیتا۔ دراصل وہ جب چاہتا تھا اپنے نادیدہ وجود کو دیدنی بنالیتا تھا۔ اسے دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ وہ نہیں 'یعنی پراسرار وجود نہیں' خود میں ہوں۔ اس طرح وہ میری غیر موجودگی میں بھی بہت خوب صورتی کے ساتھ معاملات کو سنبھال لیتا تھا۔ پھر جب میں اس کی جگہ لے لیتا تھا تو کسی کو گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ بندہ بدل گیا ہے۔ میرے لیے یہ کھیل دلچسپ بھی ہوتا تھا اور عجیب بھی!

اسی دن شام کو ہمزاد نے مجھے اطلاع دے دی کہ محمد پور کے علاقے میں سکونت کا بندوبست ہوگیا ہے۔ اس نے بتایا۔ "اب آپ جب چاہیں ڈھاکہ چل سکتے ہیں۔"

"مکان خریدا ہے یا کرائے پر لیا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

آپ نے اس سلسلے میں کیوں کہ کوئی حکم واضح نہیں دیا تھا اس لیے فی الحال کرائے ہی پر......"

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں 'مقصد تو سکونت سے ہے!" میں بولا۔ "پھر کیا خبر ہم جس کام سے جارہے ہیں 'وہ جلدی ہی ہوجائے!"

میرے لہجے میں پوشیدہ سوال اور معنی خیز نظروں کو ہمزاد نے سمجھ لیا اور کہا۔ "وہاں پہنچنے کے قبل کیا کہا جاسکتا ہے!"

"خیر اللہ مالک ہے 'دیکھا جائے گا۔ پاس پڑوس کا ماحول کیسا ہے؟"

"ابھی تو میں نے کوئی اندازہ نہیں لگایا' بہ ظاہر تو ماحول ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا' پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ "جو مکان میں نے کرائے پر لیا ہے 'اس کے بالکل سامنے کوئی خان صاحب رہتے ہیں۔ غالباً" وہ خان صاحب کی بیٹی ہے...... وہ...... وہ البتہ مجھے...... گویا آپ کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔" یہ کہہ کر ہمزاد مسکرانے لگا۔

"مجھے نہیں تمہیں!" میں بھی مسکرا دیا۔ "میں نے اب یہ سارے دھندے چھوڑ دیے ہیں ویسے موصوفہ کی عمر کیا ہوگی؟"

جب یہ دھندے چھوڑ ہی دیے ہیں آپ نے تو پھر عمر سے کیا دلچسپی...."

"بس یوں ہی پوچھ رہا تھا' تو تم معنی پہنانے لگے اس بات کو!"

"عمر تیس پینتیس سے کم نہیں ہوگی آپ خود دیکھ لیں گے۔ مجھے کیوں کہ کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے مزید کچھ جاننا ضروری نہیں سمجھا۔"

"تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا کہ اس کی نظریں میٹھی تھیں یا کھٹی؟ یقیناً تم نے بھی

اسے غور سے دیکھا ہوگا!" میں نے جواباً ہمزاد کی کھچائی شروع کردی۔

"اب وہ چیک ہی گئی تھی اپنی کھڑکی سے تو میں کیا کرتا!! نگاہ اٹھ ہی جاتی ہے۔" وہ کچھ خجل سا ہو کر اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

مجھے ہنسی آگئی۔ پھر کچھ دیر بعد میں سنجیدہ ہوگیا اور بولا۔ "اب یہاں سے چلنے میں کوئی قباحت تو ہے نہیں' آج ہی چلتے ہیں۔ کیا کہتے ہو تم؟"

"جیسی آپ کی مرضی!" وہ کہنے لگا۔

"ہاں سنو! رات کو چلیں گے' نصف' شب گزرنے پر' زوال کا وقت گزار کے' سوا بارہ اور ساڑھے بارہ بجے کے قریب! بہت دن ہوگئے فضا میں پرواز کیے' اچھا لگتا ہے!"

"لیکن آپ ہوش میں کب رہ سکیں گے!"

"کچھ دیر تو رہ سکتا ہوں! پھر جب تم تیز رفتاری دکھاؤ گے تو خود کہہ دوں گا کہ اب ...."

"ہاں یہ ممکن ہے۔"

اس کے بعد میں نے ہمزاد کو رخصت کردیا اور اپنے ملازم ارشاد علی کو آواز دی۔ ابھی میں نے اسے چاٹگام سے جانے کے بارے کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ جب نچلی منزل سے تقریباً دوڑتا ہوا اوپر آگیا تو میں نے اسے مخاطب کیا۔ "ارشاد علی! آج رات میں ایک کام سے ڈھاکہ جارہا ہوں۔"

"جی جناب!" وہ اپنے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"ابھی کچھ معلوم نہیں کہ مجھے وہاں کتنے دن لگیں! تم میری طرف سے فکر مند نہ ہونا۔" یہ کہہ کر میں نے سرہانے رکھے ہوئے تکیے کے نیچے سے چیک بک نکالی اور بولا۔ میں نے سادہ چیکوں پر دستخط کردیے ہیں۔ اس چیک بک کو حفاظت سے اپنے پاس رکھنا.... لو!"

"مگر..... مگر جناب 'بینک'..... بینک میں تو بہت..... بہت پیسہ ہے اور..... اور آپ مجھ پر اتنی بڑی ذمے داری....."

"فضول باتیں نہ کرو!" میں نے اسے محبت سے ڈانٹ دیا۔ "مجھے تم پر پورا اعتماد ہے کہ تمہاری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ ارشاد علی! اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں پیسے سے نہیں محبت ہی سے خریدا جاسکتا ہے' اور میں نے بھی تمہیں اپنی محبت سے خریدا ہے' مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے بے وفائی نہیں کرسکتے۔ لو پکڑو چیک بک!"

بالآخر اس نے چیک بک لے لی جس میں سے ایک چیک بھی نہیں کاٹا گیا تھا۔

"اس سے..... اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے جناب کہ آپ طویل عرصے کے لیے جا رہے ہیں۔" وہ چند لمحے رک کر بولا۔

"ہاں امکان یہ بھی ہے۔" میں نے گول مول بات کی "اگر ——— اگر ایسا ہی ہے تو ..... تو پھر مجھے..... مجھے بھی ساتھ لے چلیے تاکہ وہاں آپ کو پریشانی نہ ہو۔"

"نہیں ارشاد علی!" میں نے انکار میں گردن ہلائی۔ دراصل ابھی کچھ طے نہیں ہے جیسا کہ میں نے بتایا تمہیں۔"

پھر وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں بولا اور ذرا دیر بعد کہنے لگا۔ "سفر طویل ہے حضور، کھانے کے لیے کیا کیا بنا....."

"کچھ نہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اور ہاں سنو! آج بھی تم حسب معمول اندر سے دروازہ بند کر کے اپنے مقررہ وقت پر سو جانا۔ جس وقت مجھے جانا ہوگا، چلا جاؤں گا۔"

"لیکن دروازہ..... وہ بند کرنا پڑے گا مجھے اندر....."

"نہیں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے معنی خیز انداز میں اسے مسکرا کر دیکھا پھر کہا۔ "تم اس چکر میں نہ پڑو اور جو کہہ رہا ہوں، بس وہ کرو۔"

معلوم نہیں، وہ کیا سمجھا، کیا نہیں! ہاں اس نے اس طرح سر ضرور ہلایا تھا جیسے ساری بات سمجھ میں آگئی ہو۔ اس کے باوجود وہ بستر بند باندھنے اور بقیہ سامان کی بات کرنے لگا۔

"کہہ دیا نہ تم سے کہ اپنی عقل نہ بھڑاؤ اس معاملے میں! اب جو کچھ کرلوں گا میں! کچھ ضرورت نہیں مجھے۔ بس جس طرح روز وقت پر کھانا لے آتے ہو لے آنا۔ اب جاؤ!"

ارشاد علی کچھ حیران حیران سا چلا گیا۔ وہ میرا وفادار جاں نثار ملازم تھا اس لیے میں نے اس کی اتنی باتیں سن بھی لیں تھیں ورنہ کوئی اور ہوتا تو نہ اسے کچھ پوچھنے یا کہنے کی جرات ہوتی نہ میں اتنی بات کرتا۔ مجھے علم تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، اس میں نیک نیتی شامل ہے اسی وجہ سے میرے لہجے میں نرمی رہی۔ پھر یہ کہ میں اسے بتاتا بھی کیا! بہرحال میرے اندازے کے مطابق اس نے اتنا ضرور سمجھ لیا تھا کہ عمل کر کے میں نے کوئی پُراسرار قوت ضرور حاصل کرلی ہے۔ اس قوت کے کئی مظاہرے وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا، مثلاً" میرے بوڑھے چہرے پر جوانی کی بہار آجانا! یہ بھی کم حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ اس سے قطع نظر بھی بہت سی حیرت انگیز اور عجیب باتیں رونما ہو چکی تھیں جن کا علم ارشاد علی کو تو کیا کسی کو بھی نہیں تھا۔ یہ صرف مجھی کو معلوم تھا کہ اب میرا وجود، غیر فطری ہونے کے باوجود غیر فطری نہیں رہا۔ وہ جسم جو کبھی میرے لیے آزار جاں تھا، راحت جاں بن چکا تھا۔ ہمزاد نے معدے کے سرطان کے

لیے جو سفوف بنایا تھا، وہ ایک ہی ہفتے میں اپنا اثر دکھا چکا تھا۔ اب میں نے سرطان موذی مرض سے نجات حاصل کرلی تھی۔ میں جسمانی طور پر بھی اب قطعی صحت مند ہو چکا تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مرنے سے پہلے آدمی کی روح اس کے دماغ میں سمٹ آتی ہے، اور دماغ ہی جسم کا وہ حصّہ ہے جہاں سے روح آخر میں نکلتی ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اس نظریے میں کتنی صداقت ہے! ہاں اس کا عملی تجربہ مجھے ضرور ہو چکا ہے کہ میری روح میرے دماغ میں سمٹ آئی تھی اور یہ تجربہ کئی بار ہوا ہے ورنہ اپنے بقیہ جسم سے بچھڑ کر میں زندہ نہ رہ سکتا۔ اس کا سبب میں نے پہلے ہمزاد کے وجود کو سمجھا تھا، مگر اب خدا کی قدرت کو سمجھتا ہوں۔ وہ قادر مطلق ہے، اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں وہ تنکے میں بھی جان ڈال سکتا ہے اور انہیں زیر خاک سلا سکتا ہے جو خود کو ناقابل شکست تصوّر کرتے ہیں۔ قوم عادؑ نے بھی تو خود کو ایسا ہی سمجھا تھا اور ہلاک کر دی گئی۔ مجھ پر خدا کا احسان تھا کہ اس نے ناممکن حالات میں مجھے موت کا ذائقہ نہ چکھنے دیا۔ ہاں ذریعہ..... ذریعہ کوئی بھی ہو سکتا ہے، وہ ہمزاد کا وجود ہو یا کچھ اور! دراصل ہم سے بنیادی غلطی یہی ہو جاتی ہے، ہم ذریعے ہی کو اصل سمجھنے لگتے ہیں، غلطی یہی ہو جاتی ہے، ہم ذریعے ہی کو اصل سمجھنے لگتے ہیں، اسی کو مقصد کہنے لگتے ہیں۔ خود مجھ سے اس غلطی کا ارتکاب ہو چکا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں راہ راست سے نہ بھٹکتا۔ اب صورت حال بدل چکی تھی۔ میرا ظاہر بھی بدل چکا تھا اور باطن بھی! اور اصل بدلنا باطن کا ہے! بہ ظاہر اگر میں ایک وجیہہ اور پرکشش نوجوان تھا تو یہ وجاہت اور حسن میرے باطن میں بھی تھا۔ روح کی کثافتیں دھل چکی تھیں۔ میرے دماغ نے اب ایک اجنبی جسم کو مکمل طور پر قبول کر لیا تھا اور اب وہ جسم میرے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ اب وہ میرا جسم تھا۔ گویا میں تھا! جسم روح کے درمیان رابطے کی یہ بہ حالی ممکن ہے، کچھ لوگوں کو بڑی عجیب، پُراسرار اور ناقابل یقین معلوم ہو۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ بہ ظاہر ایک نظر آنے والا جسم ایک نہ ہو؟ ممکن ہے کہ یہ مجھ پر نہ بیتی ہوتی تو میں بھی اسے ناقابل یقین ہی سمجھتا، لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ زندگی میں ہر شخص ایک ہی سے تجربات سے گزرے۔ اس کائنات کا ہر عقدہ تو ابھی نہیں کھلا، اور جو کھل گیا ہے کیا ضروری ہے کہ سچ بھی ہو! پھر کائنات تو بہت بڑی چیز ہے، اس کائنات کے ایک بہت مختصر حصّے انسان کے بارے میں حتمی طور پر ابھی کچھ سراغ نہیں ملا، گویا خود انسان کا وجود ایک اسرار ہے، ایسا اسرار، جسے سمجھنے کی کوشش اب تک جاری ہے۔ ہاں یہ کوشش یہ جستجو ان کی ہے جو عقائد نہیں رکھتے، بے عقیدہ ہیں! ہونے اور نہ ہونے، وجود اور بے وجودی نے بہت سے نظریات کو جنم دیا ہے۔ یہ بھی غلط نہیں کہ جاننا اور جستجو کی کوشش ہی علم ہے، صرف راہوں کے تعین

میں فرق ہے۔ میں نے کسی طرح جانا' تم نے کیسے جانا؟ مقصد دونوں ہی کا جاننا ہو اور جاننا
نہیں مگویا علم سے انحراف اندھیروں کی طرف لے جاتا ہے جہاں سے بے یقینی پیدا ہوتی ہے۔
شمیم نوید! میں محسوس کر رہا تھا کہ تمہارے چہرے پر اضطراب اور الجھن کے آ
ہیں اور اس کا سبب بھی میرے علم میں ہے۔ تمہیں شاید جسم و روح کی اس پیچیدہ بحث سے
زیادہ میری سرگذشت سے دلچسپی ہے کیوں کہ تم فلسفے اور نظریات نہیں' کہانیاں لکھتے ہو'
میں اس سے گریز کرتے ہوئے تمہیں اسرار افسوں کی فضا میں لیے چلتا ہوں۔ میری اس بح
کا مقصد صرف یہ تھا کہ میری سرگزشت کو محض کہانی ہی نہ سمجھ لیا جائے۔

بہر حال مختصراً" یوں سمجھ لو کہ میں اب خود کو کوئی پُراسرار وجود سمجھنے کی بجائے ایک
انسان سمجھنے لگا تھا مگر ایسا انسان جسے خدا نے کچھ ایسی قوتوں سے نواز دیا تھا جو عام انسانوں میں
نہیں ہوتیں۔ میں اب ان قوتوں کو شر کی بجائے خیر کے حصول میں صرف کرنا چاہتا تھا۔ چا
سے میری روانگی بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

اس شب سوا بارہ بجے کے قریب ہمزاد حاضر ہو گیا۔ میں پہلے ہی تیار بیٹھا تھا۔ ار
علی میرے حکم کے مطابق گھر کا دروازہ اندر سے بند کر کے سو چکا تھا۔ میں اپنے کمرے کی رو
گل کر کے چھت پر آ گیا۔ ہر طرف سناٹا اور تاریکی تھی۔ میں نے اسی لیے نصف شب کا وق
مقرر کیا تھا۔

میرا اشارہ پا کر ہمزاد قریب آ گیا اور پھر اسی کے ساتھ ایک طویل عرصے کے بعد می
ایک پُراسرار تجربے سے گزرا۔ میرا جسم اوپر اٹھنے لگا۔ ہمزاد میرے ایما پر تیز رفتاری سے
گریز کر رہا تھا' اس کے باوجود میرے حواس بے قابو سے ہو رہے تھے۔ چاٹگام شہر کی روشنیا
مجھے اب ٹمٹماتے دیوں کی طرح محسوس ہو رہی تھیں اس لیے کہ میں خاصی بلندی تک پہنچ
تھا۔

ہمزاد کی پرواز جاری تھی۔ وہ مجھے سہارا دیے بہت آہستہ آہستہ ڈھاکہ کی طرف پرو
کر رہا تھا۔ تقریباً" نصف گھنٹے میں نے پرواز کا لطف لیا' پھر ہمزاد سے کہا۔ "اب تم تیز رفتاری
سے اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہو اس لیے کہ چاٹگام شہر نظروں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔"
دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی آنکھوں پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا اور ای
میرے ذہن پر تاریکی چھا گئی۔
مجھے علم نہیں کہ مجھ پر کتنی دیر غفلت طاری رہی! ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک
خواب گاہ میں پایا۔ میں ایک مسہری پر دراز تھا اور میرے سامنے ہی ہمزاد مودب کھڑا تھا۔ مجھے

اس کے چہرے پر داد طلبی کے آثار نظر آ رہے تھے' اور تھا بھی ایسا ہی! میں نے بخل سے کام نہ
لیا اور بولا۔ "تم نے واقعی بہت خوب صورتی سے اس خواب گاہ کو سجایا ہے۔" یہ کہتے ہوئے
میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور مسہری ہی پر ایکطرف رکھے ہوئے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا لی۔ "مجھے
تمہارے ذوق جمال کا اندازہ ہوتا جا رہا ہے۔"
"شکریہ!" وہ ادب سے جھکا اور پھر میری طرف چابیوں کا گچھا بڑھا دیا۔
"پہلی منزل پر بھی دو کمرے ہیں' ایک بڑا ہے' ایک چھوٹا۔" وہ بتانے لگا۔ "ایک کو میں نے
نشست گاہ بنا دیا ہے اور دوسرے کو اسٹور۔ نیچے باورچی خانہ اور غسل خانہ ہے۔ اوپر اس
خواب گاہ کے علاوہ ایک کمرا اور تھا۔ فی الحال میں نے اسے مطالعہ گاہ بنایا ہے' ویسے جو آپ
کہیں گے......"
"تم نے میرے کہنے کو چھوڑا کیا ہے جان عزیز!" میں نے محبت سے کہا۔
"سامنے یہ جو لکڑی کی الماری ہے' اس میں آپ کے کپڑے اور ضروریات کا دیگر
سامان ہے۔" ہمزاد نے اشارہ کیا۔
معاً" میرے ذہن میں ایک بات آئی اور میں نے اس سے پوچھا۔ "نیچے صدر دروازہ
تو ابھی باہر سے مقفل ہو گا نا؟"
وہ مسکرایا۔ "جی نہیں۔ میں صدر دروازے کا تالا کھول کر گھر میں آیا ہوں تاکہ پاس
پڑوس والے دیکھ لیں اور اندر روشنی دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ چور گھر میں گھس گئے ہیں۔"
"اور میں کہاں تھا اس وقت؟ مجھے بھی تو......"
"آپ اس وقت خواب گاہ میں پہنچ چکے تھے۔" اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔
"اچھا! سمجھ گیا میں۔ پہلے تم نے مجھے یہاں اس خواب گاہ میں لا کر مسہری پر لٹا دیا' پھر
باہر پہنچ کر تالا کھولنے کے بعد گھر میں آئے۔" میں سر ہلا کر بولا۔ "نیچے کا دروازہ تو لگا دیا ہے؟"
"جی ہاں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔
"ویسے تو خیر ابھی ایک ہی بجا ہے...." میں نے دائیں جانب دیوار پر لگی ہوئی گھڑی
دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی اب سو ہی جانا بہتر ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔"
ہمزاد چلا گیا تو میں نے خواب گاہ کی روشنی گل کی اور بستر پر دراز ہو گیا۔ کسی کو اگر میں
یہ بتاتا کہ آج رات تقریباً" پون بجے تک چاٹگام ہی کی حدود میں تھا اور ایک بجے ڈھاکہ میں
تو یقیناً" مجھے خبطی یا پاگل سمجھتا مگر حقیقت یہی تھی۔ ہمزاد کو چاٹگام سے ڈھاکہ پہنچنے میں اتنی
دیر بھی صرف میری وجہ سے لگی تھی کیوں کہ میرا جسم اس قدر تیز رفتاری کا متحمل نہیں ہو

سکتا تھا ورنہ وہ تو پلک جھپکتے کہیں سے کہیں پہنچ جاتا تھا۔
دوسرے دن صبح میں نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر مکان کا ایک چکر لگایا۔ مکان
بنا ہوا تھا مگر مضبوط اور غنیمت تھا۔ پھر یہ کہ ہمزاد نے اس کی صورت بدل دی تھی۔ اسی دور
میں مجھے سامنے والے گھر کی اس لڑکی کا خیال آیا جس کا تذکرہ ہمزاد نے کیا تھا۔ خواب گاہ
متصل جو کمرا تھا' میں نے وہاں پہنچ کر اس کی ایک کھڑکی کھول دی۔ سامنے والے دو منزلہ مکا
کی کئی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں مگر وہاں کوئی تھا نہیں۔ دونوں گھروں کے درمیان بیچ جو
تھی' زیادہ چوڑی نہیں تھی اس لیے درمیانی فاصلہ خاصا کم تھا۔ میں پلٹنے ہی والا تھا کہ کسی
تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھتے دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ یہ وہی ہو سکتی تھی جو مجھے ا
طرف دیکھتے پا کر کچھ ٹھٹک سی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ ہمزاد نے یوں میری طرح اسے بر
راست دیکھنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔
اس کی عمر کے بارے میں بھی ہمزاد نے ٹھیک ہی اندازہ لگا تھا۔ وہ تیس پینتیس
درمیان ہی رہی ہوگی' مگر حسن جیسے اس پر ٹوٹ کر برسا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے بھری بہار
بھرپور خوشبو کے حصار ہوں اور رنگ چھلک اٹھنے کو بے تاب! وہ کھڑکی سے لگی کھڑی تھی
نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ بڑی بڑی آنکھوں پر دراز پلکیں سایہ کیے ہوئے تھیں' جسم گ
ہونے کے باوجود متناسب معلوم ہوتا تھا۔ ہرا جمپر اور ہرا ہی دوپٹہ اس پر کھل رہا تھا۔ نچلے ہونٹ
کے نیچے دائیں جانب نمایاں تل تھا اور سرخ و سفید رخساروں پر جذبوں کی دھنک تھی
چوڑی پیشانی پر ایک آوارہ لٹ یا تو خود ہی جھوم رہی تھی یا اس نے بہ طور خاص یہ اہتمام
تھا۔ چہرہ بیضوی تھا' مگر پرکشش! بعض چہرے ایسے ہوتے ہی کہ کوشش کے باوجود ان پر
نگاہ نہیں ٹکتی۔ وہ چہرہ بھی ایسا ہی تھا۔
چند لمحے بعد اس نے آہستہ آہستہ اپنی دراز پلکیں اٹھائیں اور گوشہ چشم سے میر
طرف دیکھا' پھر ایک دم پلٹ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔ وہ چلی بھی گئی مگر کچھ دیر مجھے
محسوس ہوتا رہا کہ کھڑکی خالی نہیں ہے۔ پھر میں نے کھڑکی تو بند نہیں کی البتہ خود وہاں
ہٹ گیا۔ بہ یک وقت میرے ذہن میں بہت سی باتیں آئی تھیں۔ ظاہری بات تھی کہ وہ ا
گھر میں اکیلی تو نہ ہوگی' یقیناً اور لوگ بھی ہوں گے۔ اگر کسی نے مجھے یوں کھڑکی میں دیکھ لیا
یہ کوئی اچھی بات بہرحال نہیں ہوگی۔ پھر مجھے اس کی عمر کا خیال آیا۔ اس عمر تک پہنچ کر عمو
لڑکیاں کنواری نہیں رہتیں۔ وہ شادی شدہ بھی ہو سکتی تھی' ہرچند کہ معلوم نہیں ہوتی تھی
صورت میں اس کا شوہر نامدار "[illegible] و سیاہ" بن کر میری "مزاج پرسی" کر سکتا تھا۔

ان باتوں سے بھی قطع نظر یہ کہ میں توبہ کر چکا تھا۔ مجھے یہ سب کچھ زیب نہیں دیتا تھا۔
اس خیال نے مجھے مضطرب کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ میرا شیطان اب بھی میرے اندر
چھپا ہوا ہے ورنہ یوں نہ ہوتا۔ اب میں اپنی خواب گاہ میں آ کر ہمزاد کو طلب کر چکا تھا۔ اسے
میں نے ناشتہ لانے بھیج دیا اور پھر اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔
وہ خود ہی تو میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی! تو کیا میں اپنا آنکھیں بند کر لیتا! پھر یہ کہ میں نے
اس سے کچھ کہا بھی نہیں۔ جلوہ اتنا بھرپور اور پرکشش ہو تو بھلا کون کافر ہے جو نظر پھیر لے گا!
یہ تو بدذوقی ہوئی۔ دل اپنا تھا کسی طرح سمجھ ہی گیا اور مجھے احساس گناہ سے نجات مل گئی۔
جب تک ہمزاد ناشتہ لے کر آیا۔ میں بڑی حد تک خود کو سنبھال چکا تھا' پھر بھی اس
نے جانے کیسے میرے اضطراب کو محسوس کر لیا۔
"کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے اس کے استفسار کے جواب میں کہا۔
"کہیں درشن تو نہیں ہو گئے؟" اس نے مسکرا کر دوسرا سوال کیا۔ بالآخر وہ بات کی تہ
تک پہنچ ہی گیا۔
میں جھوٹ نہ بول سکا۔ مگر اسی کے ساتھ کہا۔ "میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ..... کہ....."
"آپ نے توبہ کر لی ہے۔" اس نے شوخ لہجے میں میری بات پوری کر دی' پھر بولا۔
"لیکن در توبہ ابھی بند تو نہیں ہوا!"
"بکو مت!" میں نے اسے پیار بھرے لہجے میں ڈانٹ دیا۔
"میں بکوں گا تو ضرور!" وہ بہ دستور شرارت پر آمادہ رہا۔
"وہ کس خوشی میں؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔
"وہ عرض کر دیتا ہوں۔" وہ مسکرایا "مجھے معلوم تھا کہ آپ کو شربت دیدار ضرور پلایا
جائے گا اسی لیے میں نے بطور احتیاط صاحب دیدار کا حدود اربعہ معلوم کر لیا تھا' مگر بتاؤں گا
نہیں۔"
"وہ کیوں؟"
"اس لیے کہ آپ مجھ سے پوچھیں گے ہی نہیں کچھ' اس کے بارے میں۔"
"میں نے یہ کب کہا تھا کہ کچھ نہیں پوچھوں گا!" میں اس سے سوال جواب کے
دوران میں ہرچند کہ ناشتہ بھی کر رہا تھا مگر ساری توجہ اسی کی طرف تھی۔
"اگر ایسا ہے تو پھر جب پوچھیں گے تو بتا دوں گا۔ میں بھلا بغیر پوچھے کیوں بتاؤں گا کہ
اس کا نام نفیسہ ہے اور یہ بھی کہ وہ ابھی تک کنواری ہے!" وہ مسکرایا۔

"کیا؟"

میں چونک اٹھا۔ کنواری ہے؟"

"جی ہاں۔" اس نے جواب دیا۔ "اور اس کی وجہ ہے' مگر میں کیوں بتاؤں وجہ کہ وہ

اپنے بوڑھے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے اور ان کی گزر بسر کا واحد ذریعہ ہے!

"دیکھو تم شرارت سے باز آجاؤ اور سیدھے سیدھے بتاؤ ساری بات!" میری آنکھوں

میں کوئی خواب سا جاگنے لگا تھا۔ گزر بسر کے واحد ذریعے سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"اب آئے نا آپ گھاٹ پر!" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ نوکری کرتی ہے وہ ایک

دفتر میں! ٹائپسٹ ہے وہاں.... اور کچھ پوچھنا ہے؟"

"ہاں سب کچھ بتاؤ اس کے بارے میں!" میں نے زور دے کر بولا۔

"سب کچھ نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔" ہمزاد سنجیدہ ہو گیا۔ "کچھ باتوں کا نہ جاننا بھی اچھا

ہوتا ہے۔"

"اب سبق نہ دو مجھے! جو پوچھ رہا ہوں بتا دو!"

"تو سنئے! اس کا عدد منگیتر بھی ہے اور وہ نفیسہ کو ٹوٹ کر چاہتا ہے۔"

"اچھا!" میں نے طویل سانس لیا اور اسی کے ساتھ میری آنکھوں میں جو خواب جاگا

تھا' ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔ "اسی لیے کہہ رہے تھے کہ....

"کچھ باتوں کا نہ جاننا بھی اچھا ہوتا ہے۔" ہمزاد نے میرا جملہ پورا کر دیا' پھر بولا۔ ویسے

زیادہ مایوس ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ آپ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا ہے۔"

"غلط خیال ہے تمہارا!" میں جھینپ مٹانے کے لیے مسکرایا۔ "میں کیوں مایوس

ہوتا!" یہ کہتے ہوئے میں نے پانی کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ناشتہ تو کرلیں یا بھوک ہی اڑ گئی؟"

"تم پھر اپنی پہ آگئے! کر چکا ہوں' ناشتہ!" میں نے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا' پھر پانی پی کر

کہا۔ "ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے کہ مایوسی کی بات نہیں؟"

"کچھ نہیں' خاک ڈالیں اس پر! یہ سوچیں کہ ڈھاکہ کس لیے آئے تھے! کہیں اس

چکر میں پھنس کر آپ اس غریب سریتا ہی کو نہ بھول جائیں!"

"تم ایسا سمجھتے ہو مجھے!" میں نے اس کی شرارت کو مد نظر رکھتے ہوئے نسبتاً سخت

آواز میں کہا۔

"سمجھتا تو نہیں ہوں' پھر آپ کیوں اس سلسلے میں پیش رفت نہیں کر رہے؟"

"تو اب تم جواب طلبی کرو گے مجھ سے!" میں نے اسے گھورا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی! میری یہ مجال کیسے ہو سکتی ہے!"

"پھر سریتا کے سلسلے میں کیوں بک بک کر رہے ہو! جب کہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا

ہوں' جلد بازی نہیں کرنی!"

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا!"

ہمزاد نے یہ جملہ بالکل اسی طرح ادا کیا جیسے میں ایسے موقعوں پر کسی کو "گھسنے" کے

لیے ادا کرتا تھا۔ مجھے ہنسی آگئی۔ آخر وہ میرا ہی جسم لطیف تو تھا۔ اس سے زیادہ مجھے کون جانتا!

"دیکھو ڈھاکہ آئے ابھی مجھے پہلا دن ہے اور میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ کیا قدم

اٹھاؤں گا۔ جب تک میں کسی نتیجے تک نہیں پہنچ جاتا' اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔" میں

نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے آپ تو ناحق سنجیدہ ہو گئے! یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔"

"تو پھر نفیسہ کے بارے میں فوراً" وہ سب کچھ اگل دو جو تم نے معلوم کیا ہے۔"

"نہیں مانیں گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"آپ کی مرضی! بعد میں مکملائیں تو مجھ پر الزام نہ لگائیے گا کہ اس نے یہ بلا میرے

پیچھے لگائی تھی۔"

"تم بکو گے بھی کچھ کہ بس تمہید ہی باندھے جاؤ گے!"

"بکتا ہوں' بکتا ہوں' ذرا سانس تو لینے دیں!" اس نے مظلوم نظر آنے کی اداکاری کی'

پھر کہنے لگا۔ "تو کیا پوچھ رہے تھے آپ؟"

"تمہارا سر!" میں چڑ کر بولا۔"

"وہ تو سلامت ہے اپنی جگہ!" اس نے بھولپن سے کہا۔

"لیکن تم مجھے اسی طرح ستاتے رہے تو یہ سلامت نہیں رہے گا' سمجھ گئے!"

"تو پہلے کیوں نہیں کہا تھا یہ!"

مجھے پھر ہنسی آگئی۔ دراصل میری تنہا زندگی میں ہمزاد کی یہ شرارتیں شامل نہ ہوتیں

تو جینا بڑا کٹھن ہو جاتا۔ میں اسی لیے اس پر زیادہ سختی نہیں کرتا تھا اور کبھی کبھی اسے طرح دے

جاتا تھا۔ اس کا اندازہ خود اسے بھی تھا' وہ بھی میرے ساتھ ہنسنے لگا۔ کافی عرصے کے بعد ایسا کوئی

موقع مجھے نصیب ہوا تھا کہ یوں لمحے خوش گوار گزرے ہوں ورنہ عموماً اعصاب کشیدہ ہی رہتے

تھے یا پھر کسی نہ کسی معرکہ آرائی رہتی تھی۔ میرا ذہن فکر سے خالی تو اب بھی نہیں تھا مگر اب میں نے اپنا انداز فکر ذرا سا بدل دیا تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ اور تلخ تجربات کے سبب میرے مزاج میں قدرے ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ یہ مثبت تبدیلی ہمزاد کو دوبارہ مسخر کرنے کے بعد مجھ میں رو نما ہوئی تھی ورنہ پہلے میں اتنا صبر کہاں کرتا تھا! نتیجتہ" مجھے اس کی سزا بھی بھگتنا پڑتی تھی۔

اس وقت ہمزاد اور میں دونوں ہی دیر تک ہنستے رہے' پھر اس نے مجھے بتایا۔

"نفیسہ رشید کو بالکل نہیں چاہتی! میں نے اس لیے کہا تھا کہ زیادہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"رشید غالبا" اس کے منگیتر کا نام ہے؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"جی ہاں اب منگیتر بننے سے پہلے بھائی جان ہوا کرتا تھا"

"نہ چاہنے کا سبب؟" میں نے "بھائی جان" کی تفصیل سے گریز کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک نہیں کئی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "پہلا تو یہی کہ اس غریب کے منہ پر چیچک کے داغ ہیں' اور ظاہر ہے کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں' رنگ بھی کچھ دبا ہوا سانولا! پھر یہ کہ میٹرک پاس ہے اور نفیسہ نے بارہ کلاس پڑھ لی ہیں' یعنی تعلیم میں وہ اپنے منگیتر سے دو کلاس بڑھ کر ہے' جسم بھی کچھ بگلی ہے' ہلکی سی توند بھی ہے۔ ایک بازار بند تو ایک کھلا ہوا۔"

"بازار؟"

"میرا مطلب یہ ہے' موصوف ساری دنیا کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔"

"تو سیدھے سیدھے یوں کہو نا کہ ایک آنکھ ہے!"

"وہی تو کہہ رہا تھا!..... خیر تو اس میں اس غریب کا کیا قصور کہ بچپن میں بیماری کے سبب ایک آنکھ جاتی رہی اس لیے ہر وقت دھوپ کا چشمہ لگائے رہتا ہے۔ بڑے بڑے لوگ ایک آنکھ والے ہوئے ہیں مثلا"....."

"پٹری سے نہ اترو!" میں نے اسے ٹوکا۔ آگے کہو۔"

"کیا اب بھی کچھ کہنا سننا باقی رہ گیا ہے۔!"

"کیوں نہیں!" میں زور دے کر بولا۔ "سوال یہ ہے کہ نفیسہ کے ماں باپ نے اسے کیسے قبول کر لیا!"

"آخر کوئی وجہ تو ہو گی نا!"

"ایک نہیں کئی!" وہ مسکرایا۔

وہ شرارت پر تو آمادہ تھا ہی مگر میرے سوالوں کا جواب بھی دے رہا تھا اس لیے میں نے صرف اتنا کہا۔ "بیان کرو وجوہ!"

"آپ تو اس وقت بالکل کوئی جج معلوم ہو رہے ہیں اور میں آپ کے سامنے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوا کوئی....."

"ارنگ بڑنگ نہیں' بس مطلب کی بات! وہ وجوہ بتاؤ جن کی بنا پر نفیسہ کے ماں باپ نے رشید کو قبول کیا اور اور یہ بھی کہ نفیسہ اس پر کیسے راضی ہو گئی؟"

اس کے لیے مجھے ماضی کے اوراق پلٹنا پڑیں گے اور ان اوراق کو پلٹتے ہوئے یہ خیال بھی رکھنا پڑے گا کہ بہت بوسیدہ ہیں کہیں اللہ کو پیارے نہ ہو جائیں!"

تو پلٹو اوراق!" میں بھی اس سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔

یہ پلٹا پہلا ورق!" اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے ہنسانے کی کوشش کی اور میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔ اس پر لکھا ہے کہ نفیسہ کی عمر اس وقت' جوانی راتیں مرادوں کے دن تھی' یعنی صرف انیس سال! اس عمر میں موصوفہ اغوا کر لی گئیں اور پولیس کی ان تھک کوششوں کے بعد کھلنا سے برآمد کی گئیں۔ ان ان تھک کوششوں میں پولیس کو چار ماہ لگ گئے اور چار ماہ کسی جوان جہاں لڑکی کے لیے بہت ہوتے ہیں! سمجھ رہے ہیں نا آپ..... خیر ان دونوں بندوں کو تو لمبی سزا ہو گئی جنھوں نے نفیسہ کی مرضی کے خلاف اسے حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ نفیسہ پر جو کچھ گزر گئی اس کا تدارک کون کرتا! غریب ماں باپ کی اکلوتی بیٹی بدنام ہو گئی جب کہ وہ بے قصور تھی۔ یہ بات بھی چھپائے نہ چھپی کہ اس کے ماں باپ نے اسے فورا" ہی کچھ دن کے لیے ایک اسپتال میں داخل کروا دیا تھا۔ اسپتال سے نفیسہ خالی ہاتھ ہی گھر آئی۔ وہ پیلی پڑ گئی تھی' بڑی مدت کے بعد کہیں جا کر پہلی سی بہار آئی' مگر اب بہت سے مسئلے درپیش تھے۔ پہلا مسئلہ تو یہی کہ کوئی خاندان والا کسی ایسی لڑکی کو اپنی بہو بنانے پر راضی نہ تھا جو اغوا بھی کی جا چکی ہو اور..... آپ خود ہی سمجھتے ہیں' تفصیل کیا عرض کروں! آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں کچھ شرمیلا واقع ہوا ہوں۔ ایسی باتیں میری زبان پر نہیں آتیں۔ آپ کو شاید یاد ہو گا کہ ایک مرتبہ آپ نے میرٹھ میں مجھے....."

"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔

"اسی طرح تو آپ مجھے بے بس کر دیتے ہیں اور میرے دل کی بات دل ہی میں رہ جاتی ہے۔ آپ ہی بتائیں یہ ظلم ہے کہ نہیں؟"

"برداشت کرو ظلم! یہ تو ہو گا۔ تم جان بوجھ کر بھٹکو گے تو میں ضرور ٹوکوں گا۔ ہاں تو پھر

کیا ہوا؟"

"اب تو وہ ورق ختم ہو گیا' یقین کریں میں آخری سطر تک پڑھ چکا ہوں۔ مزید کچھ جاننے کے لیے مجھے ماضی کے اوراق میں سے ورق نمبر دو الٹنا پڑے گا اور یہ میں عرض ہی کر چکا ہوں کہ اوراق بوسیدہ ہیں اس میں ٹیم لگے گا۔"

"تو لگاؤ ٹیم' میں نے کب منع کیا ہے! مجھے کون سا کہیں حاضری بجانے جانا ہے!"

"معاف کیجئے گا" آپ اہل زبان ہو کر غلط اردو بول رہے ہیں' حاضری بجائی نہیں جاتی! دلیل اس کی یہ کہ حاضری کوئی بانسری نہیں ہوتی' نہ کسی قسم کا باجا! حاضری دی جاتی ہے۔

"ہم اہل زبان ہیں' جس طرح چاہیں بولیں۔ تم کون ہوتے ہو ٹوکنے والے!" اور آپ یہ بھی کہیں گے کہ زبان ہمارے گھر کی لونڈی ہے!"

میں نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے اس طرح چوٹ کرنے کے لیے گھیر رہا ہے اسی سبب کہہ دیا۔ "ہاں زبان ہمارے گھر کی لونڈی ہے!"

"اس لیے آپ اس کے ساتھ لونڈیوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔" وہ مجھ پر چوٹ کر گیا۔

جھینپ مٹانے کے لیے میں نے اسے ڈانٹ پلائی اور اصل موضوع کی طرف لوٹنے کا "حکم" صادر کیا۔

"یہ لیجئے' ناراض کیوں ہوتے ہیں! پلٹ گیا ورق! لکھا ہے نفیسہ نے اپنی تقدیر کو قبول کر لیا کہ بن بیاہی رہے گی۔ ماں باپ نے اوپرے دل سے اس کے اس فیصلے کے خلاف تھوڑی بہت بک جھک کی۔"

"اوپرے دل سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ اس کی وجہ تھی کوئی؟"

"ایک نہیں کئی!"

"اگر تم ہر بات پر انہیں لفظوں کی تکرار کرتے رہے تو "ایک نہیں کئی تمہارا تکیہ کلام ہو جائے گا بلکہ میں تمہاری چڑ بنا دوں گا' ایک نہیں کئی!" میں چڑ کر بولا۔

"چڑ تو آپ رہے ہیں ان الفاظ سے! اور چڑ اسی کی بنتی ہے جو کچھ مخصوص الفاظ سن کر ......"

"تم مجھے پھر سبق پڑھانے لگے!"

"میں تو بتا رہا تھا آپ کو! آپ تو بس خواہ مخواہ ہر وقت میری طنابیں کھینچے رہتے ہیں۔"

"بس بتا دیا تم نے کافی ہے۔ آگے کہو۔"

"کیا؟"

"وہی جو کہہ رہے تھے!"

"وہ تو میں بھول گیا۔"

پھر جب میں نے اسے گھور کر دیکھا تو "راہِ راست" پر آ گیا۔

"اس طرح تو نہ دیکھا کریں' میں ڈرنے لگتا ہوں۔ تو میں اوراق ماضی کا ورق نمبر دو اور سطر نمبر.... کیا تھی.... وہ کیا تھا سطر نمبر؟" اس نے شرارت سے میری طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی میرے چہرے کا "جلال" دیکھ کر جلدی سے بولا۔ "یاد آ گیا..... یاد آ گیا! سطر نمبر پندرہ تھی۔ دراصل بہت باریک باریک لکھا ہے اور کاتب نے قلم بھی صحیح نہیں لگایا' جگہ جگہ بین السطور گڑبڑ ہے۔ میم کا ڈنڈا نچلی سطر کے کاف کے مرکز سے اٹکھیلیاں کر رہا ہے۔ خیر کر رہا ہو گا مجھے کیا!.... تو سطر نمبر پندرہ کے بعد لکھا ہے۔ نفیسہ کی اماں اپنی آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوتی جا رہی تھی جس طرح کہ عام طور پر ہیروئنوں کی آماؤں کی بینائی ایسے موقعوں پر کم ہو جایا کرتی ہے۔ وہ اب سلائی کڑھائی کر کے گھر کا خرچہ پورا نہیں کر سکتی تھی۔ ابا حضور قبلہ سدا کے نکھٹو تھے۔ ان حالات میں بیوی غریب کی جان عذاب میں تھی۔ غرض کہ اب نفیسہ پڑھ لکھ کر جوان ہوئی تو اس نے گھر کی ذمہ داری قبول کر لی۔ گویا نوکری کو پیاری ہو گئی اور شادی نہ کرنے کا اعلان بھی سنا دیا۔ میں نے اسی لیے کہا تھا کہ اس کے والدین نے اوپرے دل سے اس اعلان پر تھوڑی سی ریں ریں چیں چیں کی تھی ورنہ کمانے والی لونڈیا دوسرے گھر کی ہو جاتی تو وہ کیا کھاتے ڈیل!"

"مگر تم نے اس سلسلے میں رشید کا ذکر ڈگول ہی کر دیا! وہ کہاں تھا۔ اس عرصے میں؟ اور پھر کب اور کس طرح وہ نفیسہ کا منگیتر بن گیا؟" میں نے اعتراض کیا۔

رشید جیسور میں تھا۔ ابھی کوئی سال بھر ہوئے وہ ڈھاکہ آیا ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "لیکن' اس کی الگ کہانی ہے' عرض کرتا ہوں ابھی!"

لیکن زیادہ تفصیل نہیں مختصراً!"

"یہ اچھا کہا آپ نے! اس کی کہانی ہے ہی مختصر! میں چاہوں بھی تو اس میں زیادہ کلی پھندنے نہیں جوڑ سکتا۔"

"خیر.... سنا دو اس کی کہانی بھی مگر اصل موضوع کی طرف جلد لوٹ آنا!"

"جاؤں گا تو لوٹوں گا' میں تو یہیں ہوں' آپ کی خدمت میں!" وہ بولا "ہاں تو عرض کیا ہے....."

"یہ تم کوئی شعر سنا رہے ہو یا واقعہ؟"

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا!"

"یاد دلاؤں؟ میں نے ہاتھ اٹھایا۔

"آ گیا یاد.... بالکل آ گیا! آپ اپنا ہاتھ نیچے کر لیں.... ہاں اس طرح!.... رشید کا قصہ یہ ہے کہ گویا وہ اپنے اماں ابا کی موت ہی کا انتظار کر رہا تھا' ادھر وہ دونوں دن دن بائی دن آؤٹ ہوئے' ادھر رشید اپنے بڑے بھیا سے لڑ کر ڈھاکہ بھاگ آیا۔ شادی اس کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اب آپ مجھ سے اس کی وجہ نہ پوچھے گا ورنہ میں پھر وہی کہوں گا۔ ایک نہیں کی!"

"میں پوچھ کب رہا ہوں وجہ جو تم آپ ہی آپ فرض کر رہے ہو!"

"مگر پوچھ تو سکتے ہیں!"

"نہیں پوچھوں گا' لکھ کر دوں!"

"لکھنے کی زحمت نہ کریں۔ میں آپ کی زبان پر اعتبار کیے لیتا ہوں۔"

"آگے بکو' آگے بکو!" میں نے اسے ٹوکا۔ تم بتا رہے تھے کہ رشید اپنے بڑے بھائی سے لڑ کر ڈھاکہ آ گیا اور یہ کہ وہ غیر شادی شدہ تھا۔"

"بالکل تھا!" اس نے تائید میں سر ہلایا۔ ڈھاکہ آ کر اس نے قبلہ ماموں جان کی چھاتی پر مونگ دلنے کی کوشش فرمائی' مگر ماموں جان کی چھاتی پہلے ہی مونگ سے خالی تھی' وٹنا کیا! ماموں' یعنی نفیسہ کے ابا نے دو چار دن تو برداشت کیا کہ چلو یتیم بھانجا ہے' پھر دھتا بتا دی کہ میاں چلتے پھرتے نظر آؤ' یہاں پہلے ہی رگوں میں تیل نہیں ہے۔ نتیجتہ" میاں ایک جگہ نوکر ہو گئے' پھر ہفتے دو ہفتے میں کسی چھڑے کے ساتھ رہنے کا بندوبست بھی کر لیا اور تام تمبیڑا اٹھا کر چل دیے۔ اسی دوران میں کیوپڈ نے ان کے دل پر تیر اندازی شروع کر دی تھی۔ موصوف نفیسہ پر لٹو اور نفیسہ منہ لگانے کو تیار نہیں۔ منہ لگانا تو سمجھتے ہیں نا آپ! محاورہ ہے۔"

"ہاں سمجھتا ہوں' تم آگے کہے جاؤ۔" میں جان چھڑانے کے لیے فوراً" بول اٹھا کہ کہیں وہ محاوروں پر شروع نہ ہو جائے!

"تو پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ آتش عشق اتنی تیز ہوئی.... اتنی کہ بس! خطرہ پیدا ہوا کہ عاشق نامراد' یعنی رشید اگر بامراد نہ ہوا تو اس آگ میں ایک دن زندہ ہی جل جائے گا اور دیکھنے والے ہاتھ ملاتے یا ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ ٹھنڈی میٹھی آہوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ایک دن ممانی جان کے سامنے' یعنی نفیسہ کی ماں کے سامنے بھی ایک عدد آہ نکل گئی۔ بڑی بی

نے بھانجے کی نظروں کا تعاقب کیا تو معلوم ہوا اس آہ کا ٹارگیٹ انہی کی لخت جگر ہے' یعنی نفیسہ نفیسہ اس وقت اپنے ہاتھ پر نئے کپڑے ڈالے' بال کھولے باتھ روم کا رخ کر رہی تھی۔ رات کو بڑی بی نے بڑے میاں کو اس آہ سے آگاہ کیا۔ پھر دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور طے ہوا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو اس آہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے' وہ بھی اس طرح کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ نفیسہ ان کے بڑھاپے کی لاٹھی ہی تو تھی۔ اگر یہ لاٹھی ان کے ہاتھ سے چھین لی جاتی تو زندگی کی شاہراہ پر وہ دونوں بڈھے بڑھیا ایک قدم نہ چل سکتے۔ بڑے میاں نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بھانجے صاحب پر پڑو ڈالنے کے لیے خود پہل کی۔ جو خود زیر دام آنا چاہتا ہو اسے تو بس اشارہ چاہیے۔ بھانجے کی دانست میں قبلہ ماموں حضور کی شرط بھی کوئی مشکل نہ تھی۔ اس شرط کی شقیں تھیں جیسی کہ ہوا کرتی ہیں' شرط ایک ہوتی ہے اور شقیں کئی' پہلی کہ بھانجے صاحب گھر داماد بن کر رہیں گے' دوسری کہ لونڈیا بہ دستور نوکری پر چڑھی رہے گی اور اپنی تنخواہ حسب معمول اپنی اماں کو لا کر دیا کرے گی۔ بھانجے' یعنی رشید نے فی الفور ہاں کر دی۔ اب مسئلہ نفیسہ کی ہاں کا تھا۔ سو بڑی بی نے اسے پٹی پڑھانا شروع کی۔ نفیسہ کو رشید دو آنکھوں تو کیا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا' مگر ماں باپ کے دباؤ میں آ کر اسے ہوں ہاں' کرنی ہی پڑی۔ قریب و دور کے رشتے دار جو باتیں بناتے رہتے تھے' وہ نفیسہ کے علم میں بھی تھیں۔ اس کے شادی نہ کرنے کے سبب والدین کی بڑی بدنامی ہو چکی تھی۔ لوگ منہ پر کہنے لگے تھے کہ اماں ابا اس لیے بیٹی کو نہیں بیاہتے کہ بھوکوں مر جائیں گے اور یہ کہ انہوں نے اپنی خاطر بیٹی کی جوانی برباد کر دی۔ لوگ باتیں تو بہت بناتے تھے لیکن کوئی نفیسہ کو قبول کرنے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ یہ بات خود نفیسہ کے علم میں بھی تھی۔ کچھ اس بدنامی سے بچنے کے لیے اور کچھ فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر نفیسہ آخر رشید کو اپنا جیون ساتھی بنانے پر راضی ہو ہی گئی۔ رشید کیسا بھی تھا مگر اسے چاہتا تو تھا۔ مرد تو تھا اور مرد کے بغیر عورت ادھوری ہوتی ہے۔ تو یوں مجبوراً" نفیسہ نے رشید کو قبول کر لیا۔ یہ ہے ساری کتھا کہانی! اب آپ فرمائیں کہ سچ اس مسئلے کے آپ کیا کہتے ہیں؟" یہ کہہ کر ہمزاد نے طویل سانس لیا اور میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"مجھے کچھ نہیں کہنا' تم جا سکتے ہو!" میں نے اس سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب!" وہ حیران ہو کر بولا۔

"مجھے تو بلوا بلوا کر تھکا مارا اور اب آخر میں ٹکا سا جواب دے دیا کہ جا سکتے ہو!"

"میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں' تم جاؤ۔" میری آواز تھکی تھکی اور بوجھل سی تھی۔

میں نے ہمزاد سے غلط نہیں کہا تھا۔ اس وقت میں واقعی تنہائی چاہتا تھا۔ ایسا عموماً" اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کو کوئی دھچکا لگتا ہے۔

ہمزاد نے میرے چہرے سے یقیناً میری دلی کیفیت کا اندازہ لگایا تھا اس لیے مزید نہیں رکا اور چلا گیا۔

خواب اور سراب! آدمی لاکھ چاہے ان سے دامن نہیں بچا سکتا۔ یہی کیفیت میری تھی۔ دراصل محرومیاں' خوابوں اور سرابوں کو جنم دیتی ہیں اور میں بھی زندگی کے ایک سکھ سے محروم تھا۔ میں نے مکان تو بہت دیکھے اور برتے تھے' مگر گھر نہیں۔ نفیسہ کو دیکھ کر بھی میری آنکھوں میں گھر کا خواب جاگ اٹھا تھا' کیا کوئی شرمیلی سی ایسی ہی لڑکی میرا گھر نہیں بسا سکتی؟ یہ سوال اس وقت لمحے بھر کو میرے ذہن میں ابھر کر معدوم ہو گیا تھا اور میں جلوہ حسن میں کھو گیا تھا' مگر اب سب کچھ جان لینے کے بعد نفیسہ کی چاہت مجھے کسی کے حق پر ڈاکا ڈالنے کے مترادف محسوس ہو رہی تھی۔ یہ عین ممکن تھا کہ نفیسہ کے والدین رشید کی جگہ مجھے قبول کر لیتے' اس پر مجھے ترجیح دیتے اور خود نفیسہ بھی ایسا ہی کرتی' لیکن یقیناً" یہ اس شخص کے ساتھ زیادتی ہوتی جو نفیسہ کا منگیتر تھا' یعنی رشید! ضروری تو نہیں کہ اس کا ظاہر جیسا تھا' باطن بھی ویسا ہی ہوتا۔

مختصراً یہ کہ نفیسہ بہرحال وہ لڑکی نہیں ہو سکتی تھی جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے اسی لیے اس کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور فیصلہ کیا کہ اب اس کی طرف نگاہ نہیں اٹھاؤں گا۔ یہاں میں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے اس فیصلے کا سبب نوجوانی میں نفیسہ کا اغوا نہیں تھا۔ اس پر جو کچھ گزری تھا۔ اس سلسلے میں وہ میرے نزدیک قطعی بے قصور تھی' اسے اس ناکردہ گناہی پر جو سزا ملی تھی' وہ بھی ظلم تھا۔ مجھے تو صرف نفیسہ کے والدین اور رشید کی محبت کا خیال تھا۔ ان حالات میں میرے لیے مصالحت یا منافقت قطعی ناممکن تھی۔ نہ میں گھر داماد بن کر رہ سکتا تھا' نہ نفیسہ کے والدین کی شرائط پوری کر سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ضمیر کو اس پر مطمئن کر سکتا تھا کہ اپنی قوت و سرمائے کے بل بوتے پر کسی کا دل توڑ دوں' کسی کی محبت چھین لوں' اپنا لوں' یہ خود غرضی میرے امکان میں نہیں تھی۔

اب صرف نفیسہ کا مسئلہ رہ جاتا تھا۔ اس نے وقتی طور پر حالات سے سمجھوتا تو کر لیا تھا مگر اس کا دل اس سمجھوتے کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس پر ابتدا ہی سے ظلم ہوا تھا اور یہ بھی بہرحال ظلم ہی ہوتا کہ اسے رشید کی یک طرفہ محبت کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا جیسا کہ مجھے ہمزاد سے معلوم ہوا تھا' نفیسہ اور رشید کا کوئی جوڑ نہیں تھا' ہاں حالات نے انہیں ضرور

مجبور کر دیا تھا جو وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب آ گئے تھے کہ انہیں جدا کرنا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ ایک ہو جائیں کہ جدا نہیں کیا! کسی نے جیسے میرے اندر سرگوشی کی اور غالباً" یہ میرا ضمیر ہی تھا۔

پھر خود میں بھی اپنے دل کو سمجھانے لگا کتنی شادیاں بے جوڑ ہو جاتی ہیں' کتنے دل دکھوں کی دھیمی دھیمی آنچ پر سلگتے رہتے ہیں! کس کا دل درد سے خالی ہے' کس کی روح اداس نہیں ہے! میں کس کس آنکھ میں جھانکوں گا' کس کس کی آس بندھاؤں گا!"

وہ سارا دن گویا انہی خیالوں میں بیت گیا۔ شام کو جب میں نچلی منزل پر تھا اور غسل خانے سے نہا کر نکل رہا تھا تو دروازے پر دستک سنائی دی۔

میں چونک اٹھا کیوں کہ وہاں میرا جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ پھر؟..... کون ہو سکتا ہے آنے والا؟ دستک پھر ہوئی۔

"اچھا!" میں نے بلند آواز میں کہا تا کہ دستک دینے والی شخصیت مطمئن ہو جائے۔ پھر میں صدر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ کھولتے ہی میری آنکھوں میں جیسے چکا چوند سی ہو گئی اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ شعلہ حسن کو خود سے اتنے قریب دیکھ کر وقتی طور پر میں گنگ سا ہو گیا۔

"آداب!" اس کا نازک سا ہاتھ ماتھے تک اٹھا اور مترنم آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو میں لمحہ حیرت کے حصار سے نکل آیا۔

میں نے بھی جواباً آداب کہا' پھر بولا۔ "فرمایئے۔!"

"آپ کو میری امی نے بلایا ہے۔" اس نے کہا۔ نام ہی کی طرح اس کے لہجے میں بڑی نفاست تھی۔

"مجھے!" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"جی ہاں..... دراصل وہ خود آتیں مگر ان کے گھٹنوں میں درد رہنے لگا ہے اس لیے وہ زیادہ اترتی چڑھتی نہیں ہیں۔"

"آپ اندر تو آئیں۔ اس طرح دروازے پر کھڑے ہو کر بات کرنا..... معاف کیجئے گا' کچھ معیوب سا لگتا ہے۔" میں نے اس کی سرخ پھولوں دار ساڑھی اور پھر کانوں میں پڑے ہوئے خوب صورت جھالوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں دانستہ اس کے حسین چہرے پر نگاہ ڈالنے سے گریز کر رہا تھا۔

"جی...... جی نہیں شکریہ! میں...... میں اب چلتی ہوں۔" وہ مڑنے لگی۔
"ٹھہریے!" میں نے اسے روکا۔
"جی۔" وہ رک گئی۔
"آپ کم از کم وجہ تو بتاتی جائیں کہ آپ کی امی کیوں بلا رہی ہیں مجھے؟"
"وجہ بھی معلوم ہو جائے گی' آپ آئیں تو!" وہ خفیف سی مسکرائی۔
"خیال نہ کیجئے گا' میں بغیر سبب جانے کسی اجنبی گھر میں جانا پسند نہیں کرتا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن وجہ بتانے کے لیے دراصل مجھے اندر آنے پر کوئی اعتراض نہیں...... مگر...... مگر آپ...... آپ اکیلے...... میرا مطلب ہے کہ گھر میں کوئی عورت...." وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہوئے کچھ ہچکچا رہی تھی۔
"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' مگر آپ کوئی بچی تو نہیں ہیں اور نہ ہی میں بچہ ہوں۔ پھر یہ کہ آپ تو پڑھی لکھی سمجھ دار خاتون ہیں۔ دفتر میں بھی آپ مردوں کے ساتھ ہی کام کرتی ہیں اور یہ بات آپ کے والدین بھی جانتے ہیں!"
میری اس بات کا وہی ردّ عمل ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ وہ چونک اٹھی اور پھر اپنی دراز پلکیں اٹھا کر حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "آپ...... کیا آپ کو...... آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ...... کہ میں کسی دفتر میں کام کرتی ہوں؟"
"مجھے تو آپ کے بارے میں اور بھی بہت کچھ معلوم ہے' اس ذکر کو چھوڑیں۔" میں نے کہا۔ "آپ تو یہ بتائیں کہ آپ کی امی کیوں بلا رہی ہیں مجھے؟"
"وہ...... وہ بات تو خیر عرض کر دوں گی' مگر آپ...... آپ اور...... اور کیا کیا جانتے ہیں میرے بارے میں؟" وہ پریشان سی نظر آنے لگی۔
یہ دیکھ کر میں نے اسے تسلی دی۔ "نہیں اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور نہ ہی یہ ایسی بات ہے کہ اس طرح دروازے پر کھڑے ہو کر کی جائے' بہرحال آپ کی مرضی کہ ......"
"ٹھہریے' میں ابھی امّی سے کہہ آتی ہوں۔" وہ پھر پلٹنے لگی۔
"ٹھیک ہے آ جایئے' میں انتظار کر رہا ہوں' ادھر نشست گاہ میں!" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "دروازہ آپ کو کھلا ہی ملے گا۔"
وہ مزید کچھ کہے بغیر تیزی سے گلی عبور کر کے سامنے والے دروازے میں داخل ہو گئی۔ اسی وقت میری نگاہ اوپر اٹھی۔ کھڑکی میں مجھے کسی کی جھلک نظر آئی وہ جو کوئی بھی تھا'

مجھے متوجہ پا کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرے اندازے کے مطابق یا تو وہ نفیسہ کا باپ تھا یا اس کی ماں! گھر میں ان دونوں کے سوا اور کون ہوتا! ان کی جوان بیٹی' ایک اجنبی اور تنہا مرد کے دروازے پر دستک دے رہی تھی اس لیے ان کا چوکنا رہنا قرین قیاس تھا۔
مجھے کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ نفیسہ کی واپسی میں کچھ دیر لگے گی۔ اس کے والدین آسانی سے اسے دوبارہ میرے گھر آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ یہی سوچ کر میں نے اپنے بال سنوارے' پھر اوپر جا کر لباس تبدیل کیا اور نیچے نشست گاہ میں پہنچ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ ہمزاد نے اب تقریباً" میری پوری شخصیت ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ جو لباس اس نے فراہم کیا تھا۔ اس میں اب پینٹیں اور شرٹیں بھی تھیں۔ اس سے پہلے میں نے کبھی یہ لباس نہیں پہنا تھا' لیکن اب مجھے یہ لباس برا نہیں لگتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے پینٹ اور شرٹ ہی پہنی تھی۔ دراصل لباس کا مقصد ستر پوشی ہے' ستر پوشی خواہ کسی بھی لباس سے کی جائے۔ شرط صرف اس کا پاک ہونا ہے۔ میں نے اسی لیے اس لباس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور اسے استعمال کرنے لگا تھا۔
نفیسہ کو واپسی میں واقعی دیر لگی۔ میں اس دوران میں یہ سوچتا رہا کہ آخر وہ لڑکی کس بہانے میرے قریب آنا چاہتی ہے؟ مگر کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکا۔ یہ تو سیدھی سی بات تھی کہ اس کی ماں کا بلاوا بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھا۔
میں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ نشست گاہ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں اس لیے وہ سیدھی وہیں چلی آئی' مگر دروازے پر آ کر رک گئی۔ وہ بڑی حیرت سے میری سجی سجائی نشست گاہ کو دیکھ رہی تھی۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور دیواروں پر خوب صورت اور مہنگے ریشمی کپڑے کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ بہترین صوفوں پر سے ایک پر میں بیٹھا تھا۔ اسے جھجکتے اور حیران ہوتے دیکھ کر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "تشریف لایئے!"
"جج...... جی!" وہ گڑبڑا کر بولی۔ "ذرا سینڈل اتار......" یہ کہہ کر وہ جھکنے لگی۔
"اس کی ضرورت نہیں' آ جایئے۔ میں بھی جوتے پہنے ہی بیٹھا ہوں۔"
اس کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا اور یقیناً" اس نے ایسی کوئی آراستہ نشست گاہ نہیں دیکھی ہو گی اور نہ اس میں گئی ہو گی اسی لیے وہ سینڈل باہر ہی اتارنے کو کہہ رہی تھی۔ بہرحال وہ دبیز قالین پر سنبھل سنبھل کر پاؤں رکھتی ہوئی قریب آ گئی۔ وہ بہت مرعوب و متاثر نظر آ رہی تھی۔
میں نے دانستہ سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تشریف

رکھیے!"

"شکریہ!" وہ اس طرف بڑھ گئی۔

میں اس کے مقابل والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ صوفے پر بیٹھنے کے بعد وہ کچھ دیر سہمی سہمی رہی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور دوسرا رنگ جاتا رہا۔

"جی اب فرمایئے نفیسہ خاتون!" میں نے دانستہ آغاز گفتگو کرتے ہوئے اسے کے نام سے مخاطب کیا۔

وہ کچھ اور سراسیمہ ہو گئی۔ بات بھی ایسی ہی تھی۔ ایک اجنبی مرد سے بغیر تعارف کے اپنا نام سن کر اسے حیران ہونا ہی چاہیے تھا۔ "آ..... آپ میرا..... میرا نام.....

"جی۔" میں مسکرایا۔ دراصل میں پہلی ہی ملاقات میں معاملہ ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خواب نہ جاگنے لگیں۔ "مجھے آپ ہی کا نام معلوم نہیں بلکہ آپ منگیتر کا نام بھی معلوم ہے۔ سچ بتایئے رشید نام ہے نہ اس کا؟"

کچھ دیر کو جیسے وہ سناٹے میں رہ گئی۔ مجھے یہی توقع بھی تھی۔

"پریشان نہ ہوں۔" میں نے اس کے اعصاب پر بوجھ محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا بلکہ میرے اپنے ذرائع ہیں۔ دراصل جہاں میں کچھ عرصے کے سکونت اختیار کرتا ہوں' پاس پڑوس کے متعلق پہلے ہی معلومات حاصل کرا لیتا ہوں' کون لوگ ہیں اور کیسے ہیں! میرے خیال میں یہ کوئی بری بات نہیں۔ پاس پڑوس کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔"

میری بات سن کر اس نے طویل سانس لیا۔ پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ..... آپ بہت پر اسرار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"آپ کہتی ہیں تو یقین کرنا ہی پڑے گا۔ ویسے میں ایسا ہوں نہیں۔" میں بھی مسکرا دیا' پھر بولا۔ "ہاں تو اب بتایئے آپ کی امی مجھے کیوں بلا رہی ہیں؟"

"دراصل ابھی..... ابھی آپ نے کہا تا کہ پاس پڑوس کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ یہی..... یہی بات تھی دراصل!" یہ کہہ کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

"معاف کیجئے گا میں سمجھا نہیں۔"

"امی کو معلوم ہوا تھا کہ آپ..... آپ اکیلے ہیں اور گھر میں کوئی عورت بھی نہیں۔" وہ رک رک کر کہنے لگی۔

"جی! تو پھر؟"

"وہ دیکھیے نا..... پاس پڑوس کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں نا!..... تو امی دراصل یہ چاہتی تھیں کہ..... کہ اگر آپ کو کھانے پینے کے لیے کوئی پریشانی ہو تو..... تو..... امی....."

"امی کا نام آپ بار بار لے رہی ہیں! یہ بتائیں کہ امی کو پڑوسی کے حقوق کا خیال آیا تھا پہلے' یا آپ؟" میں نے اس کے دل کا چور پکڑ لیا۔

"جی..... جی ہاں امی..... امی ہی کو خیال آیا تھا۔ انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ وہ پہلے رک رک کر اور پھر اپنی صفائی میں تیزی سے بولنے لگی۔

"کیوں' کیا آپ کو پڑوسیوں کا خیال نہیں آتا؟"

"آتا ہے' کیوں نہیں آتا!"

"پھر امی غریب ہی پر کیوں سارا بوجھ ڈال رہی ہیں!"

"دراصل پہلے انہوں نے ہی کہا تھا۔ پھر میں نے بھی تائید کر دی۔" وہ نظریں چرانے لگی۔

"اور آپ کے والد صاحب؟"

"وہ..... ابا جی..... دراصل ذرا ان معاملوں سے الگ تھلگ ہی رہتے ہیں۔"

"الگ تھلگ تو نہیں رہتے۔" میں نے پھر ایک ایسی بات کہہ دی کہ وہ گھبرا گئی "رشید سے آپ کے رشتے کا معاملہ انہوں نے ہی طے کیا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

اس نے مجھے خوف زدہ سی نظروں سے دیکھا۔ پھر قدرے بھاری آواز میں بولی۔ "آپ بار بار اس طرح رشید کا تذکرہ کر رہے ہیں جیسے اسے جانتے ہو' کہیں اس نے ہی تو....."

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔ نہ جانتا ہوں اسے!" میں بولا۔

"پھر آخر آپ کو اتنی تفصیلات کا علم کیسے ہو سکتا ہے!"

"بی بی! میں نے آپ سے عرض کیا نا کہ میرے اپنے ذرائع ہیں اور میں کسی بھی صورت کسی کو ان ذرائع کے بارے میں نہیں بتاتا۔ یہ میرا اصول ہے۔ آپ بھی پوچھیں گی تو میرا جواب انکار ہی ہو گا۔ سمجھ گئی ہوں گی غالباً" اب آپ!"

وہ اپنی ساڑھی کے پلو کو بار بار اپنی انگلی پر لپیٹ رہی تھی' کھول رہی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ذہنی الجھن میں گرفتار ہو چکی ہے۔

"اپنے ذرائع سے آپ نے اور کیا کیا معلوم کیا ہے ہمارے بارے میں؟" اس کی آواز میں ارتعاش تھا۔

"دیکھیں بی بی' آپ ہوں یا میں یا کوئی' حقائق سے چشم پوشی یا فرار ممکن نہیں۔"
میں نے بالواسطہ اسے سمجھنا شروع کیا اور یہی میرا مقصد تھا۔ "زندگی اپنے بہاؤ میں دکھوں او
سکھوں کی لہریں لیے آگے بڑھتی رہتی ہے۔ ہم آپ ان لہروں میں کسی بے بس تنکے کی طر
بہتے رہتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو زندگی کے بہاؤ کے خلاف ہاتھ پاؤں مار
کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ بھی پڑھی لکھی خاتون ہیں' غالباً میری بات کا ابلاغ آپ کو ہو
چاہیے۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جدوجہد اور کوشش کی بھی حدود مقرر ہیں' ان حدو
سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور ..... اور جس حد تک امکان میں ہو زندگی کے اس بہاؤ
مصالحت کر لینا چاہیے۔
سمجھیں آپ!"
"جی!"
اس نے اپنی جھکی ہوئی نظریں اٹھائیں' پھر وہ بھی بالواسطہ گفتگو کرنے لگی۔ "آ
درست کہہ رہے ہیں' لیکن جدوجہد کا حاصل سوائے تھکن کے کچھ نہ ہو اور جب تقدیر' آد
کو کھلونا سمجھ کر کھیلنے لگے تو کیا..... کیا آدمی سچ مچ تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائے!"
"آپ نے تقدیر کے جبر کی بات چھیڑ دی۔" میں بولا۔ "بے شک اس سے مفر نہیں
میں نے لفظ مصالحت استعمال کیا تھا اور آپ نے اسے کھلونا بن جانا کہا۔ یہ اپنے اپنے احساس
بات ہے۔ بہر حال تقدیر کے ستم اپنی جگہ لیکن حوصلہ ہار جانا بغاوت کرنا اس کا تدارک
نہیں ہے۔"
"پھر..... پھر کیا تدارک ہے اس کا؟" وہ نڈھال سی آواز میں بولی۔
"وہی جو میں نے عرض کیا' مصالحت!"
"اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو؟"
"ممکن کیا ہے اور ناممکن کیا' یہ آدمی کے اپنے رویے' ارادے اور عزم پر منحصر ہے
میرے خیال میں خاتون' ناممکن کچھ بھی نہیں ہوتا' بس ذرا جی کو مارنے اور دل کو سمجھا لینے
بات ہوتی ہے۔"
"آپ..... آپ شاید یہ کہہ سکتے ہیں اس لیے کہ ..... کہ آپ کو میرے دکھوں
....." اس کی آواز بھرا گئی اور وہ اپنی بات پوری نہ کر سکی۔
گفتگو کا رخ اب بالواسطہ سے براہ راست کی طرف مڑ رہا تھا' اس لیے میں نے کچھ
دیر کو دوسری بات چھیڑ دی تاکہ فضا بدل جائے۔ "دیکھئے' عجیب بات ہے کہ ابھی ہم دونوں

تعارف بھی نہیں ہوا اور ہم اس طرح گفتگو کر رہے ہیں جیسے برسوں کے شناسا ہوں۔ ہے نا
خاتون!" میں نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔
"آپ ..... آپ تو شاید بڑی ..... بڑی حد تک میرے بارے میں جان چکے ہیں۔ ہاں
میں ..... میں آپ کے نام ..... نام کے سوا کچھ ..... کچھ نہیں جانتی۔" وہ نظر جھکائے رک رک
کر کہنے لگی۔
"نام کس نے بتایا میرا؟" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔
"جن کا یہ مکان ہے' وہ عزیز ہیں ہمارے۔ کل ان ہی سے کچھ بات کرنے آئے تھے'
اب سنا تھا میں نے کہ انہوں نے اپنا مکان کسے کرائے پر دیا ہے!" اس نے جواب دیا۔
"اچھا تو یوں آپ کو میرا نام معلوم ہوا! آپ بھی مجھے بڑی پراسرار لگتی ہیں چپکے چپکے
میرا نام بھی معلوم کر لیا!" یہ کہہ کر میں دانستہ ہنسنے لگا تاکہ فضا کی کشیدگی کچھ کم ہو۔ میری بات
سن کر وہ بھی مسکرانے لگی۔
"جی نہیں' میں قطعی پراسرار نہیں ہوں آپ کی طرح کی بتاؤں ہی نہیں کس طرح نا
معلوم ہوا تھا!" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"ایک بات بتائیں بالکل سچ سچ!" میں نے فضا کو ہموار دیکھ کر کہا۔
"پوچھیں" اس نے مجھے ترچھی نظروں سے دیکھا اور اس وقت مجھے احساس ہوا کہ وہ
اتنی بھولی بھی نہیں ہے جتنا ظاہر کر رہی ہے۔ اس کو ان سارے حربوں کا علم تھا جن کے آگے
عموماً مرد ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔
ابھی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک تیز مردانہ آواز سنائی دی "کوئی ہے؟"
میں نے دیکھا کہ نفیسہ کا چہرہ ایک دم تاریک سا ہو گیا اور اس کے لبوں کو جنبش
ہوئی۔ اس نے یقیناً کچھ کہا تھا مگر آواز اتنی مدھم تھی کہ میں سن نہ سکا۔ اس سے میں نے یہ
اندازہ تو لگا ہی لیا کہ آنے والا نفیسہ کے لیے اجنبی نہیں ہے اور یہ کہ اسے آنے والے کی
مداخلت ناگوار ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ وہ کچھ گھبرا گئی ہے۔ میں اس کے چہرے پر نگاہ
ڈالتا ہوا اٹھا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ "ادھر تشریف لے آئیں۔"
صدر دروازہ کھلا ہوا تھا اور نشست گاہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لیے چند ہی لمحے
بعد وہ نووارد اس طرف آ گیا یقیناً" میری آواز نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ اسے نشست گاہ کے
دروازے سے اندر آتے دیکھ کر میں چونک اٹھا۔ آنے والا نفیسہ کا منگیتر رشید کے سوا کوئی
اور نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمزاد نے مجھے اس کا جو حلیہ بتایا تھا' وہ اس پر بالکل پورا اترتا تھا۔ پھر اس

سے پہلے کہ میں اسے مخاطب کرتا' وہ نفیسہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تمہیں امی بلا رہی ہیں۔"

"جاؤ کہہ دو ابھی آ رہی ہوں۔" نفیسہ نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ شاید اسے رنگ میں بھنگ پسند نہیں آیا تھا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے تمہیں یہاں اور......"

"نفیسہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بچی نہیں ہوں میں! معلوم ہے مجھے بھی! تم جاؤ۔"

"برادر عزیز! آپ بیٹھیں تو سہی!" میں نے پہلی بار اس "کارٹون" کو مخاطب کیا جو غالباً" خود کو "ہیرو آف دی سچویشن" سمجھ رہا تھا۔

"جی نہیں' شکریہ!" وہ منہ بنا کر بولا۔

"آپ شاید یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں آپ کی محبت پر ڈاکا ڈال رہا ہوں! تو ایسی بات نہیں۔ اگر آپ کو ایسی کوئی غلط فہمی ہے تو اپنے دل سے نکال دیں۔" یہ کہتے ہوئے میں صوفے پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اس کا منہ ایک بار حیرت سے کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

"ان پر شک نہ کیجئے گا۔" میں نے نفیسہ کی طرف اشارہ کیا۔ "انہوں نے مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا۔"

تاریک شیشوں کا بدنما سا چشمہ اس وقت بھی اس کی آنکھوں پر لگا ہوا تھا۔ پینٹ پہننے کا شوق تھا مگر اسے اپنی پھولی ہوئی توند نظر نہیں آتی تھی۔ اگر وہ ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتا تو اس قدر "کارٹون" تو نظر نہ آتا۔ خوب صورت عورتوں کے مردوں یا منگیتروں کی اپنی نفسیات ہوتی ہے۔ عموماً" وہ احساس کمتری کا شکار رہتے ہیں۔ رشید کا معاملہ بھی ایسا ہی لگتا تھا۔ چند لمحے حیران پریشان رہ کر اس نے میری بجائے نفیسہ کو مخاطب کیا۔ "چل رہی ہو یا جاؤں؟"

"جاؤ!" نفیسہ نے گویا دو ٹوک جواب دے دیا۔

"ٹھیک ہے' میں امی سے کہہ دیتا ہوں کہ تم نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔" اس کا لہجہ بالکل بچوں کا سا تھا۔

"اور یہ بھی کہہ دینا کہ میں نے تمہاری ٹافی بھی چھین لی ہے!" میں کوشش کے باوجود فقرہ کہنے سے باز نہ رہ سکا۔ نفیسہ میری برجستگی پر مسکرا دی۔

"کیا؟" اس کے بے سُری آواز نسبتاً" بلند ہو گئی۔ یقیناً" نفیسہ کو مسکراتے دیکھ

کر اس کے مزید پتنگے لگ گئے ہوں گے۔ "آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں!" اس کا انداز جواب طلبی کا سا تھا۔"

"اڑانے کے لیے اور بہت سی چیزیں ہیں برخوردار مثلاً" پتنگ!" میں نے ہنس کر کہا۔ "تم فکر نہ کرو تمہاری پتنگ نہیں کٹے گی۔"

"مجھے برخوردار کہہ رہے ہو!...... میں برخوردار نظر آ رہا ہوں تمہیں!

"ہاں ہو تو برخوردار ہی! توند پھلا لینے سے آدمی بالغ نہیں ہو جاتا۔"

"ٹھیک ہے' دیکھ لوں گا تمہیں بھی! میرا بھی نام رشید ہے!" یہ کہہ وہ ہو مڑنے لگا۔

"کیوں' کیا ابھی دیکھا نہیں!"

"سب معلوم ہو جائے گا تمہیں! تم شاید اپنے پیسے پر اینٹھ رہے ہو گے! تو پیسا ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔" یہ کہتا ہوا وہ تیر کی طرح نشست گاہ سے نکل گیا۔

"آپ کا منگیتر ماشاء اللہ خاصا نامعقول ہے!" میں نے یہ جملہ اس طرح ادا کیا جیسے تعریف مقصود ہو۔ ظاہر ہے کہ میری مخاطب نفیسہ ہی تھی۔

میں نے نفیسہ کے ہونٹوں پر تبسم دیکھا' مگر وہ بولی کچھ نہیں

"ایسا کریں خاتون کہ اب آپ بھی جائیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کے گھر میں کوئی بدمزگی پیدا ہو۔ معلوم نہیں وہ آپ کا منگیتر جا کر کیا لگائی بجھائی کرے۔ پھر کبھی آ جایئے گا۔ میں عموماً" گھر ہی پر ہوتا ہوں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ!" اس نے میری تائید میں کہا۔ "کل چھٹی ہے میری' کل آؤں گی کسی وقت!"

"مگر اپنے اماں' ابا کو میری طرف سے مطمئن کر کے کہ میں کوئی آوارہ یا بدقماش آدمی نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔ "باقی باتیں کل کریں گے۔"

وہ اپنی ساڑھی سنبھالتی ہوئی اٹھی اور جاتے جاتے ایک بار پھر مجھے اپنے حسن کا احساس دلا گئی۔ اس نے اپنی ساڑھی کا پلو ایک مخصوص انداز میں کاندھے پر ڈالا تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہیں "ٹیں" ہو جاتا مگر اب میں خاصا "واٹر پروف" ہو چکا تھا۔

نفیسہ چلی گئی تو میں صدر دروازہ بند کر کے اوپری منزل پر آ گیا۔ کہیں آنا جانا تو تھا نہیں اس لیے میں نے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن لیے۔ یوں بھی پینٹ پہن کر نماز پڑھتے ہوئے مجھے ذرا قباحت محسوس ہوتی تھی اور اب مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ عصر کی نماز میں سو کر اٹھنے سے پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ جب سے میں نے نماز شروع کی تھی اللہ کے فضل سے کوئی قضا نہیں

ہوئی تھی' ہاں یہ ضرور تھا کہ باجماعت نہیں پڑھ پاتا تھا حالانکہ اس کا ثواب زیادہ ہے۔

"مغرب کی نماز پڑھ کر چائے پینے کو جی چاہا تو میں نے ہمزاد کو طلب کر لیا۔ اس نے چند ہی لمحوں میں میری خواہش کی تکمیل کر دی۔ چائے کے ساتھ ہی وہ پھل وغیرہ بھی لے آیا تھا۔

"تم شاید رات کا کھانا لانے سے جان چھڑانا چاہتے ہو!" میں نے پھلوں کی ٹرے اپنی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"ایسے کہ ڈھیر سارے پھل لا کر رکھ دیے! بندے کا پیٹ بھر جائے گا تو پھر رات تنگ نہیں کرے گا۔"

جواباً" وہ ہنسنے لگا' پھر بولا۔ "مل گئیں آخر وہ؟"

"کون؟" میں نے دانستہ انجان بنتے ہوئے کہا۔

"وہی جو صوفے سے چپک گئی تھیں اور کسی طرح جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں' یعنی نفیسہ خاتون!"

"اچھا تو بدبخت' تم میری ٹوہ میں رہتے ہو!"

"تو کیا غافل رہوں آپ کی طرف سے! کیا اس رقیب روسیاہ شمبھو کو آپ بھول گئے۔ اس خبیث سے کیا بعید ہے' کب سنک جائے!"

"ہاں یہ تو ہے!" میں نے سر ہلایا' پھر کہا۔ "تو آس بہانے جناب میری نظروں سے چھپ کر آس پاس منڈلا رہے تھے!"

"ظاہر تو اس وقت ہوتا جب آپ طلب کرتے!" اس نے گویا اپنی صفائی پیش کی۔

"ہاں وہ دھمکی سنی تھی تم نے اس کمبخت کی؟ میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"نفیسہ کے منگیتر کی بات کر رہے ہیں؟"

"ہاں۔"

"چڑچڑاتی ہے چھوڑیں۔"

"تو میں کب اسے پکڑے بیٹھا ہوں!" میں تو بتا رہا تھا تمہیں کہ کیسے کیسے پڑے ہیں اس دنیا میں!"

"اس پر لعنت پڑھیں اور بتائیں کہ کچھ سوچا؟" ہمزاد بولا۔

"کس سلسلے میں؟"

"اچھا تو اب سلسلہ بھی بتانا پڑے گا!"

"کیوں' کیا الہام ہوتا ہے مجھے؟"

"شمبھو کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" ہمزاد نے کہا۔

"ابھی قطعی طور پر تو کوئی بات نہیں آئی ذہن میں!..... پھر بھی فی الحال ان خطوط پر آگے بڑھا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے اس طرح کامیابی کی کوئی صورت نظر آ جائے یا امکانی جدوجہد کی جا سکے۔ تم آج کم از کم ایک بات کا اندازہ لگا ہی سکتے ہو' لیکن ....." میں کچھ کہتے کہتے رک گیا کیوں کہ میری ذہن میں فوراً" ہی ایک خطرہ سر ابھارنے لگا تھا۔

"چپ کیوں ہو گئے آپ؟" ہمزاد بول اٹھا۔ اب وہ مجھے سنجیدہ دیکھ کر خود بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ میں اس طرح بھی خبیث چوکنا ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر کس طرح؟ کچھ بتائیں تو سہی کہ آپ نے کیا سوچا ہے؟" ہمزاد نے پوچھا۔

"میں چاہتا تھا کہ تم اس مکان کے گرد ناقابل شکست حصار کھینچ کر دیکھو جہاں شمبھو کی رہائش ہے۔ پھر تم یہ جائزہ لو کہ شمبھو اپنی پُراسرار قوتوں سے کام لے کر اس حصار کو توڑنے کی قدرت رکھتا ہے یا نہیں!" میں نے آج دوپہر ظہر کی نماز پڑھنے اور سونے سے پہلے جو کچھ سوچا تھا' ہمزاد کو بتانے لگا۔ "مگر اب یہ خیال ذہن میں آ رہا ہے کہ کہیں ایسا کرنے سے وہ چوکنا نہ ہو جائے! تم بتاؤ' تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے میں؟"

"یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔" ہمزاد کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ "علم اور لاعلمی کا انحصار اس کی قوتوں پر ہے اور اس بات پر بھی کہ آیا وہ آپ کی طرف سے ہوشیار ہے یا نہیں' گویا دونوں ہی احتمالات ہیں' یعنی وہ حصار کھینچے جانے سے آگاہ بھی ہو سکتا ہے اور بے خبر بھی رہ سکتا ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" میں نے سوال کیا۔

"جو بھی قدم اٹھایا جائے گا' اس میں خطرہ تو بہرحال مول لینا ہی پڑے گا۔ ویسے میرے خیال میں یہ تجویز مناسب تھی۔" ہمزاد نے اپنی رائے دی۔ "اس طرح کی قوتوں کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔ پھر ہمیں اس سے نمٹنے میں آسانی رہے گی۔"

"اس کے چوکنا ہونے کی صورت میں بس یہ خطرہ ہے کہ وہ دوبارہ سریتا کو لے کر فرار ہو جائے۔ نتیجتہ" ہمیں پھر اس کے تعاقب میں کسی اور شہر کی رخ کرنا پڑے گا۔" میں

بولا۔

"اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ جوابی حملہ بھی کر سکتا ہے!" ہمزاد نے کہا۔

"خیر وہ تو جو بھی ہو گا بھگتنا پڑے گا۔ فی الحال تو اس بات پر غور کرنا ہے کہ یہ قدم اٹھایا بھی جائے یا نہیں! وجہ سوچنے کی یہ کہ ممکن ہے' کوئی اور بہتر صورت نکل آئے۔ آدمی جتنا سوچتا ہے' اتنے ہی بہتر امکانات سامنے آتے جاتے ہیں۔ تمہارا مشورہ اس تجویز کے حق میں ہے اس لیے آج شب اس عمل کر کے دیکھ لو۔ یہ خیال اس لیے میرے ذہن میں آیا کہ اس طرح کم از کم اس کے فرار کی راہ تو مسدود ہو ہی جائے گی۔ پھر وہ گھر گیا تو شاید آسانی سے قبضے میں آ جائے۔"

میرے اس خیال سے بھی ہمزاد نے مکمل اتفاق کیا اور بولا۔ "اگر وہ اس قدر طاقت ور ہو تا کہ جوابی حملہ کر کے مجھے زیر کر لے تو وہ نرائن گنج سے فرار نہ ہو تا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسے کسی نہ کسی حد تک میری طرف سے خطرے کا احساس ہے۔ راہ فرار اسی وقت اختیار کی جاتی ہے جب مقابلے کی طاقت نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر اس کے فرار کی راہ مسدود کر دی گئی تو کامیابی کا امکان ہے۔ آپ نے ٹھیک ہی سوچا ہے۔"

"تو پھر آج رات تم اس تجویز پر عمل کر کے دیکھ لو۔ مگر فی الحال فوری طور پر اس سے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے تاکید کی۔ "تم کوئی ایسی ترکیب کرنا کہ حصار کھینچ کر وہاں سے دور ہٹ جاؤ اور دور رہ کر یہ جائزہ لو کہ وہ اس حصار سے باہر نکلنے کا اہل ہے یا نہیں۔ تم وہاں سے دور ہو گے تو شاید اس کا دھیان تمہاری طرف نہیں جائے گا۔ اگر وہ محصور ہو جائے اور حصار سے نکل نہ سکے تو پھر تم حصار اٹھا کر میرے پاس چلے آنا۔"

"لیکن اس تجربے کے لیے رات سے زیادہ دن کا وقت موزوں ہے۔" ہمزاد نے اپنے خیال کا اظہار کیا' پھر وضاحت کرنے لگا۔ "دن کے وقت تو وہ کسی ضرورت سے باہر بھی جا سکتا ہے' مگر رات کو یہ امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"اس پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ تم اسے گھر سے باہر نکالنے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر ہی لو گے۔" میں نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی۔

"یہ تو خیر ممکن تھا' لیکن بات وہی ہے کہ وہ اس طرح ہوشیار ہو جائے گا۔ اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا جائے یا وہ خود نکلے' ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر دن سہی!" میں نے ہمزاد کی بات مان لی۔ "تم کل دن کے وقت یہ تجربہ کو لو۔ دن بھر اور کسی وقت تو گھر سے نکلے گا ہی وہ!"

"ٹھیک ہے' آپ مجھے وہاں دہاڑی سے لگا کر مسمات نفیسہ بیگم کا دکھ بانٹنے کی کوشش کیجیے گا۔" ہمزاد پھر شرارت پر اتر آیا۔ "وہ خاتون' یعنی کہ مسمات واقعی ہمدردی کی مستحق ہیں۔"

"کیا اب میں تمہیں یہ حکم دوں کہ دال سے نے مین ہو جاؤ یا تم خود ہی ..." میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اگر آپ حکم دیں گے تو مجبوری ہے ورنہ ......"

"ورنہ کیا کرو گے؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"یہی کہ دال سے نے مین ہو جاؤں گا۔" وہ روتی صورت بنا کر بولا۔

"عمل جان عزیز عمل! صرف جوتے بنانے سے کچھ نہیں ہوتا!"

"یعنی کہ میں واقعی چلا جاؤں؟ وہ میرا اشارہ سمجھ گیا

"ہاں واقعی!"

"تو پھر میں گیا!" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ غائب ہو گیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح ہمزاد مجھے ناشتا کرا کے گیا ہی تھا کہ نیچے صدر دروازے پر دستک ہونے لگی۔ مجھے اس قدر جلد نفیسہ کے آنے کی توقع نہیں تھی کیوں کہ ابھی صبح کے پونے سات ہی بجے تھے۔ پھر بھی میں نے یہی سوچا کہ ممکن ہے' وہ بھی میری طرح صبح جلدی اٹھتی ہو اور مجھ سے ملنے کی بے تابی اسے کھینچ لائی ہو۔ کمرے سے نکلتے نکلتے جانے کیوں مجھے خیال آیا کہ برابر والے کمرے کی کھڑکی سے نیچے جھانک کر دیکھ لوں۔ دستک پھر ہوئی۔ میں تیزی سے برابر والے کمرے میں داخل ہوا اور آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ جلد بازی کے سبب میں یہ خیال نہ رکھ سکا کہ کھڑکی کھولنے کی آواز نہ ہو۔ بہر حال میں نے نیچے جھانک کر دیکھا تو دو اجنبی افراد کو صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں اوپر ہی دیکھ رہے تھے۔ غالباً انہیں کھڑکی کھلنے کی آواز نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ وہ دونوں ہی خاصے بنے کٹے نظر آتے تھے اور چہروں سے بھلے آدمی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ معاً میرے ذہن میں نفیسہ کے منگیتر رشید کی دھمکی گونجی اور میں نے سوچا' کہیں یہ لوگ اسی کے بھیجے ہوئے تو نہیں؟ مگر اس سے زیادہ میں کچھ نہ سوچ سکا کیوں کہ ان میں سے ایک نے مجھے مخاطب کر لیا تھا۔

"ذرا نیچے آئیے' آپ سے ایک ضروری کام ہے۔"

"آتا ہوں ابھی!" میں یہ کہہ کر کھڑکی سے ہٹ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں' ہمزاد کو طلب کر چکا تھا۔

"دیکھو جا کر کون ذات شریف ہیں!" میں نے اسے حکم دیا۔ "صورت سے تو غنڈے ہی لگتے ہیں۔"

ہمزاد نے فوراً" ہی اپنے وجود کی تجسیم کر لی۔ اب کمرے میں گویا دو شیخ کرامت نظر آ رہے تھے۔ مجھے اس موقع پر ایک شرارت سوجھی۔

"ٹھہرو!" میں نے ہمزاد کو روک لیا۔ "اگر یہ گنڈے ہی ہیں جیسا کہ میرا قیاس ہے اور انہیں رشید ہی نے میری "اوور ہالنگ" کے لیے بھیجا ہے تو ان کے لیے سزا ضروری ہے تاکہ آئندہ کسی شریف آدمی کو تنگ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ نیچے چلتے ہیں۔"

معلوم نہیں ہمزاد میری شرارت کو سمجھا یا نہیں لیکن وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔" نیچے پہنچ کر میرے اشارے پر دروزہ ہمزاد ہی نے کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں تیزی کے ساتھ بغیر کچھ دیکھے اندر گھس آئے۔

"دروازہ بند کر دو یار نمبرا!" میں نے ہمزاد کو حکم دیا۔ "شکار خود ہی جال میں پھنس گیا ہے۔"

وہ دونوں مجھ پر نظر پڑتے ہی ایک دم ٹھٹک گئے اور فوراً" ہی مڑ کر ہمزاد کی طرف دیکھا جو دروازہ بند کر کے وہیں کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ اچانک ان دونوں کو جانے کیا سوجھی کہ اپنی اپنی پینٹوں کی جیب سے کھٹکے دار چاقو نکال کر کھول لیے، پھر ان میں سے ایک غرایا۔ "ہمیں شکار کہہ رہے تھے تم!" "ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کون شکار ہے، کون شکاری!"

اب اس میں شک کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ غنڈے ہیں اور انہیں بھیجنے والا رشید ہی ہو سکتا ہے۔ رشید کے سوا یہ حماقت کسی اور سے متوقع نہیں تھی۔ وہی گذشتہ روز مجھے دھمکی دے کر گیا تھا، مگر اتنی جلدی رقابت کی آگ اسے یہ احمقانہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دے گی، اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ اس نتیجے تک پہنچنے میں مجھے صرف چند لمحے لگے۔

"کتنے پیسے دیے ہیں رشید نے تمہیں اس کار خیر کے لیے؟" میں نے "کار خیر" پر زور دیتے ہوئے کہا۔ مگر میرا طنز شاید اس جاہل کے سر سے گزر گیا۔

"ہم کسی رشید وشید کو نہیں جانتے!" ان میں سے ایک چاقو لہراتے ہوئے بولا۔

"اچھا تو تم اپنے کاروبار میں رازداری برتنے کے بھی قائل ہو۔" میں نے پر سکون آواز میں کہا حالانکہ ان میں سے ایک کھلا ہوا چاقو ہاتھ میں تھامے مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہمزاد میرے اشارے پر ابھی تک دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا کیوں کہ بات میں ہی کر رہا تھا

اس لیے وہ دونوں میری ہی طرف متوجہ تھے۔

"زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں لونڈے!" میرے قریب والے نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ہرچند کہ وہ چالیس سے اوپر لگتا تھا، پھر بھی اسے مجھ ایسے "جوان جہان" کو "لونڈے" کہنے کا حق نہیں تھا۔

"یار کیوں ڈرا رہے ہو!" میں اسے "رگڑنے" کے لیے بولا۔ "میں تو تمہاری تعریف کر رہا تھا کہ تم بہت بااصول آدمی ہو۔ دراصل مجھے تو بس پیسوں کے بارے میں پوچھنا تھا، رشید کا نام تو یونہی زبان پر آ گیا۔ میں نے سوچا، جتنے پیسے اس نے دے کر تمہیں یہاں میری مار کٹائی کے لیے بھیجا ہے، اس سے دگنے پیسے دے کر اس کی گھڑنت کرا دوں۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

"ابھی تو تم ہمیں شکار کہہ رہے تھے! اب موت کو سامنے دیکھ کر ہوا نکل گئی!" وہ برف خانے کے چمار کی طرح اینٹھ گیا۔ "پہلے میں نے سوچا تھا کہ دو چار ہاتھ جڑ کر اور بس چند گھونسے اور لاتیں مار کر روزی حلال کر لوں گا، مگر اب..... اب ایسا نہیں ہو سکتا! تم نے توہین کی ہے میری! میں تمہاری آنتیں باہر کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا تمہیں!"

"کچھ لے دے کر کام نہیں چل سکتا؟" میں نے عاجزی سے کہا۔

"ہرگز نہیں!" اس نے بلند آواز میں انکار کر کے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ "تو اسے سنبھال جو ادھر دروازے کے پاس چوہا بنا کھڑا ہے، اسے میں ابھی زمین چٹواتا ہوں!" وہ اپنی خرم خانی میں شاید اس بات کو نظر انداز کر بیٹھا تھا کہ وہاں ایک ہی شکل، حلیے اور قد و قامت کے دو افراد موجود ہیں۔ اس نے اس بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ وہ تو بس یہ سن کر مڑک گیا تھا کہ اسے شکار کہا گیا ہے۔

"ٹھیک ہے پیارے بھائی، تم میری آنتیں ضرور باہر کر دینا، مگر اصل آدمی میں نہیں ہوں جس کی ٹھکائی کے لیے تمہیں بھیجا گیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے اس سے تمہارا؟" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ "کچھ بھی کہو، چھوڑوں گا نہیں میں!"

"مجھ غریب کو ناحق کیوں پکڑنا چاہتے ہو! میں تو دوست ہوں شیخ کرامت صاحب کا!" میں گڑگڑانے لگا۔ "شیخ صاحب تو وہ دروازے کے پاس کھڑے ہیں۔"

"مگر بیٹا جی، شکار تو ہمیں تمہی نے کہا تھا! پھر رشید کا نام بھی تمہاری زبان ہی سے نکلا۔ بلخ کے بچوں کو تیرنا سکھا رہے ہو!"

"کمال ہو گیا پیارے بھائی! میں تو تمہیں آدمی کا بچہ سمجھ رہا تھا اور تم بلخ کی اولاد نکلے!"

"کیا کہا؟" وہ گلا پھاڑ کر چیخا۔ "ابھی بتاتا ہوں۔" اسی کے ساتھ وہ چاقو لہراتا ہوا مجھ پر جھپٹا۔

دوسرے ہی لمحے ہمزاد حرکت میں آچکا تھا۔ اس نے مجھ پر چاقو سے وار کرنے والے سے چاقو چھین کر اسے ایک طرف دھکیل دیا' پھر دوسرے پھنے خان کے ہاتھ میں بھی چاقو نہ رہنے دیا۔

"اب تم دونوں ایک دوسرے کی خاطر مدارت کرو گے! چلو جلدی!" ہمزاد نے انہیں حکم دیا۔

وہ دونوں مشینی انداز میں ایک دوسرے کی طرف لپکے' میں سمجھ چکا تھا کہ ان دونوں کے ذہن اب ہمزاد کے قابو میں ہیں اور یہ بھی کہ وہ ہمزاد کا ہر حکم ماننے پر مجبور ہیں۔

میں نے انہیں ایک دوسرے پر گھونسے برساتے دیکھا۔ وہ بڑے پرجوش انداز میں بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو رہے تھے۔

"تم اسی طرح لڑتے ہوئے اس گھر سے نکل جاؤ! تم اس وقت تک لڑتے رہو گے جب تک کہ کوئی ایک گر نہ جائے!" ہمزاد نے دوسرا حکم دیا اور اسی کے ساتھ گھر کا دروازہ کھول دیا۔

چند ہی لمحے بعد وہ دونوں غنڈے لڑتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے۔ ان کے لیے یہ سزا بہرحال کم نہیں تھی میرے اشارے پر ہمزاد نے دروازہ بند کر دیا اور پھر دوسرا اشارہ پا کر فوراً" غائب ہو گیا۔ دراصل مجھے اور اسے دونوں ہی کو شمبھو کی فکر تھی۔ اگر یہ ناخوش گوار واقعہ پیش نہ آتا تو میں اسے طلب کرنے سے گریز کرتا۔

باہر گلی میں شور ہو رہا تھا۔ غالباً" ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھ کر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ شور کی آوازیں میرے گھر میں بھی آ رہی تھیں۔ میں ان آوازوں کو نظر انداز کرتا ہوا اوپری منزل پر آگیا۔ اوپر آکر مجھے خیال آیا کہ شاید نفیسہ بھی اپنی کھڑکی میں کھڑی ہوئی یہ سنسنی خیز منظر دیکھ رہی ہو گی۔ یہ سوچ کر میں نے اس کمرے کا رخ کیا جس کی کھڑکی سے یہ گلی کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔

کھڑکی کے قریب پہنچتے ہی میری پہلی نظر رشید پر پڑی جو سامنے ہی نفیسہ کے گھر کی کھڑکی کھولے نیچے دیکھ رہا تھا۔ میں اسے دیکھ کر چونک اٹھا اور سوچا' تو یہ "ذات شریف" یقیناً" اسی لیے صبح ہی صبح یہاں براجمان ہیں کہ میری رسوائی کا تماشا دیکھ سکیں۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ رشید کے برابر نفیسہ کھڑی تھی اور وہ بھی حیرت زدہ چہرہ لیے یہ

گلی کا منظر دیکھنے میں محو تھی۔ وہ شاید ابھی کچھ دیر پہلے نہا کر آئی تھی اس لیے کہ سیاہ ریشمی زلفیں اس کے شانوں پر بکھری ہوئی تھیں اور چہرہ کسی ایسے گلاب کی طرح معلوم ہو رہا تھا جسے شبنم نے دھویا ہو۔ مجھے گلی کے منظر سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اس لیے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ میں دانستہ کھڑکی کے قریب نہیں گیا کہ انہیں وہاں میری موجودگی کا احساس نہ ہو' مگر اس کے باوجود نا جانے کس طرح نفیسہ نے میری چلتی نگاہ کو محسوس کر لیا۔ اس کی نگاہ اٹھی اور پھر اٹھی ہی رہ گئی۔ میں نے سر کے خفیف اشارے سے اسے سلام کیا۔ جواباً اس کا سر بھی تھوڑا سا جھکا اور پھر دایاں ہاتھ آہستہ سے ماتھے کی طرف اٹھایا تو نفیسہ کا اٹھا ہوا ہاتھ رشید کے شانے سے چھو گیا یا پھر اس نے کسی طرح یہ محسوس کر لیا کہ نفیسہ اب گلی کے منظر کی طرف متوجہ نہیں' بہرحال وہ بھی ایک دم چونک کر سامنے دیکھنے لگا

میں نے رشید کو تپانے کے لیے دانستہ اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجالی۔ رشید کا چہرہ یوں ہی دھواں دھواں ہو رہا تھا' میری اس حرکت سے وہ کچھ اور بھی سٹپٹا گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ مڑ کر تیزی کے ساتھ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ اسی وقت گلی میں "پولیس پولیس" کا شور سنائی دیا۔ میں نے آگے بڑھ کر کھڑکی سے نیچے دیکھا۔ دو تین پولیس والے گلی کی بائیں جانب سے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ پھر میری نگاہ ان غنڈوں پر پڑی جن کے چہرے لہولہان ہو رہے تھے۔ ان میں ایک جھومتا ہوا گر رہا تھا اور دوسرا اچھل کر اس کے چہرے پر لات مار رہا تھا۔ گویا پولیس والے ادھر نہ بھی آتے تو اب "دی اینڈ" ہونے والا تھا۔ تو کسی نے پولیس کو مطلع کر دیا تھا یا پھر خود کسی طرح اسے ہنگامے کی خبر لگ گئی تھی۔

جس غنڈے نے مار مار کر اپنے ساتھی کو زمین پر گرا دیا تھا' خود اس کی حالت بھی قابل رحم تھی۔ غالباً" اسی لیے پولیس والوں کو آتا دیکھ کر بھی اس نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اس میں اتنی جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔ نتیجتہ" ان دونوں کو نیم بے ہوشی کی سی حالت میں پولیس والوں نے "پکڑ" لیا' پھر گھسیٹتے ہوئے وہاں سے لے گئے۔ انہوں نے کسی گواہی یا تفتیش کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی' اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ' ان دونوں کی "نیک نامی" سے واقف رہے ہوں گے۔

غنڈوں اور پولیس والوں کے جاتے ہی لوگ کونے کھدروں سے نکل آئے اور واقعے پر "رننگ کمنٹری" نشر کرنے لگے۔ اس دوران میں نفیسہ کو کسی نے آواز دی اور وہ پلٹ کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔ آواز نسوانی تھی' اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا کہ نفیسہ کی ماں ہو گی۔ نیچے گلی میں لوگوں کی "کمنٹری" سے میں نے گویا ان دونوں غنڈوں کا "شجرہ

نسب" جان لیا محمد پور پر گویا انہی دونوں کا راج تھا اور یہ کہ وہ دونوں جگری یار مشہور تھے اور شاید اسی لیے بڑی بے جگری سے لڑتے تھے۔ شریف لوگ ان سے تنگ اور ذلیل خوش رہتے تھے۔ آج ان دونوں کے جھگڑے نے ایک طرف تو لوگوں کی حیرت میں مبتلا کر دیا تھا' دوسری طرف وہ خوش بھی تھے کہ چلو اب آپس میں کھٹک گئی ہے' اس طرح ان سے جان چھوٹ جائے گی۔

میں کھڑکی سے ہٹ آیا اور پھر اپنی خواب گاہ میں آ کر بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ رشید غریب نے یقیناً" مفت ان کی خدمات حاصل نہیں کی ہوں گی۔ ان غنڈوں نے اسے خاصا" چھیلا" ہو گا جبھی یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا ہو گا۔ ممکن ہے وہ دونوں رشید کی پوری تنخواہ "ٹیل" گئے ہوں' یہ سوچ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ غصہ تو مجھے ناہنجار رشید پر بھی آ رہا تھا لیکن اس کے اظہار کی خاطر میں نے وہ وقت مناسب نہ سمجھا۔ اصل قصوروار وہ غنڈے نہیں رشید تھا کیوں کہ ان کا تو دھندا ہی یہی تھا۔ رشید خود اپنی آنکھوں سے مجھے صحیح سلامت دیکھ چکا تھا' اس سے وہ اور بھی جل بھن رہا ہو گا کہ دھوتی کی ناک میں لنگوٹی بھی چلی گئی تھی' یعنی ایک طرف تو میری "مرمت" نہیں ہو سکی تھی' دوسری جانب اس کی جیب بھی ہلکی ہو گئی تھی۔

کوئی نصف گھنٹہ اور گزرا ہو گا کہ وہ غارت گر ہوش آ ہی گیا جس کے آنے کی توقع تھی۔ میں نے گذشتہ روز کی طرح اسے نشست گاہ میں بٹھانا چاہا تو کہنے لگی۔ "کیوں' کیا آپ اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتے مجھے؟ یہ کمرا تو دیکھ لیا ہے۔ آپ نے اسے بہت خوب صورت سجا رکھا ہے' یقیناً" وہ کمرا اس سے کہیں زیادہ اچھا ہو گا جہاں آپ سوتے ہوں گے۔" اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔ "آپ کا ذوق بہت اچھا ہے۔"

"شکریہ خاتون!" میں نے کہا۔ "دراصل میں اس لیے اوپری ہی منزل پر آپ کو نہیں لے جا رہا تھا کہ پھر گھر کا دروازہ بند کرنا پڑے گا۔"

"تو کیا ہوا' بند کر دیجئے۔" وہ بولی۔

میں اور وہ دونوں ہی ابھی تک نشست گاہ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ میں اس کی بات سن کر مسکرا دیا' پھر کہا۔ "کل تو آپ گھر میں آتے ہوئے جھجک رہی تھیں اور آج خود دروازہ بند کرنے کو کہہ رہی ہیں! ایک ہی دن میں آپ نے مجھ پر اتنا اعتماد کیسے کر لیا؟"

"بس کر لیا!" وہ ایک ادا سے بولی۔ "کسی کو ایک لمحے میں بھی سمجھا جا سکتا ہے اور اسے خود سے قریب محسوس کیا جا سکتا ہے اور کوئی عمر بھر ساتھ رہ کر بھی اجنبی ہو سکتا ہے!"

"سبحان اللہ!" میں ہنس دیا۔ "آپ تو بڑے زبردست مکالمے بول لیتی ہیں۔"

"مذاق نہ اڑائیے میرا" میں گیا اور میرے مکالمے کیا!" وہ کچھ اداس سی ہو گئی۔

کچھ دیر بعد ہی اوپری منزل پر وہ میری خواب گاہ میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کا اندازہ میں نے اس کے چہرے سے لگایا کہ خواب گاہ کی آرائش نے بھی اسے متاثر کیا ہے۔ خواب گاہ میں ایک جانب دو کرسیاں بھی پڑی تھیں اور ان کے درمیان چھوٹی سی خوب صورت میز بھی تھی۔

"آئیے یہاں بیٹھتے ہیں۔" میں اس طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"آپ یقیناً" کوئی سرمائے دار معلوم ہوتے ہیں ورنہ کرائے کے مکان پر اتنا پیسہ نہ لگاتے!" اس نے بھی آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"خیر سرمائے دار نہیں ہوں' ہاں بس گزر بسر ہو جاتی ہے کیوں کہ اس شہر میں میری سکونت عارضی ہے اس لیے مکان خریدا نہیں' کرائے پر لینا مناسب سمجھا۔" میں یہ کہتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ میرے مقابل والی کرسی پر آ بیٹھی آج بھی وہ پورے "ہتھیاروں" سے لیس ہو کر آئی تھی۔ سیاہ شلوار سوٹ میں اس کی رنگت کچھ اور کھل اٹھی تھی۔

"ارے ہاں میں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ آپ نے ناشتہ بھی ابھی کیا یا نہیں؟" وہ چونک کر بولی۔ "اگر نہیں کیا تو میں بنا دیتی ہوں۔"

"شکریہ ناشتہ کر چکا ہوں!"

"خود بنا لیتے ہوں گے اپنے ہاتھ سے؟"

"جی ہاں۔" میں نے تفصیل سے بچنے کی خاطر کہا۔ "کھانا بھی خود پکا لیتا ہوں۔ دراصل مجھے کسی کی محتاجی اچھی نہیں لگتی!..... خیر اس ذکر کو چھوڑیں اور بتائیں' آپ کے منگیتر صاحب کیسے ٹپک پڑے صبح ہی صبح؟"

"چھٹی کے دن وہ عموماً" آ دھمکتا ہے اور پھر دن بھر لہو پی جاتا ہے میرا!" اس نے ناگواری سے کہا۔

"آپ لہو پلاتی ہوں گی تو پیتا ہو گا نا!" مجھے شرارت سوجھی۔

"بڑا ہی ڈھیٹ ہے!" وہ میری بات کو نظر انداز کرتی ہوئی بولی۔ "دن بھر بس میرے ہی گرد منڈلاتا رہتا ہے۔"

"پروانہ بھی تو ڈھیٹ ہی ہوتا ہے جو شمع کے گرد منڈلاتا رہتا ہے!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تو اس کے عشق کی انتہا ہے۔"

"مگر میں تو تھوکتی بھی نہیں اس کی صورت پر!" اس نے رشید سے اپنی نفرت کا اظہار

کیا۔ "اکثر چھٹی کے دن اسی سے بچنے کے لیے میں اپنی کسی سہیلی کے گھر چلی جاتی ہوں۔"

اور جب وہ آپ کا شوہر نامدار بن جائے گا تو کیا کریں گی؟"

"ہاں یہ... یہ..." وہ کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔

"خیر چھوڑیں' وہ گیا کہ ابھی ہے؟"

"چلا گیا۔" اس نے جواب دیا۔ پھر حیرت سے بولی۔ "آج پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ میں گھر ہی میں تھی اور وہ خود ہی ٹل گیا ورنہ تو کمبل ہو جاتا ہے۔"

"ٹلنے کی وجہ بتاؤں آپ کو؟" میں نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"حیرت ہے کہ...... کہ جو بات مجھے معلوم نہیں' کسی...... کسی کو بھی خبر نہیں وہ...... وہ آپ کو کیسے......"

"ابھی جو گلی میں ہنگامہ ہو رہا تھا' بھول گئیں آپ اسے؟ اور کل جو اس نے مجھے دھمکی دی تھی وہ بھی شاید آپ کے ذہن سے نکل گئی ورنہ آپ بھی میری طرح صحیح نتیجہ اخذ کر لیتیں۔"

"میں کچھی نہیں کچھ! اس ہنگامے سے آپ کا یا رشید کا کیا تعلق؟ وہ دونوں تو علاقے کے مشہور غنڈے ہیں اور سبھی جانتے ہیں انہیں۔ کسی بات پر آپس میں جھگڑا ہو گیا ہو گا ان میں۔"

"خاتون! یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔" میں نے مسکرا کر طویل سانس لیا اور پھر اسے بتانے لگا۔ "رشید ہی نے ان غنڈوں کو میری 'مزاج پرسی' کے لیے بھیجا تھا اور یقیناً" اس کے لیے انہیں خاصی رقم بھی دی ہو گی۔" پھر میں نے اسے بتایا کہ کس طرح وہ غنڈے گھر میں گھس آئے تھے۔ "یہ میرا کمال تھا کہ میں نے ان دونوں ہی کو آپس میں لڑوا دیا اور وہ لڑتے ہوئے ہی میرے گھر سے نکل کر گلی میں چلے گئے۔ میں نے ان کے جاتے ہی دروازہ بند کر لیا تھا' کسی خوف سے نہیں بلکہ لاتعلقی کے اظہار کی خاطر!"

"اب میں سمجھی کہ وہ کمینہ آج صبح ہی صبح کیوں آ دھمکا تھا!" وہ نفرت سے بولی۔ ورنہ تو چھٹی کے دن وہ عموماً" دوپہر ہوتے ہوتے آیا کرتا تھا۔ آج خوش بھی بہت نظر آ رہا تھا۔ تو یہ بات تھی! بڑا ہی گھٹیا اور کمینہ ہے وہ!"

"آپ نے شاید وہ کہاوت نہیں سنی کہ جنگ اور عشق میں سب کچھ جائز ہے۔ عشق آدمی کو بھی کچھ بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس سے بس غلطی یہ ہو گئی کہ ناحق مجھے اپنا رقیب سمجھ بیٹھا۔"

"کچھ بھی ہو اس کی یہ حرکت ناقابل معافی ہے۔"

"آپ تو ایسا نہ کہیں' وہ آپ پر صدقے واری ہوتا رہتا ہے!"

"ہوا کرے! محبت یک طرفہ نہیں ہوتی۔"

"یہ تو آپ نے پہلے سوچا ہوتا!"

"بس عقل ماری گئی تھی میری! اور...... اور پھر امی نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے شادی سے انکار کیا تو وہ زہر کھا لیں گی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کروں تو کیا کروں۔"

"اگر آپ میرا دوستانہ مشورہ قبول کریں تو کچھ عرض کروں!" میں بولا۔ اس نے سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولی۔ میں نے اسے خاموش دیکھ کر مزید کہا۔ "آپ کی خاموشی کو نیم رضا مندی سمجھتے ہوئے میں یہی مشورہ دوں گا کہ اپنی امی کو سمجھائیں کسی طرح! انہیں بتائیں کہ رشید کے ساتھ قطعاً" آپ کا نباہ نہیں ہو سکے گا۔ اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ آپ خود ہی اپنے جیون ساتھی کو تلاش کر لیں۔ اس زمانے میں یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ آپ اب کوئی بچی نہیں ہیں کہ انتخاب میں دھوکا کھا جائیں۔ جب آپ رشید کا نعم البدل' اس سے بہتر نعم البدل تلاش کر لیں گی تو آپ کی امی اور ابا جی دونوں راضی ہو جائیں گے۔"

"یہ تقریباً" ناممکن سی بات ہے۔" وہ بہت مدھم آواز میں بولی۔ اس کی نظریں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔

"وجہ؟" میں نے سوال کیا۔

"ہمارے یہاں برادری سے باہر شادیاں نہیں ہوتیں اور...... اور برادری والے کسی صورت......" وہ چپ ہو گئی۔

اس کے چپ ہونے کی وجہ مجھے اچھی طرح معلوم تھی۔ یقیناً" اس کا ماضی سب کے علم میں تھا۔ اس کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ رشید بھی عمر میں اس سے سات آٹھ سال چھوٹا تھا۔

"دیکھیں خاتون" "تمام شرائط بہرحال پوری ہونا" ممکن نہیں۔ ترجیح برادری ہی کو دینا چاہیے' لیکن اگر برادری والے خود کسی مظلوم کی مظلومیت اور بیگناہی کا خیال نہ کریں تو پھر کیا ضروری ہے کہ برادری ہی میں رشتہ کیا جائے!"

میرا معنی خیز جملہ سن کر وہ چونک اٹھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ "آپ...... آپ کو یقیناً" میرے...... میرے بارے میں سب...... سب کچھ علم ہے ورنہ مظلوم...... مجھے مظلوم نہ کہتے۔"

"ہاں خاتون!" میں نے اقرار کر لیا۔ "مگر یہ نہ پوچھئے گا کہ کسی طرح؟ اور نہ ماضی کو

دہرانے کی ضرورت ہے۔ آپ جو کچھ بتانا چاہیں گی' مجھے پہلے ہی اس کا علم ہے۔ بہرحال میرے نزدیک آپ قطعی بے گناہ ہیں۔ خدا نیکیوں کا حساب رکھتا ہے' اسی پر فیصلہ کرتا ہے۔ دنیا نے آپ کو ٹھکرا کر یقیناً" ظلم کیا ہے حالانکہ آپ بے قصور و بے گناہ ہیں!"

میں نے دیکھا کہ اس کے حسین رخساروں پر موتی ڈھلک آئے اور وہ انھیں اپنے دوپٹے کے دامن میں چھپانے لگی۔ یقیناً" میری ہمدردی کا اس کے دل پر گہرا اثر ہوا تھا۔ پھر وہ کافی دیر بعد ہی خود پر قابو پا سکی۔

"بیٹے' کوئی نہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ایسا ضرور مل جائے گا جو آپکی پسند پر بھی پورا اتر سکے اور گھر داماد بننے پر بھی راضی ہو جائے۔" میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

"تو ..... تو آپ کو یہ ..... یہ ..... میری اس مجبوری کا بھی علم ہے!" وہ رک رک کر حیرت زدہ آواز میں بولی۔

"ہاں میں یہ بھی جانتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ اپنے والدین کو چھوڑ کر نہیں جا سکتیں کہ آپ ہی ان کا واحد سہارا ہیں اور آپ کو انھیں چھوڑ کر جانا بھی نہیں چاہیے!"

میری یہ بات سن کر وہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ کچھ دیر خاموش رہی' پھر اس کے لب کھلے۔ "آپ ..... آپ جب ..... جب سب کچھ جانتے ہیں اور مجھے بے قصور بھی سمجھتے ہیں تو ..... تو ..... کیا ..... کیا ..... آپ خود مجھے ....."

میں اب اس کی نظروں کا مفہوم اچھی طرح سمجھ چکا تھا اور اس ادھورے فقرے کا مطلب بھی ہے جسے پورا کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ ایک مشرقی لڑکی تھی اور قدرے باحیا بھی! بھلا وہ اپنی زبان سے یہ کس طرح کہہ دیتی کہ پھر آپ ہی مجھے اپنا لیں۔

میں شدید الجھن میں گرفتار ہو گیا کہ اسے کیسے سمجھاؤں۔۔؟ اگر دو ٹوک جواب دے دیتا تو اس کا زخمی دل یہ نیا زخم شاید برداشت نہ کر پاتا۔ ابھی میں اسی کشمکش میں گرفتار تھا کہ معاً" میں نے وہاں ہمزاد کی موجودگی محسوس کی اور پھر وہ مجھے نظر بھی آ گیا۔ یقیناً" کوئی بات ایسی ضرور تھی جس سے مجھے وہ فوری طور پر آگاہ کرنا چاہتا ہو گا۔ وہ شمبھو کی طرف گیا تھا' اسی تجویز پر عمل کرنے جس کا فیصلہ گزشتہ روز ہم دونوں ہی نے کیا تھا۔ کچھ سوچ کر میں ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور نفیسہ کو مخاطب کیا۔ "میں ابھی حاضر ہوا خاتون!"

OO ..... O ..... OO

نفیسہ نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ باتیں کرتے کرتے ایک دم اس طرح اٹھ کھڑے ہونا یقیناً" اس کے لیے حیرت کا سبب رہا ہو گا۔ وہ ابھی تک خوابوں کے حصار میں تھی جس کا اظہار اس کے چہرے سے بھی ہو رہا تھا۔ میں نے جو کچھ کہا تھا' اس کے ادھورے سوال کا جواب نہیں تھا۔ وہ تو مجھ سے کچھ اور ہی سننے کی منتظر رہی ہو گی۔

"ابھی آ رہا ہوں میں' بیٹھیں آپ! بس برابر والے کمرے تک جاتا ہے۔" میں نے اسے حیران دیکھ کر مزید کہا اور پھر تیزی کے ساتھ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

یہ تو ممکن تھا کہ ہمزاد مجھ سے جو کچھ کہتا نفیسہ نہ سن پاتی لیکن میری آواز اسے بہرحال سنائی دیتی' یعنی جواباً" میں ہمزاد سے کچھ کہتا تو وہ سن لیتی۔ یہ صورت حال لازماً" اس کے لیے اور بھی حیران کن ہوتی۔ یہی سوچ کر میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

خواب گاہ سے متصل ہی وہ کمرا تھا جسے ہمزاد نے مطالعہ گاہ بنا دیا تھا۔ میں خواب گاہ سے نکل کر اسی کمرے میں داخل ہو گیا۔ ہمزاد میرے ساتھ تھا۔ وہ بھی یقیناً" سمجھ چکا تھا کہ میں نفیسہ کی موجودگی کے سبب خواب گاہ سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا ہوں۔

"ہاں اب کہو!" میں ہمزاد کی طرف پلٹا۔

میرے لہجے میں یقیناً" فکرمندی تھی جسے غالباً" ہمزاد نے محسوس کر لیا اور بولا۔

"کوئی زیادہ تشویش ناک بات نہیں ہے۔"

"تم بھی عجب چوتگر ہو!" مجھے تاؤ آ گیا۔

"جب ایسی کوئی بات نہیں تھی تو پھر۔۔"

"پہلے پوری بات تو سن لیں' اس کے بعد جو۔۔"

"خاک سن لیں!"

"وہ بھی سن لیں۔"

"کیا؟"

مجھے اس وقت اس کا شرارتی لہجہ کھل گیا۔

"ہمزاد میرا مزاج شناس تھا۔ وہ شاید سمجھ گیا کہ اس وقت میرا پارا چڑھا ہوا ہے اس لیے فوراً" ہی اس نے مطلب کی بات کہہ دی۔ "شمبھو سے میرا ربط منقطع ہو گیا ہے اور اس کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ میں بہ راہِ راست کوئی قدم اٹھاؤں۔ میں اسی سلسلے میں آپ سے اجازت لینے آیا تھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا' تم کیا کہہ رہے ہو!"

"اگر سنیں تو عرض کروں!" وہ اب مودب تھا۔

"ہاں تفصیل سے بتاؤ کیا بات ہے!"

"صبح جب آپ نے مجھے ان غنڈوں سے نمٹنے کے لیے طلب کیا تھا' اس سے پہلے تک شمبھو میری نظر میں تھا۔" ہمزاد بتانے لگا۔

"جب آپ نے مجھے طلب کیا تو میں اس مکان کی اطراف نادیدہ حصار قائم کر چکا تھا۔ پھر جب میں لوٹ کر گیا تو صورت حال بدل چکی تھی۔"

"یعنی؟"

میں نے وضاحت چاہی۔

"شمبھو میری چشمِ تصور سے دور ہو چکا تھا' گویا میرا اور اس کا رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"اس کا سبب تمہارا کھینچا ہوا نادیدہ حصار بھی تو ہو سکتا ہے!" میں بولا۔

"میرے ذہن میں بھی اُس وقت یہی بات آئی تھی۔"

"پھر؟"

"پھر میں نے حصار اٹھا لیا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "مگر پھر بھی شمبھو سے رابطہ قائم نہ ہوا۔"

"اس دوران میں جب تم میرے پاس تھے' کہیں وہ سرتیا کو لے کر فرار تو نہیں ہو گیا؟" میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے' جب تک میں اس مکان میں داخل ہو کر..."

"نہیں!"

میں اٹھا کر بولا۔ "فی الحال یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے حصار کھینچ

لی اسے اس کا علم ہو گیا ہو اور..."

میں کچھ کہتے کہتے رک گیا کیوں کہ صورت حال ایسی ہی تھی۔ حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ ذرا توقف کے بعد میں نے پھر کہا۔ "احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔ ممکن ہے خود شمبھو نے اس طرح تمہارے لیے کوئی جال بچھایا ہو۔ وہ خود یہ چاہتا ہو کہ تم رابطہ منقطع ہو جانے کے بعد اس مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔"

"ہاں اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' لیکن اس کی طرف سے یوں غافل تو نہیں رہا جا سکتا۔"

"سنو! بے صبری نہیں۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا

"تمہاری زندگی مجھے زیادہ عزیز ہے یا بہ الفاظ دیگر یوں کہو کہ اپنی زندگی ابھی نہیں چاہتا کہ تمہیں جلد بازی میں کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

میں نے یہ بات اپنے گزشتہ تلخ تجربات کی روشنی میں کہی تھی۔ اب سے پہلے میں اپنے ہمزاد کی زیادہ پروا نہیں کرتا تھا کہ اس پر کیا گزرے گی! مجھے تو بس اپنے مقصد سے غرض ہوتی تھی۔

"پھر کیا حکم ہے میرے لیے؟" اس نے پوچھا۔

"تم اپنے طور پر شمبھو سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں مصروف رہو۔ آج رات تک کوشش کر لو' پھر کچھ سوچیں گے۔ بالفرض وہ فرار ہو گیا ہے تو معلوم ہو ہی جائے گا کہ اس نے کدھر کا رخ کیا ہے اور ظاہر ہے' وہ اسی کرہ ارض پر کہیں نہ کہیں ہو گا۔ ہمارے لیے اس تک پہنچنا محال نہیں ہو گا۔ اگر ایسا نہیں اور وہ یہیں ڈھاکہ میں ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔ اب نہیں تو دو ایک روز میں اس کی خیر خبر مل ہی جائے گی۔ اور بھی راستے ہیں کہ اسے اپنے بل سے نکلنا پڑے۔ یہ گفتگو تفصیل طلب ہے اور اس وقت ممکن نہیں۔ یہ لڑکی نفیسہ چلی جائے گی تو ممکن ہے' میں تمہیں طلب کروں۔ وہ میرے اتنی دیر غائب رہنے سے کسی شک میں بھی پڑ سکتی ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"تو پھر میں جاؤں؟" اس نے اجازت چاہی۔

"ہاں اب تم جاؤ۔" اسے اجازت دیتے ہی معاً مجھے ایک اور خیال آ گیا۔ وہ غائب ہونے والا تھا کہ معاً میں نے اس پکارا۔ "ہمزاد سنو!"

"جی۔" وہ پھر ظاہر ہو گیا۔

"شمبھو کے مکان کے گرد حصار قائم ہے یا تم نے اسے اٹھا لیا؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا؟"

مجھے اس وقت اس کا شرارتی لہجہ کھل گیا۔

"ہمزاد میرا مزاج شناس تھا۔ وہ شاید سمجھ گیا کہ اس وقت میرا پارا چڑھا ہوا ہے اس لیے فوراً" ہی اس نے مطلب کی بات کہہ دی۔ "شبجو سے میرا ربط منقطع ہو گیا ہے اور اس کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ میں بہ راہ راست کوئی قدم اٹھاؤں۔ میں اسی سلسلے میں آپ سے اجازت لینے آیا تھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا' تم کیا کہہ رہے ہو!"

"اگر سنیں تو عرض کروں!" وہ اب مودب تھا۔

"ہاں تفصیل سے بتاؤ کیا بات ہے!"

"صبح جب آپ نے مجھے ان غنڈوں سے نمٹنے کے لیے طلب کیا تھا' اس سے پہلے تک شبجو میری نظر میں تھا۔" ہمزاد بتانے لگا۔

"جب آپ نے مجھے طلب کیا تو میں اس مکان کی اطراف نادیدہ حصار قائم کر چکا تھا۔ پھر جب میں لوٹ کر گیا تو صورت حال بدل چکی تھی۔"

"یعنی؟"

میں نے وضاحت چاہی۔

"شبجو میری چشم تصوّر سے دور ہو چکا تھا' گویا میرا اور اس کا رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"اس کا سبب تمہارا کھینچا ہوا نادیدہ حصار بھی تو ہو سکتا ہے!" میں بولا۔

"میرے ذہن میں بھی اُس وقت یہی بات آئی تھی۔"

"پھر؟"

"پھر میں نے حصار اٹھا لیا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "مگر پھر بھی شبجو سے رابطہ قائم نہ ہوا۔"

"اس دوران میں جب تم میرے پاس تھے' کہیں وہ سریتا کو لے کر فرار تو نہیں ہو گیا؟" میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے' جب تک میں اس مکان میں داخل ہو کر..."

"نہیں!"

میں اٹھا کر بولا۔ "فی الحال یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے حصار کھینچ

لی اسے اس کا علم ہو گیا ہو اور..."

میں کچھ کہتے کہتے رک گیا کیوں کہ صورت حال ایسی ہی تھی۔ حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ ذرا توقف کے بعد میں نے پھر کہا۔ "احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔ ممکن ہے خود شبجو نے اس طرح تمہارے لیے کوئی جال بچھایا ہو۔ وہ خود یہ چاہتا ہو کہ تم رابطہ منقطع ہو جانے کے بعد اس مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرو۔"

"ہاں اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' لیکن اس کی طرف سے یوں غافل تو نہیں رہا جا سکتا۔"

"سنو! بے صبری نہیں۔" میں نے پر سکون لہجے میں کہا

" تمہاری زندگی مجھے زیادہ عزیز ہے یا بہ الفاظ دیگر یوں کہو کہ اپنی زندگی! میں نہیں چاہتا کہ تمہیں جلد بازی میں کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

میں نے یہ بات اپنے گزشتہ تلخ تجربات کی روشنی میں کہی تھی۔ اب سے پہلے میں اپنے ہمزاد کی زیادہ پروا نہیں کرتا تھا کہ اس پر کیا گزرے گی! مجھے تو بس اپنے مقصد سے غرض ہوتی تھی۔

"پھر کیا حکم ہے میرے لیے؟" اس نے پوچھا۔

"تم اپنے طور پر شبجو سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں مصروف رہو۔ آج رات تک کوشش کر لو' پھر کچھ سوچیں گے۔ بالفرض وہ فرار ہو گیا ہے تو معلوم ہو ہی جائے گا کہ اس نے کدھر کا رخ کیا ہے اور ظاہر ہے' وہ اسی کرہ ارض پر کہیں نہ کہیں ہو گا۔ ہمارے لیے اس تک پہنچنا محال نہیں ہو گا۔ اگر ایسا نہیں اور وہ یہیں ڈھاکہ میں ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔ اب نہیں تو دو ایک روز میں اس کی خیر خبر مل ہی جائے گی۔ اور بھی راستے ہیں کہ اسے اپنے بل سے نکلنا پڑے۔ یہ گفتگو تفصیل طلب ہے اور اس وقت ممکن نہیں۔ یہ لڑکی نفیسہ چلی جائے گی تو ممکن ہے' میں تمہیں طلب کروں۔ وہ میرے اتنی دیر غائب رہنے سے کسی شک میں بھی پڑ سکتی ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"تو پھر میں جاؤں؟" اس نے اجازت چاہی۔

"ہاں اب تم جاؤ۔" اسے اجازت دیتے ہی معاً" مجھے ایک اور خیال آ گیا۔ وہ غائب ہونے والا تھا کہ معاً" میں نے اسے پکارا۔ "ہمزاد سنو!"

"جی۔" وہ پھر ظاہر ہو گیا۔

"شبجو کے مکان کے گرد حصار قائم ہے یا تم نے اسے اٹھا لیا؟" میں نے سوال کیا۔

"فی الحال تو حصار قائم ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "یہاں آنے سے قبل میں نے دوبارہ حصار کھینچ دیا تھا تاکہ وہ..."

"اٹھا لو حصار!" میں نے کہا۔ "جب تک یقین نہ ہو جائے کہ وہ اس مکان میں موجود ہے' حصار بے فائدہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

اس نے میری رائے سے اتفاق کیا اور پھر میرا اشارہ پا کر غائب ہو گیا۔

ہمزاد کی غیر متوقع آمد اور شبھو کے بارے میں جان کر میں کچھ متفکر ہو گیا۔ دشمن یوں اچانک نظروں سے اوجھل ہو جائے تو فکر ہوتی ہی ہے!

ہر چند کہ اس کمرے میں بھی بیٹھنے کے لیے کرسیاں وغیرہ تھیں' مگر میں بیٹھا نہیں تھا اور کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ صورت حال ہی ایسی تھی۔ میں نفیسہ سے بات کرتے کرتے اٹھ کر یہاں آ گیا تھا۔ میری پشت کمرے کے دروازے کی طرف تھی۔ ہمزاد کے رخصت ہونے کے بعد میں بس چند لمحے اس کمرے میں مزید رکا کہ اپنے حواس پر قابو پا لوں تا کہ نفیسہ میری متغیر حالت محسوس نہ کر سکے۔ اس کے بعد میں آہستہ قدمی کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں لوٹ آیا۔

نفیسہ کو میں نے بہ دستور خواب گاہ میں پایا' لیکن ایک تبدیلی نے مجھے چونکا دیا۔ وہ اب اس کرسی پر نہیں بیٹھی تھی جس پر میں اسے بیٹھے ہوئے چھوڑ گیا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ میری غیر موجودگی میں وہاں سے اٹھی تھی۔ الجھا ہوا ذہن ہونے کے باوجود میں نے تحمل سے کام لیا اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہوئے ایک نظر میں نے اس کے چہرے پر بھی ڈالی تھی۔ وہ کچھ چور چور سی لگ رہی تھی۔

"جی... کچھ کہہ رہی تھیں آپ!" معاً میں نے اسے مخاطب کیا۔

وہ چونک اٹھی۔ "جی... ہاں۔" اس نے نظر اٹھائی۔

"تو پھر کہیں نا!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

چند لمحے وہ مجھ سے نظریں ملائے رہی' پھر اس کی نظریں جھک گئیں۔ "مجھے یاد نہیں رہا' کیا بات ہو رہی تھی!" وہ بولی' آواز مدھم تھی۔

اس کے انداز و اطوار سے اب مجھے پوری طرح یقین ہو چکا تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ یہ عین ممکن تھا' تجسس سے مجبور ہو کر وہ میرے پیچھے پیچھے برابر والے کمرے کے دروازے تک پہنچ گئی ہو کہ دیکھ سکے' میں بات کرتے کرتے وہاں اٹھ کر کیوں گیا ہوں! میرے

[illegible] تھا کہ بچوں اور عورتوں میں تجسس کا مادہ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہی تھا تو [illegible] نے کم از کم وہ باتیں تو سن ہی لی تھیں جو میں نے ہمزاد سے کی تھیں۔ ہر چند کہ یہ کچھ بہتر [illegible] ہوا تھا' اس کے باوجود کوئی خطرے کی بات نہیں تھی۔ یا وہ مجھے خبطی تصور کرتی یا پھر [illegible] کہ میں کسی پر اسرار وجود سے مخاطب تھا جو اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ سوچ کر میرے [illegible] کو سکون تو مل گیا مگر یہ جاننا بہرحال ضروری تھا کہ میرا مفروضہ درست بھی ہے یا نہیں!

کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ نظریں جھکائے چپ بیٹھی تھی۔

"سنیں خاتون' آپ اسی کرسی پر آ جائیں جہاں پہلے بیٹھی تھیں۔" یہ کہتے ہی میں اٹھ [illegible] ہوا۔

"جی... جی!"

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں مان جایئے! اس کرسی پر بیٹھی ہوئی آپ زیادہ اچھی لگ رہی تھیں۔ دراصل [illegible] میں آپ یہ بھول گئیں کہ پہلے کس کرسی پر بیٹھی تھیں۔ آیئے!" میں ایک طرف ہو کر [illegible]

وہ سٹپٹا سی گئی اور میرے اصرار پر اپنا دوپٹا سنبھالتی ہوئی پہلی کرسی پر بیٹھ گئی جو میں نے [illegible] کے لیے خالی کر دی تھی۔

"دراصل یہی ذرا ذرا سی باتیں ان باتوں کو ظاہر کر دیتی ہیں جنہیں آدمی چھپانا چاہتا [illegible]" میں دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ... کہ آپ یہ... یہ کیسی باتیں کرنے لگے!" وہ رک رک کر [illegible] "میں... تو وہیں... وہیں بیٹھی تھی جہاں آپ چھوڑ کر گئے تھے۔"

"دیکھیں جھوٹ بولنا بھی ایک ہنر ہے۔ یہ ہنر ہر ایک کو نہیں آتا۔" میں مسکرا کر [illegible] میری نگاہیں اس کے چہرے پر ہی تھیں۔

"علم ہو یا ہنر' دونوں کے مثبت اور منفی پہلو ہوتے ہیں۔ آپ یہ سن کر کسی غلط فہمی میں [illegible] ہو جایئے گا کہ میں جھوٹ کو ہنر کہہ رہا ہوں! بہرحال آپ ایسی بھولی بھالی لڑکیاں یہ ہنر [illegible] جانتیں اس لیے میرا ایک مشورہ یہی ہے کہ ایسی کوشش نہ کیا کریں۔ تجسس بری چیز [illegible] ہے بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا تجسس کے بغیر علم کا حصول ہی مشکل ہے۔ اگر آپ کے [illegible] میں یہ تجسس پیدا ہوا کہ میں برابر والے کمرے میں کیوں گیا ہوں تو یہ کوئی غیر فطری بات [illegible]۔ پھر اس قطع نظر یہ کہ میں بہرحال ابھی آپ کے لیے اجنبی ہوں اور آپ میرے بارے

میں بہت سی باتوں سے لاعلم ہیں۔ اس کے باوجود اخلاق کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ آپ غالباً" سمجھ رہی ہوں گی میری بات! جو ہو گیا' بھول جائیں اسے! آپ نے جو کچھ سن لیا ہو ذہن سے جھٹک دیں کہ یہی بہتر ہے آپ کے لیے! کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں خاتون کہ ان کا نہ جاننا ہی آدمی کے لیے بہتر ہوتا ہے۔" میں بہ غور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس پر میرے فقروں کا کیا ردعمل مرتب ہو رہا ہے! وہ خاموش ہی رہی تو میں نے مزید کہا۔ "آپ کی خاموشی سے میں یہی نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں کہ میرا اندازہ غلط نہیں ہے۔ آپ یقیناً" یہاں سے اٹھ کر برابر والے کمرے کے دروازے تک گئی تھیں۔ میں اس پر ہرگز اصرار نہیں کروں گا کہ آپ اپنی زبان سے اس کا اقرار کریں۔ مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آپ جو کچھ سن چکی ہیں' اسے فراموش کر دیں۔"

میری بات کے اختتام پر اس نے بڑی بے بسی سے میری طرف دیکھا' پھر ذرا توقف سے بولی۔ "مجھ سے یقیناً" غلطی ہوئی ہے اور... اور میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن... لیکن..."

"ہاں ہاں کہیں' کیا بات ہے؟ جھجکنے کی ضرورت نہیں!" میں نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی' اگر آپ سچ سچ بتا سکیں۔"

"پوچھیں! میں کوشش کروں گا کہ آپ کے سوال کا جواب دے سکوں بشرطیکہ وہ جواب آپ کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔" میں محتاط لہجے میں بولا۔

"کیا واقعی ہمزاد کا وجود ہوتا ہے؟"

اس کے سوال پر میں چونک اٹھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہی تھی۔ میں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے سکون کے ساتھ کہا۔ "ہاں یہ کوئی مفروضہ نہیں' مگر آپ یہ کیوں جاننا چاہتی ہیں؟"

"دراصل اب سے پانچ سال قبل میری امی کے ایک عزیز سکھر سے آئے تھے۔ ہمارے ہی گھر ٹھہرے تھے وہ۔ ان سے پہلی بار میں نے ہمزاد کے بارے میں سنا تھا اور انھوں نے ہمزاد کے متعلق اتنی عجیب اور حیرت انگیز باتیں بتائیں کہ کم سے کم مجھے تو یقین نہیں آیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہر شخص اپنے ہمزاد کو قابو میں کر سکتا ہے' مگر اس کا وظیفہ بہت مشکل ہے۔ معاف کیجئے گا' آج ایک طویل عرصے کے بعد میں نے آپ... آپ کی زبان سے ہمزاد کا نام سنا اور... اور حیران رہ گئی۔ ہمزاد کے متعلق مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ صرف اسی کو نظر آتا ہے

جس کے قبضے میں ہو۔ دراصل میں... میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کیا... کیا آپ نے اپنے ہمزاد کو قابو میں کر لیا ہے؟" اس نے وہ سوال کر ہی دیا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔

"اگر میں آپ کے اس سوال کا جواب دے بھی دوں تو اس سے حاصل کیا ہو گا آپ کو؟" میں نے سنبھل کر کہا۔ "میں نے ابھی آپ سے عرض کیا تھا نا کہ کچھ چیزوں کا نہ جاننا ہی بہتر ہوتا ہے!"

"اچھا اگر یہ نہیں بتاتے تو اس کا سوال کا جواب تو دے ہی دیں کہ کیا واقعی ہر شخص اپنے ہمزاد کو قابو میں کر سکتا ہے؟"

"جی ہاں یہ حقیقت ہے۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز قوتوں سے نوازا ہے' بس ان قوتوں کا ادراک ضروری ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ آدمی اپنی قوت کا صحیح استعمال بھی جانتا ہو ورنہ عموماً" وہ بھٹک جاتا ہے۔ اسی اندیشے کے پیش نظر کہ آدمی بھٹک نہ جائے' اسے ان معاملات میں نہیں پڑنا چاہیے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"اب میں سمجھ گئی کہ آپ کو میرے بارے میں سب کچھ کس طرح معلوم ہوا ہے!"

اس نے معنی خیز انداز میں میری طرف مسکرا کر دیکھا۔ وہ کافی دیر بعد مسکرائی تھی اور اب اس کے چہرے پر خوف یا شرمندگی کے آثار نہیں تھے۔

"کیا سمجھ گئیں آپ؟" میں نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

"یہی کہ آپ نے اپنے ہمزاد کے ذریعے میرے بارے میں سب کچھ معلوم کرا لیا ہو گا!"

میں اس کی بات سن کر ہنسنے لگا' پھر بولا۔ "تو گویا آپ نے فرض کر لیا ہے کہ میرا ہمزاد میرے قابو میں ہے!"

"جی ہاں!"

اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔ "میں خود اپنے کانوں سے آپ کو اس سے گفتگو کرتے سن چکی ہوں اور اسی گفتگو کے دوران میں ایک بار آپ نے اسے ہمزاد کہہ کر بھی پکارا تھا۔ بتائیے غلط کہہ رہی ہوں میں!"

"تو آپ آ گئیں ہمزاد کے چکر میں!" میں نے اسے بنانے کی خاطر کہا۔

"کیا مطلب!"

اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ارے جناب! یہ سب ڈراما تھا ڈراما! مجھے معلوم تھا کہ اگر میں آپ سے بات کرتے

کرتے اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا تو تجسس سے مجبور ہو کر آپ ضرور میرے پیچھے آئیں گی۔"

"جی نہیں!" وہ ایک ادا سے بولی۔ "وہ ڈراما ہرگز نہیں تھا البتہ اس وقت آپ ڈراما کر رہے ہیں۔"

"خیر آپ کی مرضی! نہ مانیں میری بات!" میں نے ہنس کر کہا۔ اس گفتگو سے میرا مقصد محض یہ تھا کہ وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں رہے۔ اگر اسے مکمل طور پر یقین ہو جاتا کہ واقعی میرا ہمزاد میرے قابو میں ہے تو خواہ مخواہ مزید کمپلی ہو جاتی جو میں نہیں چاہتا تھا۔

"جی ہاں' نہیں آؤں گی آپ کی باتوں میں۔" اس کا لہجہ محبوبانہ تھا۔

"گھاٹے میں رہیں گی۔" میں بولا

"رہوں گھاٹے میں!" یہ کہتے ہوئے اس کی نگاہ وال کلاک کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

"ارے سوا گیارہ بج گئے!"

"کیوں کیا ہوا' نہیں بجنا چاہیے تھے سوا گیارہ؟"

"یہ بات نہیں بلکہ..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی' پھر بولی۔ "چلتی ہوں میں۔ ہاں وہ دوپہر کا کھانا آج میں لاؤں گی آپ کے لیے!"

"وہ کس خوشی میں خاتون!"

"بس یونہی! در اصل چھٹی کے دن دوپہر کا کھانا میں ہی پکاتی ہوں۔ ابو کو شامی کباب بہت پسند ہیں' وہ بھی میرے ہاتھ کے! آپ بتایئے گا کھا کر کہ واقعی ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں یا ابو میرا دل رکھنے کو تعریف کر دیتے ہیں۔" اس کے لہجے میں خلوص اور معصومیت تھی۔ وہ غالباً" سمجھ چکی تھی کہ میں اس کے گھر نہیں جاؤں گا۔ دوم یہ کہ وہاں اسے خلوت بھی میسر نہ ہوتی۔

"ٹھیک ہے۔" میں انکار نہ کر سکا۔ "لیکن ایک شرط ہے۔ آپ بھی میرے ساتھ ہی کھانا کھائیں گی۔"

"منظور۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

میں اسے نیچے تک چھوڑنے گیا۔

"ایک بجے تک آجاؤں گی میں!" وہ دروازے کے پاس رک کر بولی۔

"انتظار کروں گا میں۔"

وہ نیبنس بان چلاتی ہوئی چلی گئی اور میں گھر کا دروازہ بند کر کے اوپر اپنے کمرے میں آ

گیا۔ یہ لڑکی نغیسہ میرے دل میں اپنی جگہ پیدا کرنے کے لیے اپنی دانست میں گویا ہر حربہ آزما رہی تھی۔ وہ ایک محروم لڑکی تھی' ہر طرح محروم! اور نہ میرے لیے یہ ناممکن نہیں تھا کہ اسے قریب نہ آنے دیتا۔ ایسے دل جو پہلے ہی سے زخم زخم ہوں' انھیں مزید کوئی چرکا نہیں لگانا چاہیے۔ میرے نزدیک یہ انسانیت سے بعید بات تھی اسے میں دھیرے دھیرے راہ راست پر لا سکتا تھا اور یہ بھی میرے لیے مشکل نہ تھا کہ اس کے مستقبل کو کسی اور طرح سنوار دوں۔ یہ بہرحال ضروری نہیں کہ ہر محروم لڑکی کو گلے کا ہار بنا لیا جائے۔ کچھ دیر میں 'نغیسہ' ہی کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر مجھے اسی کے حوالے سے سریتا یاد آگئی جو ایک شیطان صفت شخص شمبھو کے قبضے میں تھی۔

میں نے ہمزاد سے کہا تھا کہ اگر ممکن ہوا تو نغیسہ کے جانے کے بعد تفصیلی گفتگو کے لیے اسے طلب کر لوں گا۔ نغیسہ کی واپسی میں ابھی دیر تھی۔ میں نے اسی لیے ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"جی ارشاد!" وہ آتے ہی بولا۔

"کیا رہا؟ شمبھو سے تمہارا رابطہ قائم ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تک نہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "معلوم نہیں اس کم بخت نے کیا نیا چکر چلا دیا ہے!"

"وہ ابھی کھل کر ہمارے مقابل آیا ہی کب ہے جان عزیز کہ ہم اس کی قوتوں کا اندازہ کر سکیں۔ بہرحال اس کی تلاش کے سلسلے میں ایک بات ذہن میں آئی ہے۔ ممکن ہے اس طرح کوئی سراغ مل جائے اس کا!" میں کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"کیا؟" ہمزاد نے سوال کیا۔

"میں اپنے تصور کی قوت آزماتا ہوں۔ میں اس شیطان کا نہیں' سریتا کا تصور کروں گا۔ پہلے بھی اسی طرح ایک مرتبہ کامیابی ہو چکی ہے' اس وقت جب وہ نارائن گنج میں تھا۔ میرا مطلب یہ کہ سریتا جہاں ہو گی' وہیں وہ بھی ہو گا۔" میں نے تفصیل کے ساتھ جواب دیا۔

"دیکھ لیں' یہ کر کے' ویسے مجھے زیادہ امید نہیں ہے کہ اس مرتبہ بھی آپ کامیاب ہو جائیں۔" ہمزاد نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

ہمزاد کی خیال آرائی پر کوئی تبصرہ کیے بغیر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور پوری توجہ و انہماک سے سریتا کا تصور کرنے لگا۔ وہ بھولا بھالا معصوم سا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم رہا تھا جو مجھ سے بچھڑ گیا تھا۔ مکمل ذہنی یکسوئی کے ساتھ میں اس کا دھیان کرتا رہا' مگر ہمزاد کا خیال

درست ثابت ہوا۔ میرے تصور کی طاقت ور لہریں ایک چمکیلے دودھیا غبار سے ٹکرا کر لوٹ آئیں۔ وہ جہاں کہیں بھی تھی' اس چمکیلے غبار کے اندر تھی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور ہمزاد سے مخاطب ہوا "تم ٹھیک کہتے تھے۔ اس نے غالباً" یہ اندازہ لگالیا ہے کہ میں 'نارائن گنج میں سریتا ہی کے ذریعے اس تک پہنچا تھا۔ یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اس بار وہ سریتا کی طرف سے بھی چوکنا ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر مزید کہا۔ "خیر اس طرح کچھ اور نہیں تو کم از کم یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ ہماری راہ میں اصل رکاوٹ یہی چمکیلا غبار ہے۔" یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

"بہرحال اب کیا کیا جائے؟" ہمزاد سنجیدگی سے بولا۔ "اس کی طرف سے یوں تاریکی میں رہنا اچھا نہیں ہے۔ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر ہمیں کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"بس یہ کہ ہمیں بھی تاریکی کا انتظار کرنا چاہیے۔" میں معنی خیز لہجے میں بولا۔

"گویا آج رات کا انتظار!" ہمزاد نے میرے اشارے کو سمجھ کر کہا۔

"آج ہی شب کی کوئی قید نہیں۔" میں بولا۔ "کسی بھی شب کوئی عملی قدم براہ راست اٹھایا جا سکتا ہے۔"

"آج رات ہی کیوں نہیں؟" ہمزاد نے سوال کیا۔

"اب تم کرنے لگے ناچو تگڑ پن کی باتیں! کتنی بار تمہیں سمجھاؤں کہ جلد بازی نہیں! آج رات وہ ہماری طرف سے کسی عملی اقدام کا منتظر ہو گا' اب آیا کچھ عقل میں!"

"جب عقل بٹ رہی تھی تو ساری عقل تو آپ لے بھاگے' میں تو بس کھرچن پر گزارا کر رہا ہوں۔" ہمزاد نے یہ جملہ اس طرح ادا کیا جیسے اس پر بڑا ظلم ہوا ہے۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ بھی ہنسنے لگا اور یوں میرے اعصاب کی کشیدگی کسی قدر کم ہو گئی۔

"میرا خیال یہ ہے کہ جب تک ہم اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے' مجھے اس کی ٹوہ میں رہنے کی بجائے آپ کی فکر کرنا چاہیے۔" ہمزاد نے خیال آرائی کی' پھر اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے مزید بولا۔ "اس خبیث کی طرف سے کسی حملے کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔"

میں نے اس کے خیال سے اتفاق کیا' پھر بولا۔ "یہ بتاؤ کہ پاس پڑوس میں رہنے والوں پر کیا رد عمل ہے اس کا؟"

"شمبھو ہی سے کیا' لوگ تو اس مکان ہی سے خوف زدہ رہتے ہیں۔" ہمزاد نے بتایا۔

"وجہ؟"

"وہ مکان آسیب زدہ مشہور تھا اور ایک طویل عرصے سے خالی پڑا تھا۔ شمبھو جب [illegible] مکان سے ملا اور اس مکان کو کرائے پر لینے کی پیشکش کی تو مالک مکان نے اس سے کچھ [illegible] چھپایا۔ شمبھو تو خود ایک شیطان تھا' کسی آسیب سے کیا خوف کھاتا اس لیے سب کچھ [illegible] کے باوجود واجبی کرائے پر فوراً" وہ مکان حاصل کر لیا۔ مالک مکان نے سوچا کہ چلو اس [illegible] کوئی مکان میں رہنے پر آمادہ تو ہوا ورنہ تو خالی ہی پڑا رہتا' اسے کوئی خریدنے پر بھی راضی [illegible] تھا۔" ہمزاد تفصیل کے ساتھ بتانے لگا۔ "بہرحال شمبھو وہاں آبسا۔ اس کے بعد لوگوں [illegible] کم ہی اسے مکان سے نکلتے دیکھا۔ ہاں انہیں کبھی کبھار مکان کی کھڑکی میں سریتا کھڑی ضرور [illegible] آ جاتی۔ پاس پڑوس والے شمبھو اور سریتا کو بھی بھٹکی ہوئی روحیں تصور کرتے ہیں۔ کوئی [illegible] دونوں سے ملنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ خود شمبھو کسی سے ملتا ہے۔"

"ہوں!" میں نے ہنکارا بھرا۔

"ہاں میں یہ بتانا بھول گیا کہ محلے کا ایک ہندو نوجوان یوگندر' سریتا پر مرمٹا ہے۔ وہ [illegible] اس مکان کا چکر کاٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ یقیناً" اس نے سریتا کو کھڑکی میں کھڑے دیکھا ہو گا۔ [illegible] بے چارے کو کیا خبر کہ بڑے بڑے اس زلف گرہ گیر میں اٹکے ہوئے ہیں بلکہ اٹک کر لٹک [illegible] ہیں۔" اس نے شرارتی لہجے میں مجھ پر چوٹ کی۔

"بکو مت!"

"ویسے اس عشق خانہ خراب میں کھڑکی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔" وہ کہے گیا۔

"اگر کسی طرح کھڑکی بند کر دی جائے یا نہ کھلا کرے تو بہت سے غریب نوجوان بے [illegible] کی موت مرنے سے بچ جایا کریں! اب بھی دیکھ لیجئے' نفیسہ کے معاملے میں بھی کھڑکی [illegible] جیسی حیثیت رکھتی ہے۔ اس موقع پر مجھے کسی شاعر کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔ کہیں تو سناؤں!"

[illegible] اس نے میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی "شعر" سنا دیا۔

وہ دریچے سے جو جھانکے تو بس
اتنا پوچھوں
چارپائی لے آؤں

"کوشش کے باوجود میں اپنی ہنسی نہ روک سکا' پھر بولا۔ "یہ شعر ہے!"

"پہلے مصرعے پر نہ جائیں' دوسرے پر غور کریں' شاعر نے کس طرح اپنے جذبات کی [illegible] کا بے ساختہ اظہار کیا ہے!"

"کچھ خوف خدا کرو' دوسرا مصرعہ بہت چھوٹا ہے پہلے سے۔" میں نے کہا۔ "سر —

سے وزن ہی میں نہیں!"

"آپ کہتے ہیں تو ممکن ہے نہ ہو وزن میں! لیکن چارپائی لانے کی اجازت طلب کر... میں کس قدر اظہار صداقت ہے! ویسے اس موقع کے لیے شعرائے کرام نے دفتر کے دفتر... کیے ہیں۔ اگر فرمائیں تو کئی دن تک صرف اسی موضوع پر اشعار سنا سکتا ہوں، مثلاً" وہ ... شعر..."

"بس!" میں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب ایک شعر بھی نہیں سنوں گا میں!"

"میرا خیال تھا کہ آپ صاحب ذوق آدمی ہیں۔"

"قطعی نہیں ہوں!"

"چلیں آپ نے ایک حقیقت تو تسلیم کی!" وہ پھر چوٹ کر گیا۔

"بتاؤں تمھیں ابھی حقیقت!" میں نے ہاتھ اٹھایا تو وہ اچھل کر پیچھے ہو گیا۔

"اگر برا نہ مانیں تو اس موقع پر شاعر نے ایک شعر کہا ہے۔ یہی تو کمال ہے شاعروں... کہ کوئی موقع چھوڑتے نہیں بلکہ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں!"

"مگر بدبخت تم تو شاعر نہیں ہو، پھر کیوں میرا بھیجا چاٹ رہے ہو!"

"تو گویا آپ کے خیال میں شعرائے کرام صد احترام کو چاٹنے کے لیے کچھ اور ... ملتا اور لوگوں کا بھیجا چاٹنا گویا ان کا محبوب و مرغوب مشغلہ ہے! یوں آپ گویا شعراء حضرات کی توہین کر رہے ہیں! ارے ہاں... اس گھپڑ سٹ میں وہ ہاتھ اٹھانے والا شعر تو رہ ہی گیا۔" کہتے ہی اس نے بغیر رکے شعر سنا ڈالا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ شعر کم از کم وزن میں تھا۔

سخت مجنوں کو شکایت ہے جناں تو سے
انگلیاں اٹھتی تھیں اب ہاتھ اٹھا کرتے ہیں

"اب غالباً" تم داد بھی چاہو گے اس کی کہ تمھیں کم از کم ایک اونگا بونگا شعر تو ... طرح یاد ہو گیا؟" میں نے اسے چڑایا۔

"میں سخت احتجاج کروں گا آپ کے تبصرے پر! اس لیے کہ نہ شعر اونگا ہے نہ بو... اس شعر میں جتنا عصری شعور جھلکتا ہے، کم اشعار میں جھلکا کرتا ہے بلکہ اکثر تو جھلکتا ہی نہیں ہے۔ جی ہاں!"

"اب تم مجھے تنقید پر بھی بور کرو گے!"

"چلیں نہیں کرتا۔" وہ بڑے فیاضانہ لہجے میں بولا۔ "آپ بھی کیا یاد کریں گے ..."

ہمزاد سے پالا پڑا تھا۔"

"احسان ہے تمھارا! ورنہ تمھاری بکواس جب ایک بار شروع ہو جاتی ہے تو پھر مشکل ہی سے رکتی ہے۔ ویسے نو دو گیارہ ہونے کے بارے میں کیا خیال ہے تمھارا؟"

"نو دو گیارہ تو کیا میں دس تین بارہ بھی ہو سکتا ہوں، آپ بس حکم کریں!" وہ مسکرایا۔

"تم اتنی غبی کب سے ہو گئے ہو کہ اشارہ بھی نہیں سمجھے!"

"جب سے آپ کی مسمات نفیسہ کو دیکھا ہے۔" اس نے آہ کھینچی۔ "میں اپنی چشم تصور سے ملاحظہ کر رہا ہوں کہ عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ غریب کباب پہ کباب تلے جا رہی ہے تاکہ پیٹ کے راستے آپ کے دل تک پہنچ سکے، مگر آپ بڑے کٹھور ہیں، اسے پیٹ کے رستے دل تک پہنچنے کا راستہ نہیں دیں گے۔ خوب معلوم ہے مجھے!"

"تمھیں بڑی ہمدردی ہو رہی ہے اس سے!"

"کیوں نہ ہو آخر وہ برابر پٹو ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے اور آپ اڑن گھائیاں بھر رہے ہیں۔"

"یہ تم کیا انٹ شنٹ لفظ بولتے رہتے ہو! اڑن گھائیاں کیا ہوتا ہے؟"

"ہوتا نہیں حضور والا، ہوتی ہیں! اور یہ میری اپنی لغت کے الفاظ ہیں۔ اگر زندگی نے وفا کی اور آپ نے گھڑی گھڑی طلب کر کے میرا ناک میں دم نہ کیا تو انشاء اللہ لغت ہمزاد کے عنوان سے ایک لغت ترتیب دوں گا۔" وہ بڑے تفاخرانہ لہجے میں بولا۔

"بس ہوئی زبان کی مٹی پلید! لغت پر تو تم رحم ہی کر دو۔"

"ہاں مجھ سے ہر چیز پر رحم کرائے جائیں اور خود ساری داد و صول کیے جائیں۔ زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے، کیا بھی کیا جائے!" وہ مظلوم نظر آنے لگا۔

"اچھا اب تم جاؤ گے بھی یا..."

"جا رہا ہوں جناب، کیوں خفا ہوتے ہیں، مگر آپ کے حکم کے مطابق ارد گرد ہی منڈلا رہوں گا۔" وہ بولا۔

مجھے اس پر پھبتی کسنے کا موقع مل گیا۔ "تو گویا تم پرندے ہو! اس لیے کہ پرندے ہی منڈلایا کرتے ہیں۔"

"جی نہیں، آج کل سارے چرندوں اور پرندوں کی علاوات حضرت انسان نے اپنالی ہیں۔" وہ فوراً بول اٹھا۔ "علامہ اقبال کا وہ شعر نہیں سنا، 'پلٹنا، جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا اور پھر یہ جو مسمات نفیسہ بیگم آپ کی اطراف منڈلا رہی ہیں تو کیا یہ بھی 'پرندی' ہیں، اس لیے کہ میں

ان کی جنس تو غلط بتا نہیں سکتا۔ پرندے کی مادا کو پرندی ہی کہیں گے نا!"

"تمہارا سر کہیں گے!"

"ہرگز نہیں جناب! اس لیے کہ سر بھی مذکر ہے' مونث نہیں اور پھر ایسی صورت میں تو مزید مذکر ہے جبکہ خود میں مذکر ہوں!... بس بس غصے میں نہ آئیں' یہ گیا میں!" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ شریر غائب ہو گیا۔

بحث میں وہ مجھے اکثر زچ کر دیتا تھا اور جب دیکھتا تھا کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے' راہ فرار اختیار کر لیتا تھا۔

میں کچھ دیر آنکھیں بند کیے آرام کرتا رہا۔ کوئی اچھی سی کتاب پڑھنے کو جی چاہ رہا تھا' لیکن اب وقت نہیں رہا تھا۔ ایک بجنے والا تھا اور نفیسہ نے ایک بجے آنے کو کہا تھا۔ معاً مجھے ایک شرارت سوجھی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے ہمزاد کو طلب کر کے اسے ایک حکم دیا اور مسکرانے لگا۔

پھر ادھر گھڑی نے ایک بجایا' ادھر نیچے دروازے پر دستک سنائی دی۔

"آ رہا ہوں!" میں نے بلند آواز میں کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں اترنے لگا۔

آنے والی نفیسہ ہی تھی اور اس کے ہاتھ میں مجھے ناشتے دان نظر آ رہا تھا۔

"اوپر ہی چلیں۔" اس نے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی کہا۔

"جو آپ کی مرضی!" میں نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔ "کبابوں میں نمک مرچ بھی ٹھیک ٹھاک ڈالا ہے یا پھیکے ہیں؟"

"یہ تو آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا۔ کوئی دعویٰ تو نہیں لیکن مزہ نہ آئے تو کہیے گا!" وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہنے لگی۔

"مزہ تو جب آئے گا خاتون کہ آپ واقعی بے وقوف نہ بنا رہی ہوں مجھے!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب! میں بھلا بے وقوف کیوں بنانے لگی آپ کو!" وہ میری طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایسا بھی ہوتا ہے کبھی کبھی!" میں نے دانستہ ایک عدد آہ بھری۔ "کچھ عشوہ طراز ایسے بھی ہوتے ہیں جو لوگوں کی محرومیوں کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔" وہ پریشان سے لہجے

... بولی۔

"اب کیا صاف صاف کہہ دوں کہ آپ مجھے بے وقوف بنانے کے لیے خالی ناشتے دان ... کر آئی ہوں گی!"

"حد ہے آپ سے بھی! مجھے کیا ضرورت ہے ایسا کرنے کی! اگر کباب نہ کھلانا ہوتے ... تو میں کیوں کہتی!"

"چلیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔" میں نے اس کے ساتھ ساتھ خواب گاہ میں داخل ... کہا۔ "یہیں اس میز پر کھا لیتے ہیں۔ روٹیاں بھی لائی ہیں نا؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں!" وہ بڑی اپنائیت سے بولی۔ "آپ ذرا کسی جگ میں پانی لے ... اور دو گلاس بھی!" اس کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے میرے گھر میں پکنک منانے آئی ہو۔

میں کچھ کہے بغیر خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ باہر نکلتے ہی میرے حکم پر ... نے پانی سے بھرا جگ اور دو گلاس مجھے تھما دیے۔

"ارے اتنی جلدی لے آئے!" وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئی بولی اور ناشتے دان میز پر ... دیا۔

میں اس کی بات کو نظر انداز کرتا ہوا میز کی طرف بڑھا اور کہا۔ "ویسے دو گلاس کیوں ... ہیں آپ نے؟"

"کیوں؟" وہ میری طرف مڑی۔ "کوئی اعتراض ہے آپ کو اس پر؟"

"نہیں' اعتراض تو خیر نہیں۔ بس یہ سوچ رہا تھا کہ... خیر چھوڑیں۔" میں میز کے ... پہنچ گیا اور پھر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کھولیں خالی ناشتے دان!" گلاس اور جگ میں ... میز پر رکھ دیے۔

"آپ پھر وہی بات کرنے لگے!" وہ کچھ نروس سی ہو گئی۔ "یہ دیکھیے' ابھی آپ کو ... کر دکھاتی ہوں۔" وہ ناشتے دان کھولنے لگی۔

پھر اس کی صورت واقعی قابل دید تھی جب ناشتے دان خالی ملا۔ نہ اس میں کباب تھے' ... روٹیاں! ہمزاد میرے اشارے پر پہلے ہی ان پر ہاتھ صاف کر چکا تھا۔

"یہ... یہ... مگر میں نے خود اپنے ہاتھ سے..." وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"اب ہکلانے سے کچھ حاصل نہیں خاتون!" میں بول اٹھا۔ "میں نے اسی لیے اس ... میں شامی کباب بنا لیے تھے کہ بھوکا نہ رہنا پڑے۔ بیٹھیں آپ' میں لے کر آتا ہوں۔"

"لیکن... لیکن..." وہ قسمیں کھانے لگی۔

"چلیں فرق کیا پڑتا ہے! آپ نے نہ سہی تو میں نے کھلا دیے کباب!" میں دروا...
کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"رک جایئے! میں ابھی گھر سے ہو کر آتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا...
میں نے کرسی کھسکنے اور ناشتے دان اٹھانے سے لگایا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا اس کے چہرے پر "زلزلے" کے سے آثار تھے۔ "اس...
مطلب یہ ہے کہ آپ میرے ہاتھ کے بنے ہوئے کباب کھانا نہیں چاہتیں!" میں نے کہا...
اگر ایسا ہے تو پھر میں بھی آپ کے گھر کی کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔"

"آپ... آپ تو غلط... غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں... میں نے یہ کب کہا ہے کہ...
کے کباب..."

"میرے کباب نہیں' بکری کے گوشت کے کباب!" میں نے اسے درمیان ہی...
ٹوک دیا۔ "یقیناً" آپ مجھے آدم خور معلوم نہیں ہوتیں! بیٹھ جایئے پلیز!"

مجبوراً" اسے بیٹھنا ہی پڑا۔ ہمزاد' خواب گاہ کے باہر "چوری کا مال" ایک ٹرے...
سجائے کھڑا تھا اور اس کے ہونٹوں پر بھی بڑی شریر مسکراہٹ تھی۔ میری اس شرارت سے...
بھی یقیناً" لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"کچھ یہ دیر بعد میں نے ٹرے لا کر میز پر رکھ دی اور اس کا خالی ناشتے دان نیچے...
طرف رکھ کر بولا۔ "کھایئے!"

وہ حیرت سے کبابوں اور روٹیوں کو دیکھ رہی تھی۔ روٹیاں اس طرح تہ کی ہوئی...
میں رکھی تھیں جس طرح گھی میں لگا کر اس نے ناشتے دان میں رکھی تھیں۔

"اب بسم اللہ کریں نا! دیکھ کیا رہی ہیں!" میں نے روٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہو...
اس سے کہا۔

پھر جب اس نے ایک لقمہ منہ میں رکھ تو مزید حیران نظر آنے لگی۔

"ہیں نا مزے دار کباب!" میں نے گویا لطف لینے کی خاطر کہا۔

"جج... جی... جی ہاں۔"

وہ منہ چلاتے ہوئے رک رک کر بولی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار اب...
تھے۔

میں بھی تیزی سے کبابوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ ذائقہ واقعی اچھا ہی تھا۔...
شرارت سے اسے خجالت اٹھانا پڑی تھی۔ میں خاصی تفریح لے چکا تھا اس لیے ذرا...

...سین کے لیے فضا ہموار کرنے لگا' میں نے کہا۔ "خاتون! آپ رو رتی منہ بسورتی یا حیران
...ہرگز اچھی نہیں لگتیں۔ میں ذرا صاف گو آدمی ہوں' برا نہ مانئے گا اس بات کا ویسے برا
...ہی گئیں تو میرا کچھ نہیں جائے گا' آپ ہی کا خون جلے گا۔" میرے لہجے کی شوخی نے اس پر
...اثر کیا۔

اس کے چہرے کا تناؤ کچھ کم ہو گیا' پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی آ گئی۔

"اب ہوئی نا بات!" میں نے گویا فوراً" گرہ لگائی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"سمجھانے کے لیے مجھے ایک شعر کا سہارا لینا پڑے گا' کہیں تو عرض کروں!"

"تو آپ شاعر بھی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" میں نے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں
...مجھے شعر پسند ضرور کہہ سکتی ہیں۔"

"سنایئے کیا شعر سنا رہے تھے۔ مجھے بھی شعر اچھے لگتے ہیں' بس یاد نہیں رہتے۔"
میں نے شعر پڑھا۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

"اچھا شعر ہے۔" اس نے تعریف کی اور پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"آپ کھائیں نا اور! کیا اچھے نہیں لگے کباب؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "میں نے تو
...ش کی تھی کہ بالکل ویسے ہی کباب بناؤں جیسے آپ بناتی ہیں"

"یقیناً" آپ نے کوئی چکر چلایا ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔" وہ خوش مزاجی
...بولی۔

"بہت سی باتیں آدمی کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ہوتا ہے ایسا' آپ پریشان نہ ہوں۔"
...نے ہنس کر کہا۔

"لیکن کچھ تو بتائیں کہ یہ ہوا کیسے؟" وہ میرے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پوچھنے
...لگی۔

"مگر کیا؟" میں جان کر انجان بن گیا۔

"معلوم تو سب کچھ ہے آپ کو! اب زیادہ نہ بنائیں۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"چھوڑیں یہ قصہ! بہرحال کباب عمدہ تھے۔ شکریہ آپ کا!" میں نے گویا اپنی دانست

میں ڈراپ سین کر ہی دیا۔

"میرا شکریہ!... وہ کیسے؟ کباب آپ نے کھلائے ہیں اور شکریہ میرا ادا کر رہی ہیں۔"

"کھلائے میں نے ہیں مگر بنائے تو آپ ہی نے ہیں!" میں نے مزید بات صاف کر دی۔

"جبھی میں حیران ہو رہی تھی کہ اتنا ذائقہ کس طرح یکساں ہو سکتا ہے!... لیکن ... میں پھر وہی سوال کروں گی کہ..."

"اور میں آپ کو اس کا جواب نہیں دوں گا۔" میں نے درمیان ہی میں سے اس بات کاٹ دی۔ "اب یہ موضوع ختم! چلیں نیچے نشست گاہ میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"کیوں' یہاں کیا ہوا؟"

"ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے طبیعت بھی تو اوب جاتی ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے تو خود یہ حیرت ہوتی ہے کہ آپ ہر وقت کس طرح گھر میں گھسے رہتے ہیں۔ میں تو جب دیکھتی ہوں آپ گھر ہی میں ہوتے ہیں۔ کیا باہر بالکل نہیں نکلتے؟"

"تنہا کہاں گھوموں؟"

"تو میرے ساتھ چلیے! آج شام کو چلتے ہیں کہیں گھومنے۔" اس نے پیشکش کی۔

"جوان جہان لڑکیوں کے ساتھ گھومنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ مجھ پر نہیں تو آپ پر لوگ انگلیاں اٹھائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتا۔"

"میں اب اس کی پروا نہیں کرتی!" وہ کسی قدر سخت لہجے میں بولی۔ "جب لوگوں کو میری پروا نہیں تو میں کیوں ان کی پروا کروں!"

"اگر آپ کو کوئی پروا نہیں تو چلے چلیں گے' مگر وہ آپ کا ایک عدد منگیتر..."

"ذکر نہ کریں اس لعنتی کا! میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ ہرگز اس سے شادی نہیں کروں گی!" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

"اور آپ کے والدین؟ ان سے کیا کہیں گی؟ انھیں کس طرح ہموار کریں گی؟" میں نے پوچھا۔

"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"میرا ایک مشورہ ہے' اگر آپ قبول کریں۔" میں بولا' پھر بغیر رکے کہنے لگا۔ "آپ پہلے کوئی اور مناسب بندہ تلاش کر لیں۔ ایسی صورت میں شاید آپ کے والدین کو کوئی اعتراض نہ ہو!"

میری بات سن کر اس نے بہ غور میرے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی نظریں عجیب سی تھیں۔ چند لمحے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "آپ میری سمجھ میں بالکل نہیں آئے! آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"آپ کی بہتری! اس کے سوا میرا کوئی اور مقصد و منشا نہیں ہے۔" میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ "آپ چاہیں تو مجھے اپنا ہمدرد اور دوست سمجھ سکتی ہیں!"

"صرف دوست؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

گھڑی بھر کو میں کچھ گڑبڑا گیا مگر فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور جواباً کہا۔ "جی ہاں خاتون' صرف دوست! اس سے زیادہ کا میں اہل نہیں ہوں۔"

"آپ اہل نہیں یا مجھے اس کا اہل نہیں سمجھتے؟" اس کی آواز میں بڑی چبھن تھی۔

میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پرسکون آواز میں کہا۔ "دیکھیے خاتون' دوستی بھی معمولی بات نہیں۔ آپ اسے غیر اہم کیوں سمجھتی ہیں؟"

"مگر یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں!"

"ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب دیا جا سکے۔ زندگی خود ایک سوال ہے جس کے جواب میں دفتر کے دفتر سیاہ کیے جا چکے ہیں مگر یہ سوال ہنوز جواب طلب ہے۔ کسی نے اسے عناصر میں ظہور ترتیب کا نام دیا اور کوئی اسے دیوانے کا خواب کہتا رہا اور..."

"میں کسی اور کی نہیں' اپنی اور آپ کی بات کر رہی ہوں اور اسی حوالے سے زندگی کی تشریح چاہتی ہوں۔" وہ بہ راہ راست مجھے گھیرنے لگی۔

"بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے امتحان میں نہ ڈالیں اور میں نے دوستی کی جو پیشکش کی ہے' اسے قبول کر لیں۔"

"ٹھیک ہے' میں سمجھ گئی۔" اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ کیا سمجھی تھی' کیا نہیں' میں نے اس کی تشریح نہیں چاہی اور موضوع گفتگو بدلنے کی خاطر بولا۔

"تو پھر چلیں گی نا آج شام کو گھومنے؟"

"کچھ دیر وہ خاموش رہی' پھر نظر جھکا کر گردن اقرار میں ہلا دی۔ وہ پھر ایک بار اداس نظر آنے لگی تھی۔ اس کی اداسی کا سبب مجھ سے زیادہ اور کون جانتا! میں نے صرف دوستی کی پیشکش کر کے گویا اس کی بقیہ توقعات پر پانی پھیر دیا تھا۔ میرے نزدیک یہ ضروری تھا۔ میں اسے کسی خوش فہمی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پہلے ہی ایک ستم رسیدہ لڑکی تھی۔ نئی توقع اور نئے خوابوں کے زخم اسے مزید توڑ کے رکھ دیتے۔ اب سے پہلے میں نے کبھی کسی لڑکی کے

معاملے میں اس ہمزاد کی مدد اور اس کا تعاون حاصل نہیں کیا تھا' لیکن نفیسہ کا مسئلہ مختلف تھا۔ مجھے علم تھا کہ اگر ہمزاد ایک بار اس کے ذہن میں وہ بات بٹھا دیتا جو میں چاہتا تھا تو پھر میرے لیے کوئی مشکل نہیں رہتی۔ میری خواہش تھی کہ وہ بہ حیثیت دوست مجھے قبول کرلے اور اس سے زیادہ کوئی توقع نہ رکھے۔ اسی میں اس کی اور میری بہتری تھی۔

"میں آیا ابھی!" یہ کہہ کر میں تیزی کے ساتھ اٹھ کر خواب گاہ سے باہر چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحے ہمزاد میرے سامنے تھا اور میں اس سے اپنی خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔

"الٹی گنگا بہہ رہی ہے آج کل!" وہ شوخی سے بولا "ایک وہ زمانہ تھا کہ جب..."

"ہوگا! تم سے جو کہہ رہا ہوں' وہ کرو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور دوبارہ تیزی سے خواب گاہ میں واپس آگیا۔

ہمزاد میرے پیچھے ہی پیچھے خواب گاہ میں آگیا تھا۔ چند لمحوں کا کھیل تھا۔ میں نے ہمزاد کو نفیسہ کے قریب دیکھا اور پھر نفیسہ کا چہرہ کسی گلاب کے مانند کھل اٹھا۔ میں نے ہمزاد کو اشارے سے رخصت کر دیا کیوں کہ میرا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

میں نے نفیسہ کو آزمانے کی خاطر ایک ایسا سوال کیا جو کوئی دوست ہی دوسرے دوست سے کر سکتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ "خاتون! آپ نے کبھی کسی سے عشق بھی کیا ہے؟"

"یہ آپ مجھے 'خاتون خاتون' نہ کہا کریں!" وہ بے تکلفی سے بولی۔ "دوستی میں یہ تکلف اچھا نہیں لگتا' نام لیا کریں نا میرا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا!"

"کیا تو ہے عشق' مگر ناکام ہی سمجھیں!"

"کیوں؟"

"کامیاب میں اسے جب کہتی کہ وہ زندگی بھر ساتھ نبھانے پر آمادہ ہو جاتا۔"

"کوئی وجہ تو ہوگی انکار کی یا ناکامی کی؟"

"اسے وہ شرائط قبول نہیں تھیں جو میرے والدین کے لیے لازمی ہیں۔ میں اس کی خاطر اپنے ماں باپ کو تو نہیں چھوڑ سکتی تھی نا!"

"تو یہ سبب ہوا' عشق میں ناکامی کا!" میں نے طویل سانس لے کر کہا' پھر پوچھا۔ "آپ کی برادری ہی کا تھا وہ؟"

"پھر وہی آپ؟" اس نے مجھے ٹوکا۔

"یار' عادت چھوٹتے چھوٹتے ہی تو چھوٹے گی' تم میرے سوال کا جواب دو۔"

"برادری ورادری کا نہیں تھا۔ میرے ساتھ دفتر میں کام کرتا تھا اور... کرتا کیا تھا' اب ی کام کرتا ہے۔"

"تمہارے والدین نے اعتراض نہیں کیا اس بات پر کہ وہ غیر برادری کا ہے؟" میں ے دریافت کیا۔

"ان تک بات ہی نہیں پہنچی۔ ویسے مجھے امید تھی کہ میں انھیں راضی کرلوں گی۔"

"لیکن تم تو کہہ رہی تھیں کہ اس نے تمہارے والدین کی شرائط قبول نہیں کیں؟"

"مجھے علم تھا نا کہ وہ کیا چاہتے ہیں! ابھی میں نے ایاز سے کہہ دیا تھا۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا تھا کہ اگر وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں نوکری نہیں چھوڑوں گی اور نہ اپنے والدین کے گھر کو خیرباد کہوں گی بلکہ اسے میرے ساتھ رہنا پڑے گا۔" اس نے بتایا۔

"ایاز غالباً' انھی ذات شریف کا نام ہے' جنھوں نے یہ شرائط قبول نہیں کیں!" میں ے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔" اس نے تصدیق کی "ویسے وہ مجھے آج بھی چاہتا ہے' لیکن میرا دل اس کی رف سے کھٹا ہو چکا ہے۔ محبت قربانی چاہتی ہے اور وہ اس سے گریز کرتا ہے۔ یہ کہاں کی ت ہوئی! حالانکہ اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں' تنہا رہتا ہے' اس کے باوجود میرے ساتھ ہنے پر راضی نہیں ہوا' خود غرض کہیں کا! کہتا تھا' نوکری چھوڑنا پڑے گی اور تمھیں پردے یں رکھوں گا میں! عجب دقیانوسی ذہنیت تھی اس کی! اگر مجھے پہلے سے اندازہ ہو جاتا کہ وہ ایسا ہے تو قریب ہی نہ جاتی اس کے!" وہ کچھ غصے میں آگئی۔

"خیر چھوڑو غصہ! یہ اپنی اپنی ذہنیت کی بات ہے' مگر یہ بتاؤ' کیا تم بھی سیریس تھیں اس کے لیے؟"

"ہاں تھی تو مگر اب نہیں ہوں۔" وہ صاف گوئی سے بتانے لگی۔

"وجہ غالباً" وہی ہوگی جو ابھی تم بیان کر چکی ہو۔ اس کے سوا تو کوئی اور بات نہیں تھی؟"

"نہیں' بس یہی بات تھی۔ ویسے میں اب پردے کی بوبو بن کر بھی نہیں رہ سکتی۔"

"تمہارے حسن بلاخیز سے ڈرتا ہوگا وہ غریب! اسی لیے پردے میں رکھنا چاہتا ہو گا" میں نے ہنس کر کہا' پھر بولا "یہ واقعہ کب کا ہے؟"

"تین چار سال ہوگئے۔"

"شادی تو نہیں کی اس نے ابھی؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن آپ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہیں؟"

"اب ایسا بھی ظلم نہ کرو۔" میں معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔

"ظلم!... کبھی نہیں میں!" اس نے حیرانی کے ساتھ کہا۔

"یہ ظلم... تو نہیں تو کیا ہے کہ تم اس غریب کو مردہ کہہ رہی ہو!"

"میں نے کب مردہ کہا؟" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس بے چارے کا اتنا ہی تو قصور ہے نا کہ عشق کیا اور بس!"

"ویسے میں اس کی عزت اب بھی کرتی ہوں۔" وہ سنجیدہ نظر آنے لگی۔ "اگر وہ دفتر میں نہ ہوتا..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی، پھر خود ہی ذرا دیر کے بعد بولی۔ "آپ سمجھتے ہیں نا کہ لوگ تو عورت کو بس کانچ کی گڑیا سمجھتے ہیں!... ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں نا!... وہ... اب تک میرے لیے ڈھال بنا ہوا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو... تو شاید مجھے نوکری چھوڑنا پڑتی۔"

"میرا خیال ہے کہ عزت اور محبت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ وہ صرف عزت کیے جانے پر مطمئن نہیں ہوگا۔ خیر اپنے اپنے احساس کی بات ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا مطالبہ اتنا خود غرضانہ بھی نہیں تھا جتنا تم نے سمجھ لیا۔ ہر آدمی اپنے طور پر زندگی کو برتنا اور محسوس کرنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک یہی مناسب رہا ہوگا کہ ہونے والی شریک حیات نوکری نہ کرے۔"

"لیکن... لیکن میں... آپ ہی بتائیں کہ اس کی خاطر اپنے ماں باپ کو کیسے چھوڑ دیتی؟" وہ بولی "ویسے ایک بار اس نے یہ پیشکش بھی کی تھی کہ الگ رہتے ہوئے وہ میرے والدین کا خرچ بھی اٹھاتا رہے گا لیکن ان کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں تھا۔"

"تو پھر اس پر تو تمھیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا!"

"ابھی آپ خود کہہ چکے ہیں کہ ہر آدمی اپنے طور پر زندگی کو برتنا اور محسوس کرنا چاہتا ہے! میں... میری غیرت یہ... یہ کیسے گوارا کر لیتی۔ میں اس پر کیوں بوجھ بن جاتی اور... پھر اپنی حد تک بھی اگر یہ گوارا کر لیتی تو والدین کے سلسلے میں کس طرح اس کی پیشکش قبول کر لیتی! پھر یہ... یہ کہ میں خود کماتی ہوں، کما سکتی ہوں! یہ تو وہی بات نہ ہوئی کہ آدمی اپنی خوشی کی خاطر دوسرے کو پنجرے میں قید کر دے اور محبت کا نام دینے لگے!"

"کبھی تم نے ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کیا کہ آخر ایاز ایسا کیوں چاہتا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں!" وہ جلدی سے بولی۔ "بس خود غرضی!"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔" میں نے پرسکون آواز میں کہا۔ "اور اس کی وجہ ہے۔ تم

ابھی کہہ چکی ہو کہ اگر ایاز دفتر میں نہ ہوتا تو تم شاید نوکری چھوڑ دیتیں۔ کہا تھا نا تم نے؟" اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی ہمارا معاشرہ اس سطح... اس ذہنی سطح تک پہنچ سکا جہاں وہ یہ بات محسوس کر سکے کہ اگر کوئی لڑکی اپنے گھر سے نکل کر نوکری کرنے آئی ہے تو اس کی وجہ ہی ہوگی! ممکن ہے، اسے حالات نے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو! اگر یہ 'گداز' یہ احساس لوگوں کے دل میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ اس طرح کی حرکتیں نہ کریں کہ لڑکیاں... میری مراد حساس اور شریف النفس لڑکیوں سے ہے، وہ نوکری چھوڑنے کے بارے میں سوچنے لگیں۔ سمجھ رہی ہو نا تم! اس فضا میں اگر کوئی محبت کرنے والا یہ سوچتا ہے کہ اس کی محبوبہ نوکری نہ کرے تو اسے خود غرضانہ فعل نہیں کہا جا سکتا۔ بتاؤ غلط کہہ رہا ہوں میں؟"

جواب میں وہ کچھ نہ بولی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی شاید!

"تصویر کا صرف ایک ہی رخ نہیں ہوتا نفیسہ!" میں نے اسے خاموش دیکھ کر مزید کہا۔ "دوسرے کا دکھ اور اس کا مسئلہ بھی سمجھنا چاہیے۔ کچھ کھو کر آدمی کو کچھ ملتا ہے۔ زندگی میں ہر شے کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہ ادائیگی کہیں ایثار و قربانی کی صورت میں ہوتی ہے، کہیں مال و زر کی صورت میں اور کہیں محبت کی شکل میں! مسئلہ صرف حالات ہیں کہ ان کا سامنا کیا ہے! کامیابی انھی کا مقدر ہوتی ہے، جو حالات کے تقاضوں کو سمجھ لیتے ہیں۔"

"مگر اب... اب ان باتوں سے کیا حاصل! میں... میں اسے ایک عرصے قبل صاف صاف جواب دے چکی ہوں۔" اس نے بجھے بجھے سے لہجے میں کہا۔

"اگر اس نے تمھارے جواب کو قبول کر لیا ہوتا تو شاید اب تک اپنا گھر بسا چکا ہوتا۔ میرا اندازہ یہ ہے اور خود تم نے بھی اس کا اقرار کیا ہے کہ وہ اب بھی تمھیں چاہتا ہے۔"

"تو... تو پھر مجھے... مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ میری باتوں سے کچھ پگھلنے لگی۔

"سوچیں گے۔" میں طویل سانس لے کر بولا۔ "سوچنے سے کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ دراصل کچھ تمھیں اور کچھ اسے دونوں ہی کو اپنے رویے میں تھوڑی لچک پیدا کرنا پڑے گی۔ خیر... فی الحال تو تم اپنے والدین سے اس سلسلے میں کچھ نہ کہو۔ پہلے یہ ضروری ہے کہ خود تم اور ایاز دونوں ذہنی طور پر ایک دوسرے کو قبول کرنے پر راضی ہو جاؤ۔ تمھیں چاہیے کہ کل سے تم اس کے ساتھ اپنا رویہ بدل دو! اور ہاں، تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کیا ایاز کو تمھاری نسبت کا علم ہو چکا ہے؟"

"ہاں میں نے خود ہی اسے یہ بات بتائی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کا ردعمل کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا اور صرف ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"تم نے سوچا" کس لیے اسے یہ بات بتانا ضروری سمجھی!... یقیناً" تم نے اس پر غور نہیں کیا ہو گا۔ دراصل لاشعوری طور پر اس طرح تم اسے اذیت دینا چاہتی تھیں۔ تمہارا جذبہ انتقامی تھا کہ دیکھو اگر تم نے مجھے نہیں اپنایا' میری شرائط قبول نہیں کیں تو دوسرا شخص ان شرائط پر راضی ہو گیا۔ کیوں' ایسا ہی تھا نا؟"

"ممکن ہے' آپ کا خیال درست ہو!" اس نے اقرار کیا۔ "ہاں مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ جب اسے یہ بات بتا رہی تھی تو خود میرا سینہ دھواں دھواں تھا۔ بہ ظاہر میں خوشی کا اظہار کر رہی تھی لیکن اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھی۔"

"اور یہی اندر اندر ٹوٹنا محبت کی علامت ہے۔" میں نے کہا۔ "اور اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ تم نے گھاٹے کا سودا کیا تھا تم پچھتا رہی تھیں!"

"ہاں یہ تو ہے!" اس نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ یقیناً" اس کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاریاں تھیں ورنہ وہ اقرار نہ کرتی۔

میں بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا اور وہ بیتے لمحوں کے دکھ میں اداس ہونے لگی تھی اس لیے مجھے موضوع گفتگو بدلنا پڑا۔ "سنو نفیسہ! شام کو تو گھومنے چلو گی نا؟"

"ہاں ہاں' کیوں نہیں!" وہ چونک کر بولی۔

"تو پھر اب جاؤ تمہارے اماں ابا جانے کیا سوچ رہے ہوں گے کہ لونڈیا جا کے چپک گئی وہاں! لوٹی نہیں اب تک!" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"ایسے نہیں ہیں وہ!" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "انھیں مجھ پر پورا بھروسا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو گھر سے باہر ہی نہ نکلنے دیتے!"

"میرا جی چاہا کہہ دوں' بی بی! یہ سب خوش فہمی ہے تمہاری! اس دنیا میں بڑے بڑے ہیں' سب کچھ جانتے بوجھتے کچھ نہیں کہتے۔ کچھ اپنی مجبوریوں کے سبب اور کچھ مصلحتوں اور کم ہمتی کی وجہ سے! مگر میں پی گیا اور کچھ نہ کہا۔ خواہ مخواہ اس کی دل آزاری ہوتی جو میرا مقصد نہیں تھا۔ بہرحال وہ اپنا ناشتے دان لے کر شام پانچ بجے آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

دوپہر کو عموماً" کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کے بعد میں سونے کا عادی تھا۔ آج نہ ابھی تک نماز پڑھ سکا تھا اور نا ہی سو سکا تھا اس لیے نفیسہ کے جاتے ہی پہلے نماز پڑھی اور پھر سو گیا۔

شام کو آنکھ کھلی تو ساڑھے چار بج رہے تھے۔ نفیسہ کے آنے میں کم وقت رہ گیا تھا اس لیے میں نے جلدی جلدی غسل کیا' عصر کی نماز پڑھی اور پھر کپڑے بدلنے لگا۔ ابھی کپڑے بدل ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہونے لگی۔ میں قمیض کی آستین میں ہاتھ ڈالتا ہوا خواب گاہ سے نکلا۔ نیچے پہنچتے پہنچتے میں نے قمیض پہن لی اور بٹن لگا لیے۔

"تم تو وقت کے معاملے میں بالکل انگریز ہو!" میں نے دروازہ کھولتے ہی کہا' پھر جب اس پر بھرپور نظر ڈالی تو لباس کے انتخاب کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ "تم بس سادگی ہی باندھا کرو' اچھی لگتی ہے تم پر۔"

"ایاز بھی یہی کہتا تھا۔" وہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔

تو گویا میری باتوں کا اس پر واقعی اثر ہوا ہے ورنہ اس وقت "عاشق نامراد" یاد نہ آیا ہوتا۔ میں نے سوچا اور پھر اسے نشست گاہ میں لا کر بٹھا دیا۔ "میں ابھی جوتے اور موزے پہن کر آتا ہوں' اوپر سے! تم بیٹھو آرام سے! اور اس دوران میں یہ سوچ لو کہ کہاں گھومنے چلنا ہے!" یہ کہہ کر میں نشست گاہ سے باہر آ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد نفیسہ کے ساتھ ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا جناح ایونیوں کی طرف جا رہا تھا۔ کچھ دیر اس علاقے میں گھوم کر ہمارا ارادہ رمنا پارک کی طرف جانے کا تھا۔ جناح ایونیو' ڈھاکہ کے اچھے علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہیں ڈھاکہ کی مشہور مسجد بیت المکرم بھی ہے اور ڈھاکہ اسٹیڈیم بھی۔ مسجد' ڈھاکہ اسٹیڈیم کے قریب ہے۔ اسٹیڈیم کی داہنی جانب مشہور اور تاریخی اہمیت کا حامل پلٹن میدان ہے۔

جناح ایونیو پہنچ کر ہم نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پھر ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھومتے رہے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر شاید ہی کوئی یہ کہہ سکتا کہ ہمارے تعلقات صرف دوستی کی حد تک ہیں۔

"کیوں نہ یہاں سے پیدل ہی رمنا پارک کی طرف چلیں!" میں نے تجویز پیش کی۔

"ہاں چل سکتے ہیں' دور ہی کتنا ہے یہاں سے!" وہ خوش مزاجی سے بولی۔ "مگر میرے ذہن میں کچھ اور ہی تھا' خیر چھوڑیں!"

"بتاؤ نا کیا تھا؟" میں پوچھا۔

"میں فلم دیکھنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ہم اس وقت گلستان سینما کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

"پھر کبھی سہی!" میں بولا۔ "ساری خوب صورت شام وہیں غارت ہو جائے گی۔ دیکھو کیسے حسین بادل گھر گھر کے آرہے ہیں! کیسا اچھا موسم ہے! اس موسم میں تو جھیل کنارے زیادہ لطف آئے گا۔ کیوں ہے نا؟" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بادل تو مجھے بھی اچھے لگ رہے ہیں' مگر برسنے لگے تو سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔" وہ ہنس کر بولی۔

"کیوں' بھیگنے میں بھی تو لطف آتا ہے!"

"اور تماشا بھی بن جاتا ہے آدمی!" وہ شوخی سے بولی۔ "خاص طور پر لڑکیاں تو واقعی دیکھنے کی چیز بن جاتی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔

"میں اس کا اشارہ سمجھ گیا اور خود بھی ہنسنے لگا۔ پھر کہا۔ "ایسا کرتے ہیں کہ پیدل چلنے کی بجائے رمنا پارک کے لیے ٹیکسی کر لیتے ہیں یہاں سے! وہیں گپ لڑائیں گے' جھیل کے کنارے!"

رمنا پارک سے گرین روڈ کی طرف جاتے ہوئے ایک خوب صورت جھیل تھی۔ میں اور نفیسہ' ٹیکسی میں بیٹھ کر ذرا دیر ہی میں وہاں پہنچ گئے۔ نفیسہ نے میرے تجویز فوراً مان لی تھی۔

ایک تو چھٹی کا دن تھا' دوسرا موسم بھی خوش گوار اس لیے جھیل کے کنارے کنارے سبزہ زار پر خاصے لوگ موجود تھے۔ میں کسی مناسب جگہ کی تلاش میں نفیسہ کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہا تھا کہ ایک دم ٹھٹک گیا۔ سامنے سے ایک جوڑا ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آتا دکھائی دیا۔ یہ دونوں ہی میرے لیے اجنبی نہیں تھے۔ میں ان دونوں کو خلاف توقع وہاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے ان دونوں کو پہلی بار چاٹگام کے ایک پارک میں دیکھا تھا۔ لڑکے کا نام زاہد تھا اور لڑکی کا نام ثمینہ! یہ وہی ثمینہ تھی جو مہ پارہ کے ایماپر میرے پیچھے لگ گئی تھی اور میں بہ مشکل اس سے جان چھڑا سکا تھا۔ یہ دونوں ڈھاکہ ہی کے رہنے والے تھے۔ ثمینہ شادی شدہ اور تین بچوں کی ماں تھی اور عمر میں بھی زاہد سے بڑی۔ زاہد کنوارا تھا۔ ثمینہ اس کے ساتھ اپنے بچوں اور شوہر کو چھوڑ کر فرار ہو گئی تھی۔ وہ دونوں فرار ہو کر چاٹگام پہنچے تھے۔ چاٹگام تک کے واقعات یہ تھے کہ ثمینہ کو اپنے بچوں کی محبت ستا رہی تھی۔ وہ بغیر طلاق لیے زاہد سے شادی کرنا نہیں چاہتی تھی اور زاہد اس پر بہ ضد تھا۔ ان دونوں کی گفتگو سن کر ہی مجھے ان کے حالات سے

آگہی ہوئی تھی اور مہ پارہ نے ثمینہ کو اپنی پُراسرار قوت کے اثر میں لے کر مجھے پھانسنے کے لیے ایک اور ہی چکر چلا دیا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں مجھے پھر کہیں نظر نہیں آئے تھے۔ وہ دوبارہ کیسے مل گئے؟ اور پھر ڈھاکہ کس طرح واپس آگئے؟ اس سے میں بے خبر تھا۔ ڈھاکہ سے تو وہ دونوں فرار ہوئے تھے' پھر یہاں کیسے واپس آگئے؟ انھیں دیکھتے ہی چند ہی لمحوں میں تیزی کے ساتھ سارے واقعات میرے ذہن میں تازہ ہو گئے۔ ابھی دونوں چند گز کے فاصلے پر تھے۔

میں لاشعوری طور پر ٹھٹک کر رک گیا تھا اور اس بات کو غالباً" نفیسہ نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ وہ بولی "کیا ہوا؟ رک کیوں گئے؟"

میں چونک اٹھا۔

"ہاں... ہاں چلو۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ شاید نفیسہ نے یہ بات محسوس نہیں کی ہو گی کہ ان دونوں کو آتے دیکھ کر میرے قدم خود بہ خود رک گئے تھے' مگر ایسا نہیں تھا۔ اس بات کا علم مجھے فوراً" ہی ہو گیا۔ نفیسہ نے مجھ سے پوچھ ہی لیا۔ کیا ان دونوں کو آپ جانتے ہیں؟" اس کی آواز دھیمی ہی تھی کیوں کہ اب وہ دونوں مزید قریب آگئے تھے۔

"ہاں۔"

میں جھوٹ نہ بول سکا۔ "خیر چھوڑو آؤ!" میں نفیسہ کو ساتھ لیے ایک طرف ہو گیا۔

جب وہ دونوں مجھ سے کچھ فاصلے پر باتیں کرتے ہوئے گزر رہے تھے تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"ثمینہ! تم کچھ بھی کہو' یہ کانٹا تو نکالنا ہی پڑے گا۔ زاہد اس سے کہہ رہا تھا۔

"اس جگہ تو ایسی باتیں نہ کرو۔" ثمینہ کی دبی دبی سی آواز سنائی دی۔ ہمارے ارد گرد اور لوگ بھی ہیں! تم میں ذرا عقل نہیں!"

"تو پھر کب کروں یہ بات! کہاں کروں؟" زاہد کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

"صبر سے کام لو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں جلد ہی اس سے..." وہ دونوں دور چلے گئے اور ثمینہ کی آواز ہجوم کے شور میں دب گئی۔ آدمی چاہے نہ چاہے لیکن اس کے علم میں کوئی ایسی بات آجائے تو حقیقت تک پہنچنے کا تجسس دل میں پیدا ہوتا ہی ہے۔ ہر چند کہ وہ دونوں میرے لیے قطعی اجنبی تھے' ان سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا' بس چاٹگام میں کچھ وقت ان کی باتیں سنتے اور پھر اس لڑکی سے جان چھڑاتے ہوئے عرصہ گزرا تھا' مگر اس کے باوجود

میں لا تعلق نہ برت سکا۔ یقیناً" ثمینہ مجھے نہیں پہچان سکی تھی اور پہچانتی بھی کیسے! اب تو میرا ظاہر ہی بدل چکا تھا۔ اس کے نوجوان عاشق نے لفظ کانٹا کس کے لیے استعمال کیا ہو گا' یہ بات مجھ پر چھپی نہ تھی۔ "یہ کانٹا تو نکالنا ہی پڑے گا۔" اس کا مطلب سمجھنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ یہ جملہ یقیناً" اس نے ثمینہ کے شوہر شوکت کے لیے استعمال کیا تھا' گویا وہ ثمینہ کے شوہر کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور ثمینہ سے اس کی تائید چاہ رہا تھا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔

"کیا غلط ہے؟ کیا نہیں ہونے دیں گے آپ؟ کچھ مجھے بھی تو بتائیں نا بھئی!" نفیسہ نے مجھے مخاطب کیا۔

میں چونک اٹھا اور جھنیپ مٹانے کی خاطر ایک دم ہنس پڑا۔ "کچھ نہیں یار! میں ایسے ہی فنتشی مار رہا تھا۔"

"فنتشی!... یہ کس چڑیا کا نام ہے؟" وہ ہنس کر پوچھنے لگی۔

"فنتشی بس فنتشی ہوتی ہے!" میں ہنس کر بولا۔ "اس کا نعم البدل کوئی لفظ نہیں۔"

"ویسے بائی دی وے' آپ کو بیٹھے بیٹھائے ہو کیا گیا تھا؟" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

"بس یوں ہی کبھی کبھار چل نکلتا ہوں' کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے بات کو ٹالنے کی خاطر کہا۔

"ان خاتون سے کوئی پرانا چکر تو نہیں چل رہا جو ابھی لہراتی بل کھاتی ہوئی کسی کا ہاتھ تھامے ادھر سے گزری تھیں؟ سچ بتا دیں' کہوں گی نہیں کسی سے! اس لیے کہ جب سے وہ خاتون ادھر سے گزری ہیں' آپ کا حال بے حال ہے اور بہ قول خود آپ کے' آپ چل نکلے ہیں!"

"نہیں نا یار' ایسی کوئی بات نہیں! تم خواہ مخواہ پر کا کوا بنا رہی ہو۔"

"یہ اقرار تو آپ کر ہی چکے ہیں کہ ان دونوں کو جانتے ہیں' اب ذرا تفصیلی تعارف بھی کرا ہی دیں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم تو جھاڑ کا جھینترا ہو گئیں!" میں زچ ہو کر بولا۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"بس ہوتا ہے! ہر بات تو بتائی نہیں جا سکتی نا!"

کچھ بھی ہو لیکن میں بہرحال جھینترا ہرگز نہیں ہو سکتی! ہاں آپ جھینتھری کہہ

تو شاید میں یقین کر لیتی۔" وہ شوخی پر اتری ہوئی تھی۔

"اچھا چلو جھینتھری سہی! اب خوش!" میں نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

"غرض کہ آپ مجھے لفظوں کے اس گورکھ دھندے میں پھنسا کر بتائیں گے نہیں اصل بات! ایسا ہی ہے نا؟"

"کوئی بات ہو تو بتاؤں بھی! ویسے کیا یہ ممکن نہیں' تم کچھ دیر خاموش رہ کر موسم کے حسن کو محسوس کرو! دیکھو جھیل کا پانی یہاں سے کتنا اچھا لگ رہا ہے' اور وہ پرندے دیکھ رہی ہو! کس طرح قطار بنا کے آگے پیچھے اڑتے جا رہے ہیں۔!" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ میری باتوں میں آ ہی گئی۔ میں اسے بتاتا بھی تو کیا بتاتا! بہ ظاہر تو میں موسم لطف اندوز ہو رہا تھا لیکن در حقیقت میرا ذہن انھی میں الجھا ہوا تھا۔ وہاں اب میرا جی قطعی نہیں لگ رہا تھا۔ جب آدمی کے اندر موسم تبدیل ہو جائے تو باہر کا موسم بھی ویسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ نفیسہ موسم کے حسن اور نظاروں کی دل کشی میں کھوئی ہوئی تھی۔ ایسے میں اگر میں اس سے واپسی کے لیے کہتا تو یقیناً" یہ ظلم ہوتا۔ وہ محروم لڑکی شاید ایک طویل عرصے کے بعد اپنے ماحول کے حبس اور حالات کی گھٹن سے باہر نکلی تھی۔ اس کے انداز و اطوار سے یہی ظاہر ہو رہا تھا' لیکن میرا ذہن کہیں اور ہی تھا میں یہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد گھر پہنچ کر ہمزاد کے ذریعے ان دونوں کے حالات سے واقف ہو جاؤں اور اس سلسلے میں فوری طور پر جو ممکن ہو' وہ کروں۔ یہ معاملہ میرے اندازے کے مطابق ایک بے گناہ شخص کے متوقع قتل کا تھا اور یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی۔ بہرحال یہ غلط ہی ہوتا کہ میں مقدور رکھنے کے باوجود خاموش رہتا۔

وہ لمحہ غالباً" قبولیت ہی کا تھا۔ بس اچانک یہ ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ صرف چند ہی جوڑے اور کچھ ہی افراد پھوار کے باوجود وہاں رکے باقی سب جلدی جلدی اپنے اپنے گھر کی راہ لینے لگے۔ انھی میں نفیسہ بھی تھی اور میں بھی!

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ بھیگنے میں بھی مزہ آتا ہے!" وہ میرے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی بولی۔

"اور اپنی بات بھول گئیں کہ لڑکیاں تماشا بن جاتی ہیں!" میں نے بھی جواباً" کہا۔ "تو میں تمھیں تماشا تو نہیں بنانا چاہتا نا!"

پھوار کے ساتھ ہی تیز ہوا بھی چل رہی تھی۔ نفیسہ کی زلفیں اس تیز ہوا سے بکھر رہی تھیں اور وہ بار بار انھیں سنوار رہی تھی۔ اس کی سادگی بھی اسے پریشان کر رہی تھی۔

بہر حال کسی نہ کسی طرح کافی وقت کے بعد ہمیں ایک ٹیکسی مل ہی گئی۔ اس دوران میں نفیسہ اور میں دونوں ہی تقریباً" بھیگ گئے تھے۔ میں دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا کہ کہیں میرے اندر چھپا ہوا شیطان مجھے آزمائش میں نہ ڈال دے۔

محمد پور پہنچ کر میں نے نفیسہ کو اس کے گھر کے دروازے پر اتارا کیوں کہ اس وقت تک پھوار' تیز بارش میں بدل چکی تھی۔

"پکوڑے تلنے کا موسم ہے۔" وہ چلتے چلتے بولی۔ "کہیں تو لاؤں تل کے؟"

"نہیں۔" میں نے ٹیکسی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ جلدی سے جاکر کپڑے بدل لو ورنہ زکام ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر میں نے ٹیکسی والے کو اشارہ کیا اور بولا۔ "اب ذرا اس طرف سامنے والے مکان کے دروازے پر روک لو' میں اتنے میں پیسے نکالتا ہوں۔"

میں نے ٹیکسی والے کو منہ مانگے پیسے دیے تھے اس لیے اس نے انکار نہیں کیا اور ٹیکسی موڑ ماڑ کر میرے گھر کے دروازے سے لگادی۔ میں نے اسے پیسے ادا کیے اور ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اتر گیا۔

گھر میں پہنچتے ہی میں نے لباس تبدیل کیا' مغرب کی نماز پڑھی اور پھر فوراً" ہی ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"ارشاد عالی!" ہمزاد ظاہر ہوتے ہی میرے سامنے مودبانہ جھکا۔ "پکوڑے حاضر کروں یا گرم گرم چائے؟"

اس کا انداز ایسا ہی تھا کہ مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ "تم تو اس طرح میرے سامنے آداب بجالا رہے ہو جیسے میں بادشاہ سلامت ہوں اور تم میرے خادم!"

"میرے تو بادشاہ ہی ہیں آپ! حکم کریں بس وہ بہ دستور ریشہ خطمی رہا۔

"اچھا تو خادم صاحب بیٹھئے! معاملہ بہت سنگین ہے۔"

"اور شاید رنگین بھی!" اس نے فوراً" ہی گویا گرہ لگائی۔

"قافیہ آرائی کی بات نہیں ہو رہی!" میں سنجیدہ ہو گیا۔ "یہ ایک شخص کے قتل کا معاملہ ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اسے تفصیلات سے آگاہ کر دیا' پھر بولا۔ "تم معلوم کر کے آؤ کہ یہ کیا چکر ہے! کیا واقعی میرا قیاس درست ہے؟ یعنی کیا زاہد' ثمینہ کے شوہر شوکت کو قتل کرنا چاہتا ہے؟"

جواباً" خلاف توقع ہمزاد نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"کیا ہوا تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اب اسی کام کا رہ گیا ہوں میں! کمال وہ دن تھے کہ روشان خوش اندام و خوش خرام و خوش کلام کو کشاں کشاں..."

"بکواس نہ کرو اور جو میں نے کہا ہے وہ کرو!"

"آپ تو بس خدائی فوجدار بن گئے ہیں! خیر... جو حکم! چلا بندہ!" یہ کہتے ہی وہ غائب ہو گیا۔

ہمزاد کو گئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ معاً" میرے ہاتھ پیروں میں اینٹھن سی ہونے لگی۔ میں نے بستر سے اٹھنا چاہا' مگر ناکام رہا۔ پھر عجیب سی سرسراہٹیں کمرے میں گونجنے لگیں۔ میرے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ معلوم نہیں وہ بجلی کا کڑاکا تھا یا کچھ اور! مجھے تو بس یوں لگا تھا جیسے کہیں بجلی گری ہو۔ بارش اب تک ہو رہی تھی اور بادل بھی گرج رہے تھے۔ غالباً" اسی لیے میں اس خطرے کی نوعیت کو پوری طرح سمجھ نہیں سکا۔

میں اپنی خواب گاہ میں بستر سے پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ معاً" مجھے یوں محسوس ہوا۔ جیسے میرے دونوں پیر کسی سخت گرفت میں آ گئے ہیں۔ میں نے ایک دم گھبرا کر اپنے پیروں کی طرف دیکھا اور پھر ——— میرے سارے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر سی دوڑ گئی۔ وہ بھورے رنگ کا ایک بڑا سانپ تھا جس نے میرے دونوں پیروں کو جکڑ لیا تھا۔ وہ یوں میرے پیروں سے لپٹا ہوا تھا جیسے کسی نے کس کر رسی باندھ دی ہو۔ اس کی وجہ سے میرا دوران خون بھی متاثر ہو رہا تھا۔ سانپ کا پھن میری نظر سے اوجھل تھا۔ پھن مجھے اپنی ایک پنڈلی پر محسوس ہو رہا تھا۔

اس ابتلا کے سبب کچھ دیر کو میرے حواس گم ہو گئے۔ میری سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے! مجھے علم تھا کہ جن علاقوں میں بارش بہ کثرت ہوتی ہے' وہاں حشرات الارض کی بہتات بھی ہوتی ہے۔ وہاں سانپ کا پایا جانا کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی' مگر یہ معاملہ ہی کچھ اور معلوم ہو رہا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ میرے حواس بحال ہوتے ایک مرتبہ پھر مجھے اپنے قریب ہی مسہری پر تیز سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اسی کے ساتھ مجھے اپنی پشت پر کسی سانپ کے رینگنے کا احساس ہوا۔ دوسرے ہی لمحے میرا شبہ' یقین میں بدل گیا۔ وہ سانپ انتہائی سرعت کے ساتھ میری پشت سے رینگتا ہوا گردن تک آ گیا۔ میں نے اس کے پھن کا لمس اپنی گردن پر محسوس کیا تھا۔ پھر وہ مجھے نظر بھی آ گیا۔ وہ اب میری گردن میں لپٹ رہا تھا۔

بس اچانک ہی اپنی زندگی کو شدید خطرے میں محسوس کر کے مجھے جیسے ہوش آ گیا۔

میں پوری قوت سے چیخ اٹھا۔ "ہمزاد"

اسی وقت مجھے یوں لگا جیسے میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ گردن میں لپٹنے والے سانپ نے بہت تیزی کے ساتھ اپنی گرفت سخت کر دی تھی۔ میری آنکھوں میں اندھیرا اترنے لگا اور پھر یہی اندھیرا میرے پورے حواس پر چھا گیا۔ میں یقیناً" اپنے ہوش کھو بیٹھا تھا۔

پھر جانے کتنی دیر بعد میں اپنے حواس میں آیا تھا۔ حواس بیدار ہوتے ہی مجھے ہمزاد کی آواز سنائی دی تھی۔ "کیسے ہیں اب آپ؟"

میں نے آنکھیں کھول دیں اور محسوس کیا کہ اپنے بستر پر دراز ہوں اور ہمزاد میرے سرہانے مجھ پر جھکا ہوا ہے۔ حواس کھونے سے پہلے جو منظر آخری بار میں نے دیکھا تھا' لمحے بھر کو میری آنکھوں میں گھوم گیا اور مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ میں زندہ اور صحیح سلامت تھا' اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ میرے ذہن میں اس وقت جو خیال آیا درست تھا۔

"اب تو جسم میں اینٹھن محسوس نہیں ہو رہی؟" ہمزاد نے مجھے خاموش دیکھ پھر سوال کیا۔ اس نے یقیناً" سب کچھ معلوم کر لیا تھا کہ مجھ پر اس کے پیچھے کیا گزری ہے!

میں نے اپنے جسم کو جنبش دی۔ جسم میں ہلکا سا تشنج تو تھا مگر وہ کیفیت نہیں تھی جو پہلے پہل تھی۔ میں نے ہمزاد سے اس کا اظہار کر دیا۔

"ابھی یہ بھی نہیں رہے گی' فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے سارے جسم پر پھیرا۔ "بس چند لمحے بعد ہی آپ پہلے کی طرح خود کو تر و تازہ محسوس کریں گے۔ میری غیر موجودگی میں اس خبیث شمبھو کو آپ پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور یہ بہت ہی اچھا ہوا کہ ہوش کھونے سے پہلے آپ نے مجھے پکار لیا۔ چند لمحے بھی تاخیر ہو جاتی تو شاید..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"غالباً" تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ چند لمحے کی بھی تاخیر ہو جاتی تو میری زندگی کا چراغ گل ہو جاتا!" میں نے اپنی دانست میں اس کی بات پوری کر دی۔

"شاید!" وہ متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ اذیت پسند نہ ہوتا تو فوری طور پر اس موقع سے فائدہ اٹھاتا۔ وہ دونوں سانپ انتہائی زہریلے تھے جنہیں میں نے چشم زدن میں خاک کر دیا۔ شمبھو چاہتا تو وہ دونوں آپ کے پیروں اور گردن سے لپٹنے کی بجائے فوراً" آپ کو ڈس لیتے' لیکن غالباً" وہ اس طرح آپ کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ شاید یہ چاہتا ہو گا کہ آپ دہشت زدہ ہو کر دم گھٹنے سے آہستہ آہستہ موت کے نزدیک ہوتے جائیں۔ اس دوران میں وہ شیطانی عمل بھی کر رہا ہو گا جس کے سبب آپ کو اپنے جسم میں پہلے اینٹھن محسوس ہوئی۔ اس طرح اس

نے بڑی حد تک آپ کے جسم کو پہلے ہی تقریباً" مفلوج کر دیا تھا۔ بہر حال جو بھی ہوا سو ہوا' لیکن اس سے ایک فائدہ ضرور ہو گیا۔" یہ کہہ کر ہمزاد نے طویل سانس لیا۔

"وہ کیا؟" میں نے دریافت کیا۔

"وہ ایک بار پھر میری نظر میں آ گیا۔ اس سے میرا رابطہ قائم ہو گیا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"کیا وہ اسی مکان میں ہے؟"

"ہاں۔"

"اور سریتا؟"

"وہ بھی اس کے ساتھ ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "وہ اپنے شیطانی عمل میں مصروف تھا اس لیے کچھ دیر کو اسے میری طرف سے اپنی توجہ ہٹانا پڑی ورنہ جانے کب تک میں اس کی طرف سے لاعلم ہی رہتا۔ اب میں نے یہ بندوبست بھی کر لیا ہے کہ دوبارہ رابطہ منقطع نہ ہو سکے۔" ہمزاد نے بتایا۔

اب میں خود کو بالکل ٹھیک ٹھاک محسوس کر رہا تھا۔ جسم میں نام کو بھی تشنج نہیں رہا تھا اس لیے میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور خوش گوار لہجے میں ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"چلو میری زندگی خطرے میں پڑنے سے کچھ تو فائدہ ہوا!"

"اور بھیجیں مجھے لڑکیوں کی اغوا بازی کرنے!"

وہ بھی میرا خوش گوار لہجہ دیکھ کر اپنی پر آ گیا۔ "کہا تھا مان جائیں' مگر کہاں ہمارے مت کے کلیجہ پھٹا جا رہا تھا"

"احمق ہو تم تو! مجھ سے کیا علاقہ اس کا!"

"ایسے ہی کہتے ہیں اور پھر بعد میں سارا علاقہ ہتھیا لیتے ہیں' نہ پھر نشیب دیکھتے ہیں نہ فراز! یہ بھی میرا وہ بھی میرا!"

"بکواس کیے جاؤ گے کہ کچھ بتاؤ گے بھی کہ ہوا کیا؟ جس لیے بھیجا تھا تمہیں!"

"بس چند ہی لمحے بعد تو بلا لیا تھا آپ نے مجھے! اتنی سی دیر میں کیا خاک معلوم کرتا!"

"خیر چند لمحے بھی نہیں تھے' اب تم اتنی گپ بھی نہ چھوڑو۔"

"چلیں چند منٹ سہی! مگر چند منٹ کافی تو نہیں ہوتے!"

"گویا تم کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے؟" میں نے اسے گھور کر دیکھا کیوں کہ یہ ناممکن سی بات تھی' وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکا ہو۔ اس کے لیے اتنا وقت بھی کم نہیں تھا۔ یقیناً" وہ مجھے ستانے کے موڈ میں تھا۔

"اس طرح گھور کر دیکھیں گے تو کچھ نہ کچھ بتانا ہی پڑے گا۔" پھر اس نے وہ کہانی سنانا شروع کی جس کے ابتدائی واقعات چانگام ہی میں مجھے معلوم ہو چکے تھے۔ زاہد اور ثمینہ کے چانگام پہنچنے تک کے واقعات بتا کر وہ خاموش ہو گیا۔

"پھر؟... پھر کیا ہوا؟" میں نے اسے خاموش دیکھ کر بے تابی سے کہا۔

"پھر کیا ہوا؟" یہ جاننے کے لیے کل کا اخبار ملاحظہ کیجئے!"

"تم پھر سرک گئے!"

"وہی تو اور وہیں تک تو بتاؤں گا جو معلوم کر کے آیا ہوں! کیا اپنی طرف سے ٹھونکنے لگوں!"

"تم نے جو واقعات بیان کیے ہیں' یہ تو میرے علم میں بھی تھے۔ اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ ڈھاکے کیسے لوٹ آئے؟... خیر اب معلوم کر لینا!"

"جی نہیں۔" وہ فوراً بول اٹھا۔

"کیا جی نہیں؟"

"اب میں آپ کو تنہا چھوڑ کر جانے والا نہیں ہوں کہ وہ کمینہ پھر موقع پا کر اپنی کمینگی پر آ جائے۔"

"یہ تو بڑا ہوا" میں دانستہ فکرمند لہجے میں بولا۔

"کیا!"

"اس بہانے تو تم ہروقت مجھ پر مسلط رہو گے! میرا تو جینا دوبھر کر دو گے تم!"

"میرے ساتھ رہنے پر تو آپ اتنی ناک بھوں چڑھا رہے ہیں اور ان مسمات نفیسہ بیگم کے ساتھ سارا دن گزار دیا تو کچھ نہیں!" ہمزاد بولا۔

"ہاں' وہ میں تم سے نفیسہ کے متعلق بھی بات کرنا چاہتا تھا۔ تم نے اچھا کیا ذکر چھیڑ دیا اس کا!"

"کیوں' کیا فیصلہ کر ہی لیا آز؟" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کس بات کا فیصلہ؟"

"گھر بسانے کا فیصلہ اور کیا!"

میں ہنس دیا۔ "پاگل ہو تم! ایسے میں نے گھر بسانے کا فیصلہ تو کیا ہے' مگر اپنا نہیں اس کا گھر!"

"اس کا گھر آپ بسائیں گے' گویا رخصتی اس کی نہیں آپ کی ہو گی! بھئی سبحان اللہ!

کیا گھر والو بنیں گے آپ!"

"تمہارا سر بنوں گا!" میں جھنجلا گیا۔

"معاف کیجئے' وہ تو آپ نہیں بن سکتے۔"

"باز آ جاؤ! کیوں تمہاری موت ڈنڈ پیل رہی ہے! اب بھی وقت ہے سدھر جاؤ۔ ہر وقت ہکنگی لگایا کرتے!"

"موت کا ڈنڈ پیلنا اور ہکنگی لگانا! ذرا ارشاد ہو کہ یہ کون سی اردو ہے؟ آپ میری اردو میں بہت کیڑے نکالتے تھے' آج پکڑے گئے!"

اس وقت جو معاملات درپیش تھے میرے نزدیک بھی توجہ طلب اور سنجیدگی سے غور کرنے کے تھے۔ ہمزاد شاید انھی کی طرف سے میری توجہ ہٹانے کی خاطر ادھر ادھر کی اڑا رہا تھا تاکہ میرے ذہن پر دباؤ نہ رہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی مجھ پر قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا۔ میں ایک خطرناک صورت حال سے گزرا تھا۔ موت گویا میرے بہت قریب آ کر واپس چلی گئی تھی۔ ہمزاد کے خلوص نیت سے مجھے انکار نہیں تھا' لیکن بہرحال یہ شبھو کے مسئلے کا حل نہیں تھا کہ اس کی طرف سے توجہ ہٹالی جائے یہی سوچ کر میں سنجیدہ ہو گیا اور ہمزاد کو بھی احساس کچھ دیر میں ہو گیا۔

"بہت ہو گیا اب!" میں نے بالآخر ہمزاد سے کہہ ہی دیا۔ "اب اس سے دو دو ہاتھ کرنا ہی پڑیں گے۔"

"یعنی؟"

ہمزاد نے وضاحت چاہی۔

"یعنی یہ کہ بس آج رات ادھر یا ادھر! میں اب مزید صبر نہیں کر سکتا! آج میں بھی اس کا تمہارے ساتھ اور جو ہو گا' دیکھا جائے گا!"

"وہ جوابی حملے کا منتظر ہو گا!" ہمزاد نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"ہوا کرے! بہت ہو گئی احتیاط!" میں نسبتاً تیز لہجے میں بولا۔ "پانی اب سر سے گزرنے لگا ہے۔ وہ کمینہ شاید مجھے بزدل سمجھ بیٹھا ہے! اسے شاید معلوم نہیں کہ میرے اندر کتنا زہر بھرا ہوا ہے! میں نے اگر خود ہی اسے زہر کو مار رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں شیخ کرامت نہیں رہا!" لمحہ بہ لمحہ میرا غصہ بڑھتا گیا۔ "شبھو کو آج رات معلوم ہو جائے گا کہ اس کے مقابلے پر کون ہے! چوہا کہیں کا!"

"آج آپ مجھے بہت عرصے بعد وہی پہلے والے شیخ کرامت محسوس ہو رہے ہیں۔"

ہمزاد نے دبے دبے لہجے میں خیال آرائی کی۔ "بالکل وہی شخص جو کبھی خطرات سے منہ نہیں موڑتا تھا۔"

"ہاں میں وہی ہوں! صرف اتنا تغیر مجھ میں ضرور ہوا ہے کہ اب میرا سارا غصہ بدی کے لیے ہے اور شبھو مجسّم بدی ہے!"

اس کے بعد ہمزاد میرا اشارہ پا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نصف شب گزرنے کے بعد شبھو سے نمٹنا چاہتا تھا اور اس کا اظہار میں نے ہمزاد سے کر دیا تھا۔ اس وقت تک میں اس معاملے پر غور و فکر کرنا چاہتا تھا جس کے لیے تنہائی ضروری تھی۔

غصے کی زیادتی میں عموماً" بھوک پیاس اڑ جاتی ہے۔ اس رات اسی لیے کھانے کو بھی میرا جی نہ چاہا۔ پھر ادھر بارہ بجے ادھر میں نے ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"چلو اس کمینے کی طرف!" میں نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

ہمزاد میرے چہرے پر نگاہ ڈال کر کچھ نہ بولا۔ غالباً" اس نے اندازہ لگایا تھا کہ میں ابھی تک غصے میں ہوں۔

پھر کچھ ہی دیر بعد ہمزاد نے مجھے بلاوام تلی گھاٹ پہنچا دیا' بوڑھی گنگا کے کنارے اس جگہ جہاں میرے دشمن شبھو کا قیام تھا اور جہاں سرِتا تھی! اس وقت میرے سارے جسم میں بجلی سی کوند رہی تھی۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ اپنے دشمن کو للکاروں کہ دیکھ میں آ گیا ہوں! نکل اپنے بل سے' بزدل کہیں کے! اب تو میری سرِتا پر ظلم نہیں ڈھا سکے گا! سامنے ہی مجھے وہ مکان تاریکی میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا جہاں میرے دشمن نے پناہ لے رکھی تھی۔ فیصلہ کن لمحات پہنچ چکے تھے۔

○○......○......○○
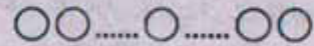
پھر اس سے پہلے کہ میں' ہمزاد کو کوئی حکم دیتا' اس نے خود ہی مجھے مخاطب کیا۔ "میں اندر گھسنے کی کوشش کرتا ہوں' آپ فی الحال یہیں ٹھہریے۔"

"لیکن..." میں کچھ کہتے کہتے رک گیا' پھر بولا۔ "ٹھیک ہے' جاؤ! اور... سنو یہ... یہ خیال رکھنا کہ سرِتا..." شدتِ جذبات کے سبب مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"آپ مطمئن رہیں۔" اس نے مجھے تسلی دی اور پھر دوسرے ہی لمحے' میں نے اسے آندھی اور طوفان کے مانند سامنے والے مکان کی طرف جھپٹتے دیکھا۔ اس لمحے مجھے بس ایک سنّاٹے کا سا احساس ہوا تھا۔

یہ سنّاٹا یقیناً ہمزاد کی تیز رفتاری کے سبب ہو گا۔ وہ غالباً" دانستہ میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا تاکہ میں اسے دیکھ سکوں۔ مکان کے باہر بہرحال اتنی روشنی تو تھی کہ میرا ہمزاد مجھے نظر آتا رہتا۔ اس گلی میں کافی کافی فاصلے سے بجلی کے کھمبے لگے ہوئے تھے۔ ہاں مکان کے اندر مکمل اندھیرا تھا۔

شاید ایک ہی لمحہ گزرا ہو گا کہ میری سماعت سے زبردست کڑاکے کی آواز ٹکرائی اور میں اچھل پڑا۔ اسی کے ساتھ میں نے مکان کی بیرونی سمت میں بجلیوں کے کوندے سے لپکتے دیکھے۔ بجلی کے یہ کوندے میرے ہمزاد کی اطراف اس طرح پھیل گئے تھے جیسے اسے اپنی گرفت میں لے لینا چاہتے ہوں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ بہ ظاہر جو فضا پرسکون نظر آ رہی تھی حقیقتاً" پرسکون نہیں تھی۔ میرا دشمن چوکنا تھا۔ اس نے لازماً" اپنی حفاظت کا بندوبست کر رکھا تھا کہ کوئی مکان میں داخل نہ ہو سکے۔ میں نے واضح طور پر دیکھا کہ میرا ہمزاد کوندوں کے اس جال کو توڑ کر نکل گیا۔

چند ہی لمحے بعد ہمزاد اس مکان میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے یقیناً شبھو کا حصار توڑ دیا تھا اور ایسا وہ پہلے بھی ایک بار کر چکا تھا۔ یہ واقعہ نارائن گنج کا تھا۔ ہمزاد کو غالباً" اس حفاظتی

حصار کا اندازہ ہو گیا تھا اسی لیے وہ اپنی پوری قوت اور تیز رفتاری کے ساتھ اس سے ٹکرایا تھا۔ یہ سوچ کر میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا کہ ہمزاد کو ناکامی نہیں ہوئی تھی۔

معاً مکان کے اندر سے مجھے ایک تیز چیخ سنائی دی اور یہ تیز چیخ یقیناً سریتا ہی کی تھی۔ اس تیز چیخ نے جیسے میرے وجود کو دو نیم کر دیا۔ اور جیسے اپنے ہوش میں نہ رہا۔

"سریتا!" میں چیخ اٹھا اور پھر اسی کے ساتھ تیزی سے مکان کی طرف دوڑا۔ "میں آرہا ہوں... آرہا ہوں سریتا!" میں بھاگتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

چند فرلانگ کا فاصلہ میں نے لمحوں میں طے کر لیا۔ اس وقت نہ مجھے یہ ہوش تھا کہ اس مکان کے گرد حفاظتی حصار قائم ہے اور نہ یہ احساس تھا کہ مکان کا دروازہ اندر سے بند ہے، میں اس میں داخل نہیں ہو سکتا! آدمی ہوش و خرد سے بیگانہ ہو جائے تو کب اسے کچھ یاد رہتا ہے! میں دوڑتا ہوا جیسے ہی اس مکان کے دروازے تک پہنچا کسی نادیدہ قوت نے مجھے ایک جھٹکے سے پیچھے دھکیل دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے سارے جسم میں آگ سی لگ گئی ہو۔ میں زمین پر گرتے ہی ایک بار پھر اٹھا اور تکلیف و اذیت کے باوجود دوبارہ دروازے کی طرف لپکا۔ مکان کے اندر سے اب تک عجیب عجیب سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، کبھی گھٹی گھٹی سی چیخیں، کبھی تیز سرسراہٹیں اور کبھی ایسی آوازیں جیسے تیز آندھی کا شور ساری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہو۔ یقیناً میرے ہمزاد اور شمبھو کے درمیان معرکہ آرائی جاری تھی۔ اس معرکہ آرائی میں سریتا پر کیا گزر رہی تھی میں اس سے بے خبر تھا، لیکن اتنا اندازہ ضرور لگا چکا تھا کہ وہ اس ہنگامے سے الگ نہیں اور اسی کا ایک حصہ بنی ہوئی ہے۔ اسی خیال نے مجھے مضطرب اور ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا ورنہ ایک بار نادیدہ حفاظتی حصار سے ٹکرا کر گرنے کے بعد دوبارہ مکان کے دروازے کی طرف نہ لپکتا۔

دوسری کوشش مجھے پہلی کوشش سے بھی زیادہ مہنگی پڑی۔ اس مرتبہ مجھے اتنی زور کا جھٹکا لگا کہ میرا سارا جسم جھنجھنا اٹھا۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرے کی چادر پھیل گئی اور میں اپنے پیروں پر بھی کھڑا نہ رہ سکا۔ زمین پر گرتے ہی اپنے قریب مجھے تیز قسم کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے کچھ ہی فاصلے پر ایک بڑے سے سیاہ سانپ کو انتہائی تیز رفتاری سے ایک طرف جاتے دیکھا۔ اس سانپ کی اطراف دودھیا روشنی سی تھی، چمکیلی دھند سی! اس ایک لمحے میں مجھے اتنا ہی نظر آسکا کہ سانپ زخمی تھا۔

شمبھو! میرے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ اسے میں نے اپنی آنکھوں سے جون بدلتے دیکھا تھا۔ شاید وہی ہمزاد کے مقابلے میں پسپا ہونے کے بعد جون بدل کر فرار ہو رہا تھا۔ میں

صرف اتنا ہی سوچ سکا کیوں کہ اس کے بعد میرے حواس جواب دے گئے۔

"اٹھئے، جلدی اٹھئے!" جانے کتنی دیر بعد مجھے ہمزاد کی آواز سنائی دی۔

میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں اور دیکھا کہ اسی مکان کے دروازے کے سامنے پڑا ہوں۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ میں زیادہ دیر غفلت میں نہیں رہا تھا، ہمزاد مجھے جلدی ہوش میں لے آیا تھا۔ اسی کے ساتھ غالباً اس نے میرے جسم پر ہاتھ پھیر کر مجھے جسمانی اذیت سے بھی نجات دلا دی تھی۔ یہ اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھے اپنے جسم میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔

اٹھتے ہی میری نظر مکان کے دروازے پر پڑی اب جو کھلا ہوا تھا۔ ہمزاد کچھ کہے بغیر میرا ہاتھ تھامے تیزی کے ساتھ اس مکان میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر میں اس کے ساتھ ساتھ تقریباً دوڑنے لگا۔ ایک تبدیلی میں نے یہ بھی محسوس کی کہ اب مکان کی اوپری منزل تاریک نہیں تھی۔ صحن میں سے ایک زینہ اوپری منزل پر جا رہا تھا۔ ہمزاد مجھے ساتھ لیے اب اسی زینے پر چڑھ رہا تھا۔

اوپر دو کمروں میں سے ایک کمرہ روشن تھا۔ ہمزاد مجھے اپنے ہمراہ اسی روشن کمرے میں لے آیا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی مجھے یوں معلوم ہوا جیسے وہ کمرہ شدید طوفان کی زد میں رہا ہو۔ ہر چیز ٹوٹی پھوٹی پڑی تھی۔ کوئی چیز اپنی جگہ نہ تھی۔ شاید اسی سبب فوری طور پر میری نگاہ سریتا کو تلاش نہ کر سکی۔ وہ اس ملبے کے درمیان ہی ایک جگہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ جلد ہی ہمزاد نے مجھے اس تک پہنچا دیا۔

سریتا پر نظر پڑتے ہی جیسے میرا دل ڈوبنے لگا۔ اس کا حسین چہرہ نیلا پڑا ہوا تھا اور منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

"یہ... یہ کیا ہوا؟... کیا ہوا میری سریتا کو؟ بولو!" میں ہمزاد کی طرف پلٹ کر تقریباً چیخ اٹھا۔ "تم... تم نے کہا تھا کہ... کہ..."

"میں... شرمندہ ہوں کہ اسے شمبھو کے وار سے نہ بچا سکا۔" ہمزاد کا سر جھک گیا۔

"بکتے ہو تم!" میں جیسے ایک بار پھر اپنے حواس میں نہ رہا۔ غصے نے میری عقل خبط کر دی تھی۔ شدید رنج اور غصے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

غصے کے باوجود معاً مجھے سریتا کا خیال آیا۔ اس پر نزع کا سا عالم طاری تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور جسم بے حرکت تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور پھر اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔

"سرتا!..." میری آواز کانپ رہی تھی۔ "سرتا!... آنکھیں کھولو' دیکھو تمہارا... تمہارا صاحب... صاحب جی آگیا ہے... آ..." میرا گلا رندھ گیا اور دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔ پھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔ میرے آنسو اس کے چہرے پر گر رہے تھے۔

"ابھی ایک کوشش کی جا سکتی ہے۔" معاً میں نے ہمزاد کی آواز سنی۔ "ممکن ہے یہ زندہ بچ جائے!"

اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن نظر آئی تو میں لمحہ بھر ہی میں حصارِ ملال سے نکل آیا۔ میں نے آنسو بھری آنکھوں سے ہمزاد کی طرف دیکھا۔

"میں ابھی آیا۔" میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے غائب ہو گیا۔

سرتا کی حالت سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی انتہائی خطرناک زہر اس پر اثر انداز ہو چکا ہے ورنہ اس کی جلد کی رنگت نہ بدلتی۔ ہمزاد نے جو کچھ کہا تھا' اس سے بھی یہی اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ سرتا اب کچھ ہی دیر کی مہمان ہے۔ جب وہ میرے انتہائی قریب تھی' میرے اور اس کے درمیان کوئی فصل نہیں تھا تو کبھی مجھے یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ میں اسے اس قدر چاہتا ہوں' میرے دل میں اس کی اتنی محبت ہے اور وہ سرتا مجھ سے اب شاید ہمیشہ کے لیے بچھڑنے والی تھی۔ تو جیسے احساس کی ساری گرہیں بہ یک وقت کھل گئی تھیں۔

آدمی بڑا خوش فہم ہوتا ہے اور میں بھی اس سے مبرا نہیں تھا۔ بس اچانک ہی مجھے سرتا کا نیلا چہرہ دیکھ کر ماضی کا ایک منظر یاد آ گیا تھا۔ یہ واقعہ جانگام کا تھا۔ اس وقت بھی سرتا کا چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔ شمبھو نے میری آنکھوں کے سامنے اسے سانپ بن کر ڈس لیا تھا' مگر دوسرے دن صبح وہ مجھے صحت مند نظر آئی تھی۔ میں نے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ شاید اس وقت بھی ایسا ہی ہو۔ ممکن ہے سرتا کی یہ حالت وکیفیت وقتی ہو' میں نے سوچا اور یہ بھول گیا کہ پہلے اس کے منہ سے جھاگ نہیں بہہ رہا تھا۔

ہمزاد کی واپسی میں صرف چند ہی لمحے لگے ہوں گے' مگر مجھے یہی محسوس ہوا تھا کہ وہ بہت دیر میں لوٹا ہو۔ میں اسی لیے اس پر برس پڑا۔ "اتنی دیر لگا دی تم نے!"

اسے یقیناً میرے حال دل کی خبر تھی اس لیے کچھ نہ بولا اور تیزی سے سرتا کے قریب آ کر ایک شیشی کھولنے لگا۔ میں خاموشی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ ہمزاد نے اس شیشی سے چند قطرے' سرتا کے ہونٹوں پر ٹپکا دیے۔

"اگر کچھ دیر میں جھاگ بہنا بند ہو گئے تو پھر اسے یہاں سے لے چلیں گے۔" ہمزاد پہلی بار بولا۔

"کہاں؟" میں بے دھیانی میں پوچھ بیٹھا۔

"محمد پور۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

میری نظریں ایک بار پھر سرتا کے چہرے پر جم گئیں۔ میرے دل سے خود بہ خود اس کے لیے دعا نکل رہی تھی۔ کچھ دیر نہ میں کچھ بولا اور نہ ہمزاد ہی نے کچھ کہا۔ اس دوران میں یہ دیکھ کر میرے دل کو اطمینان ہو رہا تھا کہ اب جھاگ کم ہوتے جا رہے تھے۔ پھر مزید چند لمحوں کے بعد جب جھاگ بہنا بالکل بند ہو گئے تو میں نے اپنی قمیض کے دامن سے اس کے ہونٹ صاف کیے اور خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "دے... دیکھو... دیکھو!... تم دیکھ رہے ہو نا کہ... کہ جھاگ..."

"ہاں۔" یہ کہہ کر اس نے شیشی دوبارہ کھولی اور چند قطرے پھر سرتا کے ہونٹوں کے درمیان ٹپکائے۔ اس کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "پہلے میں سرتا کو چھوڑ آتا ہوں' پھر آپ کو یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"اچھا... ٹھیک ہے۔" میں جلدی سے بولا اور سرتا کا سر اپنے زانو سے اٹھا کر آہستگی کے ساتھ زمین پر رکھ دیا۔

میری تمام تر توجہ سرتا پر مرکوز تھی۔ یہ موقع ہمزاد سے کچھ پوچھنے کا نہیں تھا۔ اب میرے حواس بڑی حد تک قابو میں آ چکے تھے۔ یہی سبب تھا کہ جب ہمزاد' سرتا کے جسم کو فرش سے اٹھانے کے لیے جھکا تو پہلی بار میں نے اس کے چہرے پر نگاہ کی اور چونک اٹھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں سا اور نسبتاً" جھلسا ہوا لگ رہا تھا۔ شمبھو سے معرکہ آرائی کے دوران میں یقیناً کسی نہ کسی حد تک وہ بھی متاثر ہوا تھا۔ اس پر کیا گزری اور شمبھو کس طرح بچ کے نکل گیا' یہ تفصیلات بعد میں بھی معلوم کی جا سکتی تھیں اس لیے کہ فی الحال سرتا کو بچانا زیادہ ضروری تھا۔ میں اسی لیے خاموش رہا اور ہمزاد میرے دیکھتے ہی دیکھتے سرتا کو لے کر غائب ہو گیا۔ ہمزاد کے جاتے ہی میرے ذہن میں ایک خطرے نے اور سر ابھارا۔ شمبھو کہیں پھر نہ پلٹ آئے! ایسا ناممکن نہیں تھا۔ اس شیطان سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ میں نے اس وقت تنہا بھی تھا اور بے حصار بھی! اس کے علاوہ یہ کہ ہمزاد بھی میرے پاس نہیں تھا۔ وہ خبیث بہ آسانی مجھ پر حملہ کر سکتا تھا۔ میں بزدل نہ تھا لیکن اس کے باوجود کچھ دیر کو اس خیال نے مجھے مضطرب ضرور رکھا۔ پھر میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ کیا ہمزاد اس طرف سے غافل ہو گا؟ کیا

اس نے یہ خطرہ محسوس نہیں کیا ہوگا؟ یقیناً ہمزاد کو میری زندگی سب سے زیادہ عزیز تھی۔ وہ غافل نہیں ہو سکتا' میں نے سوچا اور اسی کے ساتھ میرا اضطراب ختم ہو گیا۔ ہمزاد ہر حال میں میرا خیال رکھتا تھا اور بارہا مجھے یہ تجربہ ہو چکا تھا۔ میرے لیے یہ امر بھی باعث حیرت نہیں تھا کہ محلے والے اس قدر ہنگامہ آرائی کے باوجود تفتیش حال کے لیے اپنے گھروں سے کیوں نہیں نکلے! ہمزاد مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وہ مکان آسیب زدہ مشہور تھا۔ ایسی صورت میں کسی کو کیا پڑی تھی جو گھر سے نکلتا۔

عام حالات میں ہمزاد کے لیے اتنا تھوڑا فاصلہ بے معنی سا تھا۔ وہ لمحوں میں واپس آ سکتا تھا' لیکن اس رات ایسا نہ ہوا۔ اسے واپسی میں دیر لگی۔

میرے استفسار پر واپس آ کر اس نے بتایا۔ "سریتا کی حالت تیز رفتاری کی متحمل نہیں تھی۔ میں اسی لیے اس وقت آپ کو بھی ساتھ نہیں لے گیا تھا۔"

"اب کیا حال ہے اس کا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔ "کیا وہ ہوش میں آ گئی؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "ابھی کچھ... کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" وہ جھجک سا رہا تھا۔ "آپ چلیں۔"

"میں جلد سے جلد اس تک پہنچنا چاہتا ہوں اس لیے..."

مجھے علم ہے اور اسی لیے میں آپ کو..." اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

مجھے اپنا تو یاد ہے کہ میں نے اس کے ہاتھ کا لمس اپنے ماتھے پر محسوس کیا تھا' پھر میرے ذہن پر جیسے ٹھنڈا اندھیرا اترنے لگا تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے جسم میں تیز سنسناہٹ محسوس کی تھی اور ہوش کھو بیٹھا تھا۔

منتشر حواس مجتمع ہوئے تو میں نے خود کو اپنی خواب گاہ میں پایا۔ سامنے ہی میرے بستر پر سریتا بے سدھ پڑی تھی۔ اس کے انفاس اور انفاس ہی کے سبب جسم کی خفیف سی حرکت سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ زندگی ابھی اس سے روٹھی نہیں ہے۔ میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ ہمزاد میرے قریب مؤدب کھڑا تھا۔ میری نگاہ سریتا کے چہرے پر پڑی تو دل کو قدرے اطمینان سا ہوا۔ اس کے چہرے کی نیلاہٹ پہلے کی نسبت اب کم ہو گئی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ میں ہمزاد سے پوچھتا' وہ خود ہی بتانے لگا۔ "کچھ زہر ایسے ہیں جن کا تریاق نہیں! اور اگر ہے تو مشروط! اگر صبح ہونے سے پہلے اسے ہوش آ گیا اور... اور..."

ہمزاد مزید کچھ بتاتے ہوئے جھجکنے لگا تو میں بول اٹھا۔ "جھجکو مت! جو کچھ کہنا ہے

صاف صاف کہہ دو۔ میں... میں صبر... صبر کر لوں گا۔" آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے میری آواز بھرا گئی۔

"اور یہ کہ جلدی ہی دوبارہ اس پر غفلت طاری نہ ہو گئی' سو نہ گئی تو یہ ممکن ہے کہ زندہ بچ جائے۔ ہمزاد نے مجھے صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ "اسے ہوش آجائے تو آپ کو یہ کوشش کرنا ہے کہ اسے سونے نہ دیں۔"

میں نے اثبات میں گردن ہلا دی اور دوبارہ سریتا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ابھی حاضر ہوتا ہوں میں۔" ہمزاد نے ایک بار پھر کمرے کا سکوت توڑ دیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" میں نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی۔

"یہاں اب ایک مسہری کی اور ضرورت ہے۔"

"مگر نیند کس کی آنکھوں میں ہے! سوئے گا کون!... تم میرے ہی لیے تو..."

"پھر بھی! بعد میں تو ضرورت پڑے گی!"

"تم جانو۔"

میری اجازت پاتے ہی وہ چلا گیا اور پھر کچھ ہی دیر میں لوٹ آیا۔ نئی مسہری' پہلی مسہری کے قریب ہی اس نے بچھا دی اور اس پر بستر بھی لگا دیا' پھر بولا۔ "اب آپ کی مرضی ہے کہ جاگیں یا سو جائیں۔ ویسے میرا مشورہ یہی ہے کہ سو جائیں آپ! میں بیدار ہوں۔ اگر خدانخواستہ تشویش کی کوئی بات ہوئی تو اٹھا دوں گا آپ کو۔" اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

ہمزاد کا مشورہ غلط نہیں تھا۔ میں جاگ کر بھی کیا کرتا مگر اپنے دل کو کیسے سمجھاتا! جو کچھ کرتا تھا' ہمزاد ہی کو کرنا تھا' مگر اس کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں نے اسی لیے کہا۔ "میں سو نہیں سکوں گا' تم کہتے ہو تو لیٹ جاتا ہوں بستر پر!" یہ کہہ کر میں نئی مسہری پر نیم دراز ہو گیا' پھر بولا۔ "یہ بتاؤ کہ آخر ہوا کیا؟ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ شیطان تم سے بچ کر نکل گیا مگر کس طرح؟"

میری بات سن کر ہمزاد نے طویل سانس لیا' پھر مجھے تفصیلات سے آگاہ

کرنے لگا۔ "مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ بے خبر نہیں ہو گا اور یہ کہ اس نے اپنی قیام گاہ کی اطراف حفاظتی حصار کھینچ رکھا ہو گا۔ اس آتشی حصار سے گزرنا میرے لیے مشکل تو ضرور تھا لیکن ناممکن نہیں۔ بہرحال میں کامیاب رہا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ خبیث سنبھل سکتا' میں نے اس پر حملہ کر دیا۔ ممکن ہے سریتا وہاں نہ ہوتی اور مجھے اس کے تحفظ کا خیال نہ ہوتا تو وہ بچ کر نکل نہ پاتا۔ اس نے مجھ سے نبرد آزمائی کے دوران ہی میں موقع پا کر کئی بار یہ کوشش کی کہ سریتا پر اپنی شیطانی قوتیں آزمائے۔ نتیجتہً میری توجہ ہٹ گئی۔ اس خبیث نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ موقع پاتے ہی جون بدل کر سریتا کو ڈسنے میں کامیاب ہو گیا۔ ادھر میری توجہ سریتا کی طرف مبذول ہوئی' ادھر اس نے اپنی اطراف چمکیلے غبار کا حصار کھینچ لیا اور پھر نکل بھاگا۔ مجھے آپ کی فکر بھی تھی کہ کہیں جاتے جاتے وہ آپ پر حملہ نہ کر دے۔ میں اسی لیے آپ کے تحفظ کی خاطر مکان سے باہر آ گیا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس کا ارادہ یہی تھا ورنہ ادھر کا رخ نہ کرتا جدھر آپ تھے۔ مجھے اپنے تعاقب میں پا کر وہ راستہ بدل کر بھاگ گیا۔ اسی وقت میں نے آپ کو تکلیف اور اذیت میں محسوس کیا اور دیکھا کہ آپ زمین پر پڑے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ سریتا کی چیخوں نے آپ کو مضطرب کر دیا ہو گا اور آپ شدید ہیجانی کیفیت میں آتشی حصار کو بھول گئے ہوں گے۔ جب میں آپ کے قریب پہنچا تو آپ اپنے حواس کھو چکے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ کے علم میں ہے۔" ہمزاد تفصیلات بتا کر خاموش ہو گیا۔

"جب وہ جون بدل کر فرار ہو رہا تھا' میری نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔" میں نے کہا۔ "مجھے وہ زخمی معلوم ہوا تھا۔ کیا وہ تم سے معرکہ آرائی کے درمیان زخمی ہو گیا تھا؟"

"ہاں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "میرا پہلا حملہ بہت بھرپور اور اچانک تھا۔ اگر وہ فوراً ہی سریتا کو اپنی ڈھال نہ بنا لیتا تو ممکن ہے زندہ نہ بچتا۔"

"اگر اسے یقین ہوتا کہ وہ سریتا کو اس مرتبہ بھی اپنے ساتھ لے کر فرار ہو جائے گا تو شاید اسے نہ ڈستا۔" میں نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"میرا قیاس یہ ہے کہ وہ سریتا کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے صرف اپنی زندگی بچانے کی خاطر مجبوراً ایسا کیا ہے۔" ہمزاد نے خیال آرائی کی۔

"کچھ بھی ہو' ہمیں تو نتائج دیکھنا ہیں!" میری آواز میں تلخی آ گئی۔ "خواہ اس نے دانستہ سریتا کو ختم کرنا چاہا ہو یا اپنی زندگی بچانے کے لیے' بہرحال وہ ناقابل معافی ہے! میں... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا!" میرے ہاتھوں کی مٹھیاں خود بہ خود بھنچ گئیں۔

"یقیناً وہ اسی سزا کا مستحق ہے۔" ہمزاد میری تائید میں بولا۔ "اور انشاء اللہ اسے یہ سزا ضرور ملے گی۔" یہ کہہ کر ہمزاد نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی دیکھی اور پھر سریتا کی طرف بڑھنے لگا۔

میں خاموشی کے ساتھ ہمزاد کی نقل و حرکت دیکھتا رہا۔ تریاق کے چند قطرے اس نے سریتا کے ہونٹوں پر ٹپکائے تھے۔

"تمہارا اندازہ کیا ہے' سریتا کو ہوش آ جائے گا' صبح سے پہلے؟" میں نے ہمزاد سے سوال کیا۔

"امید تو ہے' آگے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" اس نے گول مول جواب دیا۔ "ایک گھنٹے کے بعد آخری خوراک اور دوں گا' پھر ضرورت نہیں رہے گی۔"

اس کے آخری الفاظ سن کر میرے دل پر چوٹ سی لگی' مگر میں کچھ بولا نہیں۔ اس کے گول مول جواب سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ سریتا کی طرف سے وہ بھی زیادہ پرامید نہیں ہے ورنہ اس کے الفاظ کچھ اور ہوتے' لہجہ پر یقین ہوتا۔

خدا خدا کر کے ایک گھنٹہ اور گزارا۔ سریتا اب تک بے ہوش تھی۔ ہمزاد نے تریاق کی آخری خوراک بھی اس کے ہونٹوں پر ٹپکا دی۔ اس وقت رات کے سوا تین بج رہے تھے۔ میرا اضطراب لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ نتیجتہً میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ یہ رات سریتا کی زندگی کی آخری رات بھی ثابت ہو سکتی ہے' اس خیال نے میرے دل کو بے چین اور آنکھوں کو بے خواب کر رکھا تھا۔ میں اس بے بس و مجبور لڑکی کو شیطان صفت شمبھو کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا' لیکن یہ کامیابی مجھے ناکامی میں بدلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی

زندگی میری کامیابی تھی اور موت ناکامی!

وقت دبے پاؤں گزرتا رہا۔ پھر ادھر صبح کی اذان ہوئی' اُدھر سریتا کو ہوش آگیا۔ میں اس کے سرہانے آکر بیٹھ گیا تھا۔

"سریتا!" میں چیخ اٹھا۔ "تم... تم۔" جذبات کی شدت نے میری زبان گنگ کر دی۔

اس کی آنکھیں انتہائی سرخ ہو رہی تھیں۔ معاً" میں نے اس کے لبوں کو حرکت کرتے دیکھا۔ اس نے یقیناً کچھ کہا تھا مگر آواز اتنی مدھم تھی کہ ۔ کچھ سنائی نہ دیا۔ میں فوراً ہی جھک گیا۔

"کہو... کہو سریتا' کیا کہنا چاہتی ہو!" میں نے اپنے دونوں پاؤں سمیٹ کر مسہری پر بیٹھتے ہوئے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔

"صا... صاحب جی!" اس نے مشکل یہ کہا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں... میں خوش... خوش ہوں صاحب جی کہ... کہ آپ کے زانو پر... سر رکھ... رکھ کر اس... اس دنیا سے رخصت ہو رہی..."

"نہیں سریتا!" میں بلند آواز میں بولا۔ "تم... تم مجھے... اپنے صاحب جی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتیں!... تم زندہ بچ گئی ہو!... تم نہیں مرو گی... زندہ رہو گی تم!"

"نن... نہیں... نہیں صاحب... جی! میں... میں نہیں بچوں گی۔ مجھے... معلوم ہے... معلوم ہے مجھے!" یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

مجھے ہمزاد کی تاکید یاد آئی کہ اسے سونے نہیں دینا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اس کے دونوں رخسار تھپتھپائے اور زور سے بولا۔ "آنکھیں کھولو سریتا!... آنکھیں کھولو!"

"صا... صاحب جی' مجھے نیند... بہت... زور کی نیند آ رہی ہے۔" وہ بہ مشکل اپنی آنکھیں کھولتی ہوئی بولی۔

"تمہیں ہرگز نہیں سونا سریتا!" میں نے جلدی سے تیز آواز میں کہا۔

ہیں جاگنا ہے... جاگنا ہے سریتا! ہر قیمت پر جاگنا ہے!" میں نے دوبارہ اسے کھیں بند کرتے دیکھ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"ہاں... ہاں صاحب جی!" وہ بڑبڑا کر بولی اور آنکھیں کھول دیں۔

میں نے ایک بار پھر اسے نہ سونے کی تاکید کی۔

"میرے... میرے اچھے صاحب... صاحب جی!... سونے دیں نا مجھے!" وہ ا آمیز لہجے میں کہنے لگی۔

"نہیں!" میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اگر وہ اس لہجے میں کچھ اور کہتی تو د میں انکار نہ کر سکتا' مگر اس وقت اس کی بات مان لینا' محبت نہیں دشمنی تھی۔

اس کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری اور سوجے سوجے سے دکھائی دے ہے تھے۔ دونوں آنکھیں نیم وا سی تھیں۔ کوشش کے باوجود وہ شاید پوری طرح کھیں کھولنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ چہرے پر اب نیلاہٹ بس برائے نام ئی تھی۔

"اسے بیدار رکھنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔" معاً" ہمزاد مجھ سے ب ہوا جو مسہری کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"وہ کیا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"شور ہنگامہ!" وہ بولا۔ "اتنا شور کہ یہ سو نہ سکے' لیکن یہ... ممکن معلوم ں ہوتا۔"

"کیوں ممکن نہیں؟" میں بغیر سوچے سمجھے بے دھیانی میں کہہ گیا۔

"سارا محلہ جاگ جائے گا۔" ہمزاد نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ شور باہر سنائی نہ دے؟" میں نے چند لمحے خاموش رہ سوچتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ دن تو..."

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن شور سن کر لوگ یقیناً اس طرف متوجہ ہو جائیں ۔" ہمزاد بولا۔ "آپ ایسی صورت میں کیا کہیں گے لوگوں سے؟ اور یہ ممکن ں کہ شور باہر نہ سنائی دے۔" یہ کہتے ہی ہمزاد نے میری توجہ سریتا کی طرف ل کرائی۔ "اس نے پھر آنکھیں بند کر لی ہیں۔"

عام حالات میں یقیناً میرا عمل وحشیانہ ہی کہا جاتا مگر عمل کا انحصار بڑی
تنگ حالات کا رہین منت ہوتا ہے۔ ایک ہی عمل بعض حالات میں ناگوار اور بعض
میں ضرورت محسوس ہوتا ہے۔ میں نے اپنے دل پر جبر کر کے سریتا کی دراز زلفیں
اپنی مٹھی میں جکڑلی تھیں اور اسے جھنجوڑ ڈالا تھا۔

اس نے کراہ کر ایک دم آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے میری طرف
دیکھنے لگی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں شکایت کی تحریر بھی پڑھ لی تھی۔ اسے
مجھ سے یہ توقع نہیں رہی ہو گی۔

"سریتا! اٹھ کر بیٹھ جاؤ!" میں نے سختی سے کہا اور پھر اسے سہارا دے
اٹھانے لگا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی ترکیب آئی تھی۔ وہ بغیر کچھ کہے اٹھنے
کی کوشش کرنے لگی۔

"تم اگر اب سو گئیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا!" میں نے ایک بار
اس کے بالوں کو جھٹکا دیا۔ اب وہ میرے سہارے بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کے منہ سے سسکی سی نکلی اور اس کے ساتھ اس نے گلہ بھی کیا
"... صاحب جی! کیا... آپ کو کیا ہو گیا ہے؟... پہلے... پہلے تو کبھی آپ نے...
اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"پہلے تم کبھی موت سے اتنے قریب نہیں ہوئی تھیں۔" میں نے
بھرے لہجے میں کہا۔

"موت... موت تو آنا ہی ہے صاحب جی!" وہ خواب ناک لہجے میں بولی
"اگر آج... آج آپ نے مجھے بچا لیا تو... تو کل پھر وہ... وہ..." اس کی آواز
خوف جھلکنے لگا۔

"بھول جاؤ اس شیطان کو!" میں نے بلند آواز میں کہا۔ "اب وہ تمہیں
مجھ سے چھین کر نہیں لے جا سکے گا!"

"شاید... شاید..." وہ غنودہ سی آواز میں بولی اور پھر اپنا سر میرے شانے
سے لگا دیا۔

"سر ہٹا لو میرے شانے سے!" میری آواز میں برہمی تھی۔

"مجھے آرام... آرام مل رہا تھا صاحب جی اس طرح!" وہ رک رک کر
لہجے میں بولی۔

"اس وقت آرام ہی تو تمہارے لیے خطرناک ہے!" یہ کہہ کر میں نے
اپنے ہاتھ سے اس کا سر اپنے شانے سے ہٹا دیا۔

کچھ دیر بعد مجھے محسوس ہوا کہ یہ ترکیب بھی کارگر نہیں رہی۔ وہ میرے
بیٹھ کر پھر سو گئی تھی۔ میں نے اسے ایک بار پھر جھنجوڑ ڈالا' اگر اب کے
نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

"ہمزاد!" میں تقریباً چیخ اٹھا۔ "یہ... یہ کیا... کیا ہو گیا اسے؟... یہ... یہ
نہیں کیوں نہیں کھول رہی؟"

"اب وقت گزر چکا ہے' صبر کیجئے!" ہمزاد مردہ سی آواز میں بولا۔ "اب یہ
چند لمحوں کی مہمان ہے۔"

"نہیں!... یہ نہیں ہو سکتا!... ایسا نہ کہو!... نہ کہو!" میری آواز بھرا
"

"لٹا دیں اسے! آپ دیکھ نہیں رہے کہ تنفس کتنا کم ہو گیا ہے! برائے نام
آ رہا ہے۔" ہمزاد قریب آ گیا۔ پھر خود اسی نے سریتا کو سیدھا لٹا دیا۔

"سریتا!... سریتا! میں پاگلوں کی طرح چیخنے لگا اور اس کے شانوں کو دونوں
میں لے کر زور زور سے ہلانے لگا۔ "آنکھیں کھولو سریتا!"

"صبر کریں۔" ہمزاد نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں!" میں نے پلٹ کر ہمزاد کو ڈانٹ دیا۔ "چیخنے دو مجھے... چیخنے دو!
جاؤ میرے پاس سے!" مجھ پر ایک جنونی کیفیت سی طاری ہونے لگی۔ "میں
سونے نہیں دوں گا!"

"ہوش میں آئیں' سریتا دم دے چکی ہے اور اب آپ کے چیخنے چلانے
حاصل نہیں ہو گا۔" ہمزاد نے مجھے ایک بار پھر سمجھایا۔

"بکتے ہو تم!" میں چیخا۔ جنونی کیفیت اب کچھ اور سوا ہو گئی تھی۔ میرا جی
تھا کہ ہر شے کو توڑ پھوڑ ڈالوں اور خود بھی ٹوٹ جاؤں' بکھر جاؤں! اور...

اور...

میں نے اسی عالم میں ہمزاد کے ہاتھ کا لمس اپنے ماتھے پر محسوس کیا۔ یوں جیسے میرے سارے وجود میں ایک سرد لہر سی دوڑ گئی۔ میرے ذہن پر ٹھنڈا اندھیرا پھیل گیا۔ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا! اس لمحے میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

جانے کتنی دیر میرا وجود اس ٹھنڈے اندھیرے میں دفن رہا۔ پھر مجھے کچھ حرارت سی محسوس ہوئی تو یوں لگا جیسے زندگی ایک بار پھر مجھ میں لوٹ آئی ہے۔ میں کون ہوں، کہاں ہوں؟ کچھ دیر کو سبھی کچھ میرے ذہن سے محو ہو گیا۔ ذہن پر ایک سناٹا سا طاری تھا۔

کتنی ہی ساعتیں اسی طرح گزر گئیں اور پھر دھیرے دھیرے میرا شعور بیدار ہونے لگا۔ مجھے سب کچھ یاد آتا گیا۔ یادوں کا کارواں جب لمحہ موجود کی دہلیز پر آ کے رک گیا تو میں نے ایک دم آنکھیں کھول دیں اور اسی جانے والے کو پکارا جو اب کبھی لوٹ کر آنے والا نہیں تھا۔ میں فوراً" اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بستر خالی تھا، وہاں سریتا نہیں تھی۔

"کہاں گئی وہ؟... کہاں گئی سریتا؟" میں یہ دیکھے بغیر چیخ اٹھا کہ کمرے میں میرے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ میری حالت اس وقت بالکل دیوانوں کی سی تھی۔ مسہری سے اتر کر میں خواب گاہ میں چکرانے لگا۔ اگر میرا ذہن قابو میں ہوتا تو شاید مجھے فوراً" ہی ہمزاد کا خیال آ جاتا مگر اس میں دیر لگی۔ سریتا کی اچانک موت کے صدمے نے یقیناً میرے ذہن کو متاثر کیا تھا۔ "ہمزاد کہاں گیا؟... مجھے اس کو چاہیے!" میں بڑبڑانے لگا اور پھر اچانک بلند اور تیز آواز میں اسے پکارا۔ "ہمزاد!"

دوسرے ہی لمحے وہ میرے ساتھ تھا۔

"کہاں تھے تم؟... اور.... سریتا کہاں ہے؟" میں نے اس کے ظاہر ہوتے ہی بے تابی سے پوچھا۔

"میں اس کی آخری رسوم ادا کر رہا تھا کہ..."

"کیا؟... کیا کہہ رہے ہو تم... تم میرے... مجھ سے پوچھے بغیر یہ... یہ سب کچھ کیا کر رہے ہو؟... کیا کر رہے ہو تم... تم نے... تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ... کیا تم یہ بھی نہیں چاہتے کہ... کہ میں آخری بار اس... اس کی صورت بھی دیکھ سکوں؟ بتاؤ!" میں اس کی بات کاٹ کر چیخ اٹھا۔

"آپ کا ذہن قابو میں نہیں تھا۔" ہمزاد پرسکون آواز میں بتانے لگا۔ "میں نے اسی لیے آپ کو گہری نیند سلا دیا تھا، اگر ایسا نہ کرتا تو..."

"اور تم مجھے گہری نیند سلا کر اسے یہاں سے اٹھا لے گئے! یہ سوچے بغیر کہ مجھ پر کیا گزرے گی! کہاں ہے وہ؟" میرے لہجے میں تلخی تھی۔

"مرگھٹ میں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "اس کی چتا میں آگ لگائی جانے والی تھی کہ آپ نے مجھے بلا لیا۔"

"چتا.. سریتا کی چتا!" میں کھو سا گیا۔

"جی ہاں۔ اب اس حقیقت کو آپ قبول کر لیں تو بہتر ہے اور مجھے جانے دیں تاکہ اس کی آخری رسوم ادا ہو سکیں۔"

"مجھے... مجھے بھی لے چلو وہاں! میں... میں آخری بار اپنی سریتا کا چہرہ... دیکھنا چا... چاہتا ہوں۔" میرے سینے میں کرچیاں سی بکھرنے لگیں۔

پھر جو کچھ ہوا، میرے لیے ایک خواب سا تھا۔ میں نے اسی عالم میں سریتا کو چتا پر لیٹے دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مری نہ ہو، سو رہی ہو۔ میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ ہمزاد مجھے پیچھے ہٹا لایا اور پھر چند ہی لمحے بعد وہ نازک سا حسین جسم شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ شعلے جیسے سریتا کی چتا سے نہیں، میرے وجود سے اٹھ رہے تھے۔ وہ ہولناک اور روح فرسا منظر میری آنکھوں میں بس گیا تھا، چتا سے اٹھتے ہوئے شعلے اور میرا جلتا جھلستا ہوا وجود! میں زیادہ دیر اس منظر کی تاب نہ لا سکا۔ ہمزاد نے میری کیفیت محسوس کر لی اور پھر مجھے وہاں سے لے آیا۔

شام ہونے تک میری آنکھیں ساون بھادوں بنی رہیں۔ اتنا رنج شاید مجھے کسی کے بچھڑنے کا نہیں ہوا تھا۔ شاید اس کا سبب میرا بدلا ہوا طرز فکر تھا۔ اب زندگی اور موت کے معنی میرے نزدیک کچھ اور تھے۔ شاید اب میں خود غرض نہیں رہا تھا، میرا سینہ کدورت سے پاک ہو چکا تھا۔ اگر ایسے میں ہمزاد میرے زخموں پر مرہم نہ رکھتا تو شاید میں یہ صدمہ برداشت نہ کر پاتا۔

شام ہوئی' پھر اندھیرا پھیلنے لگا۔ ہمزاد نے روشنی کرنا چاہی مگر میں نے اسے روک دیا۔ "میرے اندر اندھیرا پھیلا ہوا ہے تو باہر بھی اندھیرا ہی رہنے دو!"

ہمزاد پلٹ آیا' پھر میرے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔ "کچھ کھا لیں' صبح سے آپ نے...؟"

"نہیں۔" میں نے انکار کر دیا۔ "مجھے بس یونہی لیٹا رہنے دو۔ جی نہیں چاہ رہا کچھ کھانے کو۔"

"اسی وقت نیچے دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک اٹھا۔ مجھے اس وقت خیال ہی نہ آیا کہ دستک دینے والا کون ہو سکتا ہے! اسی لیے ہمزاد کو اشارہ کیا۔"

"نفیسہ ہے۔" ہمزاد نے آ کر بتایا۔ "کہیں تو بلا لوں؟"

"نہیں۔ جب دروازہ نہیں کھلے گا تو گھر میں اندھیرا دیکھ کر خود ہی چلی جائے گی۔ میں... میں کسی سے... کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتا۔"

کچھ دیر مزید دستکیں سنائی دیں اور پھر شاید نفیسہ مایوس ہو کر لوٹ گئی۔

دوسرے دن صبح ہمزاد نے گویا بالجبر مجھے تھوڑا بہت ناشتہ کرایا۔ رات کو جانے کس وقت میری آنکھ لگ گئی تھی! اضطراب' رنج اور بے چینی کے باوجود میں گہری نیند سویا تھا' اس کا سبب ہمزاد ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے ہی مجھے گہری نیند سلا دیا ہو گا تاکہ گہری نیند میرے ذہن کو قدرے پرسکون کر دے' مگر میں نے ہمزاد سے اس سلسلے میں کوئی استفسار نہیں کیا۔ اس کا فعل میری بہتری ہی کے لیے ہوتا تھا۔

وقت بڑا مرہم ہے' اس کا اندازہ مجھے دو دن گزرنے کے بعد ہوا۔ ان دنوں میں گویا قید بند رہا تھا۔ میں دریچے تک بھی نہیں گیا تھا۔ دو دنوں کے دوران میں کئی بار گھر کے دروازے پر دستکیں ہوئی تھیں مگر میں اپنی خلوت سے نہیں نکلا تھا۔ اس عرصے میں ہمزاد ہر لمحہ میرے قریب رہا تھا۔ تیسرے دن شام تک میں بڑی حد تک سنبھل چکا تھا۔ ہمزاد دن بھر مجھے ہموار کرتا رہا تھا کہ آج دروازے پر دستک ہو تو میں دروازہ کھولنے سے انکار نہ کروں۔

اس کا اندازہ مجھے بھی کچھ کچھ تھا کہ نفیسہ میری طرف سے فکر مند ہو

گی کہ اچانک میں کہاں چلا گیا؟

"ٹھیک ہے۔" میں نے رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ "اگر تم کہتے ہو تو میں' نفیسہ سے مل لوں گا۔"

پھر جب حسب معمول اس شام بھی دروازے پر دستک ہوئی تو میں خود ہی دروازہ کھولنے کے لیے نیچے چلا گیا۔ اس وقت ہمزاد کے چہرے پر مجھے اطمینان نظر آیا تھا۔ وہ یقیناً اس بات پر خوش ہو گا کہ میں دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ رہا ہوں۔

دروازہ کھلتے ہی نفیسہ تیز ہوا کے جھونکے کی طرح اندر آ گئی اور میں نے دروازہ بند کر لیا۔

"تھے کہاں آپ کئی دن سے؟" وہ چھوٹتے ہی بولی۔

"کہیں نہیں' بس یونہی ذرا... آؤ تو سہی تم!" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا' پھر بولا "کہاں بیٹھو گی؟ اوپر یا..." میں نے نشست گاہ کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کوئی مہمان تو ہوں نہیں۔" وہ بے تکلفی سے کہنے لگی۔ "اوپر ہی چلتے ہیں"

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اسے کیا جواب دوں' کہاں گیا تھا؟

"چہرہ کچھ اترا اترا سا لگ رہا ہے۔ کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

"ہاں" ٹھیک ہی ہوں۔" میں نے طویل سانس لیا۔

"لگتے تو نہیں۔" وہ مسکرائی۔ اسے کیا خبر تھی کہ مجھ پر کیا گزر چکی ہے۔

"تین دن سے آپ کے گھر میں اندھیرا نظر آ رہا تھا۔" وہ کہنے لگی۔ "اس دوران میں کئی بار میں آئی مگر شاید تھے نہیں آپ گھر میں!"

"ہاں کبھی کبھی آدمی ہو کر بھی نہیں ہوتا۔" میں نے خواب گاہ میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ دوسری مسہری... پہلے تو نہیں تھی شاید!" وہ خواب گاہ میں داخل ہوتے ہی چونک کر بولی۔

"ہاں نئی منگوائی ہے اس لیے کہ کوئی مہمان وغیرہ آجائے تو اسے زحمت نہ ہو۔"

تو مہمان بھی آتے ہیں یہاں!" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

ہم دونوں آرام دہ کرسیوں پر آبیٹھے۔ میں نے اس کے معنی خیز جملے کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بیٹھنے کے بعد پہلی بار میں نے اس پر بھرپور نظر ڈالی۔ وہ بڑی باغ و بہار نظر آرہی تھی۔ سبز شلوار سوٹ اس پر بچ رہا تھا۔ یوں بھی جسم بے ڈول نہ ہو تو عورت پر ہر کپڑا اچھا ہے۔ میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی آمد سے میرے غم خانے کی فضا کچھ بدل گئی ہے۔ شاعر نے وجودِ زن کو تصویرِ کائنات کا رنگ یوں ہی نہیں کہا۔ یقیناً عورت کا وجود ماحول کا رنگ بدل دیتا ہے۔

"بتایا نہیں آپ نے کہاں گئے تھے؟" وہ اپنے شانے پر دوپٹے کا پلّو سنبھالتے ہوئے بولی۔ "میں آپ سے ملنے کے لیے یوں اور بے چین تھی کہ ایاز کے بارے میں بتا سکوں۔"

آیاز کے متعلق وہ مجھے پہلے بھی بتا چکی تھی کہ اس کے دفتر کا ساتھی ہے۔ آیاز اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے اسی لیے شادی بھی نہیں کی تھی۔ میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تو بتاؤ' کیا ہوا آیاز کو؟" میری نگاہ اس کے چہرے پر تھی۔

"میں ہی بتائے جاؤں' آپ کچھ نہیں بتائیں گے!" اس نے نگاہ اٹھائی۔ اس کے لہجے میں دوستانہ شکایت تھی۔ "یہ دوستی تو نہ ہوئی! دوستی کا مطلب تو یہ ہے کہ آدمی ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کا شریک ہو! آپ کا بجھا بجھا چہرہ اور لہجے کی اُداسی بہت کچھ کہہ رہی ہے۔ اس دوران میں کوئی نہ کوئی ایسی بات تو ضرور ہوئی ہے جس نے آپ کو ملول کر دیا ہے۔ بولیں' غلط کہہ رہی ہوں میں؟"

اس نے مجھے عجب کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس سے جھوٹ بولوں' لیکن اس وقت اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر بھی میں نے ایک کوشش اور کرلی۔ میں نے کہا۔ "نفیسہ! یاد ہوگا تمہیں' میں نے کہا تھا کہ کچھ باتوں کا نہ جاننا اچھا ہوتا ہے۔ تو مجھے مجبور نہ کرو اس پر! اس ذکر سے میں اور

ملول ہو جاؤں گا اور یقیناً تم مجھے اداس دیکھنا..."

میری کوشش رائگاں نہیں ہوئی۔ وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "اگر کوئی بات ہے تو رہنے دیں۔ میرا مقصد آپ کو اداس کرنا نہیں۔"

"شکریہ!" میں نے کہا۔ "تم نے مجھے ایک ذہنی الجھن سے بچا لیا ہاں وہ تم کیا کہہ رہی تھیں' ایاز کے بارے میں؟"

"آپ کے مشورے پر میں نے آیاز کے ساتھ اپنا رویّہ بدل دیا۔ پہلے ہی مجھے شدید حیرت ہوئی۔ آپ کا اندازہ قطعی درست تھا۔ میں نے فوراً یہ یہ محسوس کرلی کہ وہ اب بھی مجھے ٹوٹ کر چاہتا ہے۔"

"پھر کیا ارادہ ہے تمہارا؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مسئلہ بس وہی ہے۔" اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اگر وہ اب بھی ے والدین کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہوا اور اس نے اپنی پہلی ضد نہ چھوڑی ..."

"سنو!" میں درمیان میں بول اٹھا۔ "دراصل مسئلہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"پھر؟"

"دیکھو نفیسہ' آدمی کو حقیقت پسند ہونا چاہیے۔" میں سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں کہیں' میں قطعی برا نہیں مانوں گی۔" وہ فوراً بول اٹھی۔ اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"تو سنو' اصل مسئلہ تمہارے والدین اور ان کی گزر بسر کا ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کہہ دیا' پھر بغیر رکے مزید بولا۔ "اس بات کو یوں سمجھو کہ اگر تم دونوں کے درمیان یہ مسئلہ نہ ہوتا تو یقیناً اب تک ایک دوسرے کو اپنا چکے ہوتے۔ خود ہی بتاؤ' میرا کہنا بجا ہے یا نہیں؟"

"یہ تو خیر آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے ٹھنڈا سانس بھرا' پھر کہنے

گی۔ "لیکن اس مسئلے کا حل کیا ہو؟ یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"پہلی بات تو تم اپنے ذہن سے یہ نکال دو کہ نوکری چھوڑ کر اس پر بوجھ بن جاؤ گی۔"

"یعنی آپ کا مشورہ یہ ہے کہ میں اس کی مرضی کے مطابق نوکری چھوڑ دوں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"پہلے پوری بات تو سن لو۔ میں نے ابھی یہ بات کب کی ہے! میرے ایک سوال کا جواب دو۔ یہ بتاؤ' ایاز کو اتنی تنخواہ مل جاتی ہے کہ وہ تمھارا اور تمھارے والدین کا خرچ پورا کر سکے؟"

"ہاں ہاں' کیوں نہیں!... مگر..."

"سنو!" میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "میرے ذہن میں جو کچھ ہے' وہ کہنے دو' اس کے بعد 'اگر' 'مگر' کرنا۔ تم غالباً" مجھے بتا چکی ہو کہ وہ پہلے بھی تمھارے والدین کے اخراجات اٹھانے پر آمادہ تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ انھیں اپنے ساتھ رکھنے پر راضی نہیں تھا اور نہ ان کے ساتھ رہنے پر! یہی بات تھی نا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"ہاں یہی تھا۔"

"میرے خیال میں یہ اس کی زیادتی تھی۔"

"کیا؟" اس نے پوچھا۔

"یہی کہ وہ تمھارے والدین کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس نے اس طرح تمھاری عزت نفس کا خیال نہیں کیا اور اسی سے بات بگڑ گئی۔ بات بنانے کی اب ایک ہی صورت ہے کہ اس کے کچھ مطالبے تم مان لو اور کچھ وہ اپنے رویے میں لچک پیدا کر لے جیسا کہ غالباً" میں نے پہلے بھی کہا تھا۔"

نفیسہ نے مجھ سے واضح الفاظ میں وضاحت چاہی۔

"میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ اگر ایاز چاہتا ہے کہ تم نوکری چھوڑ دو تو تمھیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ دیکھو نفیسہ' اگر ہر عورت یہی سوچنے لگے کہ وہ اپنے مرد پر بوجھ ہے تو پھر ہمارے ہاں کی گھریلو زندگی کا ڈھانچا ہی ٹوٹ کر بکھر

جائے۔ میرے نزدیک یہ مریضانہ طرز فکر ہے۔ اگر آج کی عورت اس طرح سوچتی ہے تو یقیناً یہ غلط ہے۔ یہ مغربی طرز فکر ہے' مشرقی نہیں! اور مغرب کو اس طرز فکر کی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی ہے اور ابھی تک یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ مرد سے برابری کا دعوی دراصل احساس کمتری کی دلیل ہے۔ اس گمراہ کن نعرے نے بہت سے گھر اجاڑ دیے ہیں' بہت سی عورتوں کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی ذمے داریاں پوری کرتے ہیں۔ عورت گھر کی ذمے داریاں سنبھالتی ہے اور مرد باہر کی۔ ذمے داریوں کی یہ تقسیم فطری ہے۔ اس میں نہ کوئی بڑا ہے اور نہ چھوٹا۔ دونوں ہی گویا ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ عورت مرد کے بغیر ادھوری ہے اور مرد عورت کے بغیر! سمجھ رہی ہو نا تم!"

میں نے اس کا چہرے کا جائزہ لیا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تو میں نے مزید کہا۔ "تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اگر ایاز کے کہنے پر نوکری چھوڑ دیتی ہو تو غلط نہیں۔ ہاں اس کا یہ اصرار البتہ غلط ہو گا کہ تم اپنے والدین کے ساتھ نہ رہو۔ تو میرا خیال ہے کہ وہ اب یہ اصرار نہیں کرے گا۔"

"یعنی ہمارے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائے گا؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ اسے نہیں جانتے' وہ بڑا ضدی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی اس پر راضی نہیں ہو گا۔"

"مجھے..." وہ سوچ میں پڑ گئی' پھر کچھ دیر بعد بولی۔ "ٹھیک ہے' میں... اسے اپنانے کی خاطر یہ قربانی دے سکتی ہوں۔"

"تو پھر جب تم راضی ہو تو مجھے یہ یقین ہے کہ وہ بھی راضی ہو جائے گا کہ تمھارے والدین کے ساتھ رہے۔ تم کل اس سے صاف صاف بات کرو' پھر بتاؤ مجھے۔"

"اور رشید؟"

"وہ بات بعد کی ہے۔ ایاز راضی ہو گیا تو پھر یہ معاملہ ختم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔" میں بولا۔

"رشید بہت کینہ پرور اور سازشی ہے۔ وہ اس معاملے میں کوئی نہ کوئی روڑا ضرور ڈالے گا۔" اس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔" میں نے کہا' پھر معاً" مجھے ایک بات یاد آگئی۔

"یہ بتاؤ کیا رشید تمھارے ماضی سے باخبر ہے؟"

"ہاں اسے سب کچھ معلوم ہے۔" نفیسہ نے بتایا۔

"بس اس کے ہاتھ میں یہی ایک پتّا ہے۔" میں سر ہلا کر بولا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"وہ اپنی پتنگ کٹتے دیکھ کر ایاز کو تمھارے ماضی سے آگاہ کر دے گا تاکہ معاملہ بگڑ جائے اور وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا سکے۔"

"پھر؟" وہ فکر مند ہو گئی۔ "پھر کیا ہو گا... یہ ... یہ بات تو میرے ذہن ہی میں نہیں تھی۔"

"یہ کوئی ایسی تشویش کی بات نہیں۔ اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کیسے؟" وہ بے چین نظر آ رہی تھی۔

"وہ تمھیں چاہتا ہے' اس کا اقرار خود تم بھی اپنی زبان سے کر چکی ہو اور تم بھی جانتی ہو' میں بھی کہ ماضی میں تمھارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا' اس کی ذمے داری تم پر بہرحال نہیں ہے۔ تم بے گناہ ہو' مظلوم ہو! اگر واقعی ایاز کے دل میں تمھاری محبت ہے تو وہ سب کچھ جان لینے کے باوجود تمھیں اپنانے سے گریز نہیں کرے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے یہ ساری باتیں کسی اور سے نہیں خود تمھی سے معلوم ہونا چاہئیں تاکہ وہ بعد میں یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو' تم نے اسے دانستہ اندھیرے میں رکھا تھا' دھوکا دیا تھا۔ ایک بات کوئی خود بتا دے اپنے بارے میں اور وہی بات کسی دوسرے کے توسط سے علم میں آئے' ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ تم یقیناً میری بات سمجھ رہی ہو گی۔ بالفرض تم اسے خود ہی سب کچھ بتا دیتی ہو اور بعد میں یہی باتیں اسے رشید کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں تو اس پر کوئی غلط اثر مرتب نہیں ہو گا۔"

میری بات سن کر نفیسہ کچھ دیر خاموش رہی۔ چہرے سے لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہو۔

"کیوں' کیا بات ہے؟" میں نے اسے ٹوکا۔ "کیا تم میری تجویز سے متفق نہیں ہو؟"

"نہیں' یہ بات نہیں ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں دراصل یہ سوچ رہی تھی کہ میرا ماضی کہیں اسے پچھتاوے کی آگ میں جلنے پر مجبور نہ کر دے۔ میرے خیال سے مرد سب کچھ برداشت کر لیتا ہے لیکن چاہت کتنی ہی کیوں نہ ہو' یہ معاملہ ایسا ہے کہ..." وہ جھجکی اور اس کا جھجکنا بجا تھا۔ بات ہی ایسی تھی جسے زبان پر لانا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس کے باوجود اس نے مثال دے کر اپنی بات کہہ ہی دی کہ یہ بھی بات کہنے کا ایک طریقہ ہے۔ "دیکھیے ناجان بوجھ کر مکھی کون کھاتا ہے!"

بڑی حد تک اس نے سچّی بات کہی تھی۔ یہ بات خود مجھ پر بھی صادق آتی تھی۔ اگر اس کا ماضی آڑے نہ آ گیا ہوتا تو بھلا میں ہی کیوں پیچھے ہٹ جاتا! پھر بھی یہ کوئی کلیہ نہیں۔ ممکن ہے ایاز کی محبت میں اتنی وارفتگی ہو کہ وہ اس کی پروا نہ کرے' میں نے سوچا' پھر اسے تسلی دینے کی خاطر کہا۔ "سنو نفیسہ! آدمی ایک حد تک ہی وقت اور حالات کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے یا گزارنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ہر بات اس کی مرضی و خواہش کے مطابق نہیں ہوتی' لیکن جدوجہد جاری رکھنا چاہیے کہ یہی زندگی ہے۔ تم قدم تو اٹھاؤ' ممکن ہے خود بہ خود راستے تمھارے حق میں ہموار ہوتے چلیں جائیں۔ دیکھو کچھ معاملات اس ذات واحد پر بھی چھوڑ دینا چاہئیں جو ہر شے پر قادر ہے۔"

اس کے چہرے سے قدرے اطمینان جھلکنے لگا۔ میں اسے مزید کچھ دیر سمجھاتا رہا اور پھر وہ دوسرے دن شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ میں نے اسے رخصت کر کے نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک بار پھر میرا ذہن سریتا کی طرف منتقل ہو گیا۔ وہ میری ہی وجہ سے بے گناہ ماری گئی تھی۔ شمبھو کا عمل بالکل اس بلّی کی طرح تھا جو کھاتی نہیں تو اوندھا دیتی ہے۔

گی۔ "لیکن اس مسئلے کا حل کیا ہو؟ یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"پہلی بات تو تم اپنے ذہن سے یہ نکال دو کہ نوکری چھوڑ کر اس پر بوجھ بن جاؤ گی۔"

"یعنی آپ کا مشورہ یہ ہے کہ میں اس کی مرضی کے مطابق نوکری چھوڑ دوں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"پہلے پوری بات تو سن لو۔ میں نے ابھی یہ بات کب کی ہے! میرے ایک سوال کا جواب دو۔ یہ بتاؤ' ایاز کو اتنی تنخواہ مل جاتی ہے کہ وہ تمھارا اور تمھارے والدین کا خرچ پورا کر سکے؟"

"ہاں ہاں' کیوں نہیں!... مگر..."

"سنو!" میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "میرے ذہن میں جو کچھ ہے' وہ کہنے دو' اس کے بعد' اگر' 'مگر' کرنا۔ تم غالباً" مجھے بتا چکی ہو کہ وہ پہلے بھی تمھارے والدین کے اخراجات اٹھانے پر آمادہ تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ انھیں اپنے ساتھ رکھنے پر راضی نہیں تھا اور نہ ان کے ساتھ رہنے پر! یہی بات تھی نا؟" میں نے تصدیق چاہی۔

"ہاں یہی تھا۔"

"میرے خیال میں یہ اس کی زیادتی تھی۔"

"کیا؟" اس نے پوچھا۔

"یہی کہ وہ تمھارے والدین کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس نے اس طرح تمھاری عزت نفس کا خیال نہیں کیا اور اسی سے بات بگڑ گئی۔ بات بنانے کی اب ایک ہی صورت ہے کہ اس کے کچھ مطالبے تم مان لو اور کچھ وہ اپنے رویے میں لچک پیدا کرلے جیسا کہ غالباً" میں نے پہلے بھی کہا تھا۔"

نفیسہ نے مجھ سے واضح الفاظ میں وضاحت چاہی۔

"میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ اگر ایاز چاہتا ہے کہ تم نوکری چھوڑ دو تو تمھیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ دیکھو نفیسہ' اگر ہر عورت یہی سوچنے لگے کہ وہ اپنے مرد پر بوجھ ہے تو پھر ہمارے ہاں کی گھریلو زندگی کا ڈھانچا ہی ٹوٹ کر بکھر

جائے۔ میرے نزدیک یہ مریضانہ طرز فکر ہے۔ اگر آج کی عورت اس طرح سوچتی ہے تو یقیناً یہ غلط ہے۔ یہ مغربی طرز فکر ہے' مشرقی نہیں! اور مغرب کو اس طرز فکر کی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی ہے اور ابھی تک یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ مرد سے برابری کا دعوی دراصل احساس کمتری کی دلیل ہے۔ اس گمراہ کن نعرے نے بہت سے گھر اجاڑ دیے ہیں' بہت سی عورتوں کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی ذمے داریاں پوری کرتے ہیں۔ عورت گھر کی ذمے داریاں سنبھالتی ہے اور مرد باہر کی۔ ذمے داریوں کی یہ تقسیم فطری ہے۔ اس میں نہ کوئی بڑا ہے اور نہ چھوٹا۔ دونوں ہی گویا ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ عورت مرد کے بغیر ادھوری ہے اور مرد عورت کے بغیر! سمجھ رہی ہو نا تم!"

میں نے اس کا چہرے کا جائزہ لیا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تو میں نے مزید کہا۔ "تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اگر ایاز کے کہنے پر نوکری چھوڑ دیتی ہو تو غلط نہیں۔ ہاں اس کا یہ اصرار البتہ غلط ہوگا کہ تم اپنے والدین کے ساتھ نہ رہو۔ تو میرا خیال ہے کہ وہ اب یہ اصرار نہیں کرے گا۔"

"یعنی ہمارے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائے گا؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ اسے نہیں جانتے' وہ بڑا ضدی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی اس پر راضی نہیں ہوگا۔"

"مجھے..." وہ سوچ میں پڑ گئی' پھر کچھ دیر بعد بولی۔ "ٹھیک ہے' میں اسے اپنانے کی خاطر یہ قربانی دے سکتی ہوں۔"

"تو پھر جب تم راضی ہو تو مجھے یہ یقین ہے کہ وہ بھی راضی ہو جائے گا کہ تمھارے والدین کے ساتھ رہے۔ تم کل اس سے صاف صاف بات کرو' پھر بتاؤ مجھے۔"

"اور رشید؟"

"وہ بات بعد کی ہے۔ ایاز راضی ہو گیا تو پھر یہ معاملہ ختم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔" میں بولا۔

"رشید بہت کینہ پرور اور سازشی ہے۔ وہ اس معاملے میں کوئی نہ کوئی روڑا ضرور ڈالے گا۔" اس کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔" میں نے کہا' پھر معاً" مجھے ایک بات یاد آ گئی "یہ بتاؤ کیا رشید تمہارے ماضی سے باخبر ہے؟"

"ہاں اسے سب کچھ معلوم ہے۔" نفیسہ نے بتایا۔

"بس اس کے ہاتھ میں یہی ایک پتّا ہے۔" میں سر ہلا کر بولا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"وہ اپنی پتنگ کٹتے دیکھ کر ایاز کو تمہارے ماضی سے آگاہ کر دے گا تاکہ معاملہ بگڑ جائے اور وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا سکے۔"

"پھر؟" وہ فکرمند ہو گئی۔ "پھر کیا ہو گا... یہ... یہ بات تو میرے ذہن میں نہیں تھی۔"

"یہ کوئی ایسی تشویش کی بات نہیں۔ اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کیسے؟" وہ بے چین نظر آ رہی تھی۔

"وہ تمہیں چاہتا ہے' اس کا اقرار خود تم بھی اپنی زبان سے کر چکی ہو اور تم بھی جانتی ہو' میں بھی کہ ماضی میں تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا' اس کی ذمے داری تم پر بہرحال نہیں ہے۔ تم بے گناہ ہو' مظلوم ہو! اگر واقعی ایاز کے دل میں تمہاری محبت ہے تو وہ سب کچھ جان لینے کے باوجود تمہیں اپنانے سے گریز نہیں کرے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے یہ ساری باتیں کسی اور سے نہیں خود تمہی سے معلوم ہونا چاہئیں تاکہ وہ بعد میں یہ سوچنے پر مجبور نہ ہو' تم نے اسے دانستہ اندھیرے میں رکھا تھا' دھوکا دیا تھا۔ ایک بات کوئی خود بتا دے اپنے بارے میں اور وہی بات کسی دوسرے کے توسط سے علم میں آئے' ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ تم یقیناً میری بات سمجھ رہی ہو گی۔ بالفرض تم اسے خود ہی سب کچھ بتا دیتی ہو اور بعد میں یہی باتیں اسے رشید کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں تو اس پر کوئی غلط اثر مرتب نہیں ہو گا۔"

میری بات سن کر نفیسہ کچھ دیر خاموش رہی۔ چہرے سے لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہی ہو۔

"کیوں' کیا بات ہے؟" میں نے اسے ٹوکا۔ "کیا تم میری تجویز سے متفق نہیں ہو؟"

"نہیں' یہ بات نہیں ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں دراصل یہ سوچ رہی تھی کہ میرا ماضی کہیں اسے پچھتاوے کی آگ میں جلنے پر مجبور نہ کر دے۔ میرے خیال سے مرد سب کچھ برداشت کر لیتا ہے لیکن چاہت کتنی ہی کیوں نہ ہو' یہ معاملہ ایسا ہے کہ..." وہ جھجکی اور اس کا جھجکنا بجا تھا۔ بات ہی ایسی تھی جسے زبان پر لانا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس کے باوجود اس نے مثال دے کر اپنی بات کہہ ہی دی کہ یہ بھی بات کہنے کا ایک طریقہ ہے۔ "دیکھیے نا جان بوجھ کر مکھی کون کھاتا ہے!"

بڑی حد تک اس نے سچی بات کہی تھی۔ یہ بات خود مجھ پر بھی صادق آتی تھی۔ اگر اس کا ماضی آڑے نہ آ گیا ہوتا تو بھلا میں ہی کیوں پیچھے ہٹ جاتا! پھر بھی یہ کوئی کلیہ نہیں۔ ممکن ہے ایاز کی محبت میں اتنی وارفتگی ہو کہ وہ اس کی پروا نہ کرے' میں نے سوچا' پھر اسے تسلی دینے کی خاطر کہا۔ "سنو نفیسہ! آدمی ایک حد تک ہی وقت اور حالات کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے یا گزارنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ہر بات اس کی مرضی و خواہش کے مطابق نہیں ہوتی' لیکن جدوجہد جاری رکھنا چاہیے کہ یہی زندگی ہے۔ تم قدم تو اٹھاؤ' ممکن ہے خود بہ خود راستے تمہارے حق میں ہموار ہوتے چلے جائیں۔ دیکھو کچھ معاملات اس ذات واحد پر بھی چھوڑ دینا چاہئیں جو ہر شے پر قادر ہے۔"

اس کے چہرے سے قدرے اطمینان جھلکنے لگا۔ میں اسے مزید کچھ دیر سمجھاتا رہا اور پھر وہ دوسرے دن شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ میں نے اسے رخصت کر کے نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک بار پھر میرا ذہن سرتا کی طرف منتقل ہو گیا۔ وہ میری ہی وجہ سے بے گناہ ماری گئی تھی۔ شمبھو کا عمل بالکل اس بلّی کی طرح تھا جو کھاتی نہیں تو اوندھا دیتی ہے۔

اب تک میں دانستہ شمبھو کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹکتا رہا تھا۔ دکھ میں اگر شدید غصہ بھی شامل ہو جائے تو آدمی اپنا ذہنی توازن برقرار نہیں رکھ پاتا۔ عموماً اس کے نتائج بہتر نہیں نکلتے۔ میں اسی لیے دکھ کا کچھ بوجھ کم ہونے کے انتظار میں تھا' لیکن اب مجھ میں مزید انتظار کا مادہ نہیں رہا تھا۔ میں یہ جاننے کے لیے مضطرب تھا کہ شمبھو' ڈھاکہ سے فرار ہو کر کہاں گیا ہے؟ اس کے بعد ہی مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل مرتب کر سکتا تھا۔ یہی سوچ کر میں نے ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"مجھے علم تھا کہ جلد یا بدیر آپ مجھ سے یہ سوال ضرور کریں گے۔" ہمزاد میری بات سن کر بولا' پھر بغیر رکے اس نے مزید کہا۔ "میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔" یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔

"تو پھر بتاؤ نا!" میری آواز میں بے چینی تھی۔

"وہ شدید زخمی حالت میں فرار ہوا تھا اور اسی لیے اسے کچھ دن مکمل طور پر آرام کی ضرورت تھی۔ غالباً" یہی سوچ کر اس نے اپنی دانست میں ایک محفوظ پناہ گاہ کا انتخاب کیا ہے۔"

"کیا تمہارے نزدیک بھی وہ پناہ گاہ محفوظ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بڑی حد تک۔"

"یعنی؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"شمبھو نے جس شخص سے شیطانی علوم کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی' اس کی سکونت کلکتے میں ہے اور شمبھو نے اسی کے پاس پناہ لی ہے۔"

"کلکتہ!" میں زیر لب بولا اور میرے ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے۔ اس شہر میں میری بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔

کچھ دیر کو میں ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔ یکے بعد دیگرے کتنے ہی چہرے صفحہ ذہن پر ابھرے اور معدوم ہو گئے۔ یہ شہر گویا میرے ماضی کا حصہ تھا۔ یہیں مہ پارہ نے خودکشی کی تھی' یہیں سے میں ڈھاکہ آیا تھا۔ اب یہ شہر پرایا ہو گیا تھا لیکن میرے لیے نہیں۔ اب بھی اس کے گلی کوچے جیسے میرے وجود میں آباد تھے۔ اس شہر کا جادو ہی کچھ اور تھا' نشہ ہی کچھ مختلف تھا۔ برسوں پہلے حالات کچھ

اور تھے۔ ان حالات میں میرے لیے یہی مناسب تھا کہ اس شہر کو خیر آباد کہہ دوں' لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ میں وہ شیخ کرامت نہیں رہا تھا جو کبھی تھا' نہ اپنے ظاہر میں نہ باطن میں! اب وہاں میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ہمزاد مجھے گم صم دیکھ کر جانے کیا سمجھا اور مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "آپ فکر مند نہ ہوں' کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آئے گی۔ ہاں فی الحال کچھ دن کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ ادھر کا رخ نہ کیا جائے۔"

"وہ کیوں؟" میں نے بے خیالی میں یونہی پوچھ لیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر پوری معلومات حاصل کر لوں۔ میرے نزدیک اب شمبھو سے زیادہ اہم اس کا گرو ہے جس نے اسے پناہ دی ہے۔ اب اصل معرکہ آرائی شمبھو سے نہیں اس کے گرو سے ہوگی۔ اس کا نام گرو گوبند ہے فی الحال اس سے زیادہ مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"تمہیں یہ معلومات حاصل کرنے میں کتنے دن لگ جائیں گے؟" میں اب پوری طرح ہمزاد کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اور اس کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔

"یہ بتانا فی الحال میرے لیے مشکل ہے' لیکن میری کوشش یہی ہوگی کہ جلد سے جلد سب کچھ معلوم کر لوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں طویل سانس لے کر بولا۔ مجھے تمہارا مشورہ قبول ہے۔"

"اب اجازت ہے مجھے؟"

"ٹھہرو!" میں نے کچھ سوچتے ہوئے اسے روک لیا۔ دراصل دکھوں کی دھند چھٹتے ہی مجھے ایک اور بھولا ہوا قصہ یاد آ گیا تھا۔ یہ معاملہ ایک بے گناہ شخص کے قتل کا تھا میں نے قدرے توقف کے بعد ہمزاد سے کہا۔ "جس رات شمبھو نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا' میں نے تمہیں ثمینہ' زاہد اور شوکت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے بھیجا تھا۔ یاد آیا؟"

"جی ہاں۔" وہ بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ میرے ضمیر پر یہ بوجھ بھی نہ رہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟" میں نے مختصراً" کہا' اس یقین کے ساتھ کہ میری بات کا ابلاغ یقیناً ہو جائے گا۔

ہمزاد نے مجھے مایوس نہیں کیا اور مجھے اس سے یہی توقع بھی تھی۔ اس نے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں' اگر اب تک قتل کا یہ معاملہ آگے نہیں بڑھا اور شوکت زندہ ہے تو پھر میں اسے قتل نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے آپ کے جذبات و احساسات کا پوری طرح خیال ہے۔"

"ایک مسئلہ اور بھی تھا۔" میں قدرے جھجکتے ہوئے بولا۔ پھر میں نے اسے نفیسہ کے مسئلے سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس مسئلے کے حل کیلئے ہمزاد کو نفیسہ کے عاشق ایاز سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ایاز کے ذہن کو قابو میں کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ میرے نزدیک یہ بھی کار خیر ہی تھا۔

"یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔" ہمزاد نے مجھے یقین دلایا۔ "آپ اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ رکھیں اور جتنا زیادہ آرام کر سکیں بہتر ہے۔" اس کے لہجے میں خلوص تھا۔

"مجھے آرام کے سوا اور کام بھی کیا ہے!" میں نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ "اب تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔"

ہمزاد چلا گیا۔ اسے سب کچھ بتا کر یقیناً میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ مجھے اس پر بھروسا تھا کہ وہ معاملات کو بہ حسن و خوبی سنبھال لے گا۔ میرے نزدیک اب تشویش ناک مسئلہ صرف شبھو کا تھا۔ میں اسے کسی صورت نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ کلکتے تو کیا وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جاتا' میں اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ اس نے میرے دل پر ایسا زخم لگایا تھا جس کا بھرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس زخم کی کسک شاید زندگی بھر مجھے تڑپاتی رہتی۔

دنیا میں تنہائی سے بڑھ کر شاید اور کوئی عذاب نہیں۔ اس کا پورا اندازہ مجھے گویا نئی زندگی اپنا کر ہوا تھا۔ پہلے میں نے کبھی اتنی تنہائی محسوس نہیں کی تھی اور اس کا سبب تھا۔ میں اپنی خلوتیں رنگوں اور خوشبوؤں سے آباد رکھتا تھا' لیکن

اب ایسا نہیں تھا۔ میں نے توبہ کر لی تھی اور شاید توبہ قبول کرنے والے نے میری توبہ قبول بھی کر لی تھی۔ میں نے صدق دل سے توبہ کی تھی اسی لیے یہ یقین بھی تھا۔ میں اس یقین کو بے یقینی میں بدلنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس وقت بھی مجھے بے حد تنہائی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اپنی تنہائی کا زیادہ وقت عموماً" اب مطالعے میں صرف کرتا تھا۔ اس وقت بھی مجھے یہی خیال آیا۔ اس عذاب سے نجات پانے کی اس سے بہتر کوئی اور صورت نہیں تھی۔ خواب گاہ سے متصل کمرے کو ہمزاد نے مطالعہ گاہ بنا دیا تھا۔ وہاں ہر موضوع پر ترتیب کے ساتھ کتابیں موجود تھیں۔ میرے قدم جیسے خود بخود اس کمرے کی طرف اٹھ گئے۔

وہاں کتابیں بڑے سلیقے اور ترتیب کے ساتھ ریکوں میں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے میں روشنی کرنے کے بعد میں نے ان ریکوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ ہر ریک پر چٹ لگی ہوئی تھی جو اس ریک میں رکھی ہوئی کتابوں کے موضوع سے متعلق تھی۔ میں ان چٹوں کو پڑھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اب سے پہلے میں نے ان کتابوں پر نگاہ نہیں ڈالی تھی اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ مجھے ڈھاکہ آنے کے بعد اتنی فرصت ہی نہیں ملی تھی۔ مجھے ان ریکوں پر نگاہ ڈال کر اندازہ ہوا کہ ہمزاد نے وہاں مختلف موضوعات پر بہترین کتابیں جمع کر دی ہیں۔ بالآخر میں ایک ریک کے پاس رک گیا۔ ریک پر "قدیم پراسرار علوم" کی چٹ لگی ہوئی تھی۔

ادب کے ساتھ ساتھ ہی یہ موضوع بھی ہمیشہ سے میری دلچسپی رہا ہے۔ میں اس ریک میں رکھی ہوئی کتابوں کو نکال نکال کر دیکھنے لگا۔ اردو' ہندی' فارسی اور انگریزی' یہ چاروں زبانیں مجھے آتی تھیں۔ ہمزاد نے وہاں کتابیں جمع کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا۔ ان زبانوں کے سوا وہاں کسی اور زبان کی کتاب نہیں تھی۔ انگریزی زبان کی ایک کتاب کے پشتے پر مجھے "ان بلیو ایبل انڈیا" لکھا ہوا نظر آیا "یعنی ناقابل یقین ہندوستان! مصنف ایک انگریز ہی تھا۔ میں نے وہ کتاب ریک سے کھینچ لی اور قریب ہی پڑی ہوئی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ وہ کتاب برطانیہ کے ایک اشاعتی ادارے نے شائع کی تھی اور اسے شائع ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ مصنف کی چھوٹی سی تصویر کے

ساتھ کتاب کے پس ورق پر ایک مختصر سی تحریر مصنّف کے بارے میں تھی کہ اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ ہندوستان میں گزارا ہے اور یہ کہ اس کا مقصد ہی ہندوستان کے پُراسرار علوم پر تحقیق کرنا تھا۔ مجھے وہ کتاب کچھ دلچسپ معلوم ہوئی اور میں اس کا پیش لفظ پڑھنے لگا جو مصنّف ہی کا لکھا ہوا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ کتاب میں جو واقعات لکھے گئے ہیں' وہ من گھڑت' سنے سنائے یا غیر معتبر نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر واقعات اس کے مطالعے اور مشاہدے میں آچکے ہیں۔ پیش لفظ پڑھنے کے بعد میں نے کتاب کی فہرست مضامین پر نظر ڈالی تو اس میں ہمزاد پر بھی ایک باب نظر آیا۔ میں نے یہ جاننے کے لیے کہ مصنّف کا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے یا نہیں' کتاب کا وہ باب پڑھ لیا۔ چند جزئیات سے قطع نظر اس نے ہمزاد کے بارے میں تمام ہی باتیں درست لکھی تھیں۔ جزئیات کی مجھے اس سے توقع بھی نہیں تھی اور نہ یہ کہ وہ ہمزاد کو قابو میں کرنے کا عمل بھی اپنی کتاب میں لکھے گا۔ بہرحال اس سے اتنا ضرور ہوا کہ میرا اشتیاق بڑھ گیا اور میں نے کتاب کے دیگر ابواب بھی پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک طویل باب کا عنوان تھا "جرنی آف پاسٹ" یعنی ماضی کا سفر! اس عنوان نے مجھے چونکا دیا۔ پُراسرار علوم کے حوالے سے ماضی کا سفر یقیناً چونکا دینے والی بات تھی۔ یہ پورا باب ایک ہندوستانی جوگی لیش پال کے پُراسرار تجربات و واقعات پر مشتمل تھا۔ مصنّف نے لکھا تھا کہ وہ خود ایک بار اپنے نوجوانی کے زمانے میں جوگی لیش پال سے ملا تھا۔ یہ ملاقات شملے میں ہوئی تھی۔ مصنّف جوگی لیش پال سے مل کر بہت متاثر ہوا تھا۔ جوگی لیش پال نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اپنی ریاضت اور روحانی قوت کے سبب بہت جلد اس قابل ہو جائے گا کہ گزرے ہوئے زمانوں کا سفر کر سکے اور یہ سفر صرف خیالی نہیں' جسمانی ہو گا۔ اس کے بعد جوگی لیش پال سے مصنّف پھر کبھی نہیں مل سکا تھا۔ ہندوستان میں طویل عرصے سکونت کے سبب مصنّف یہاں بولی جانے والی کئی زبانوں پر عبور حاصل کر چکا تھا۔ وہ ہندی اور اردو بول بھی سکتا تھا اور لکھنے پڑھنے پر بھی قدرت حاصل کر چکا تھا۔ جوگی لیش پال سے ملاقات کے تقریباً" بیس پچیس سال بعد ایک کتاب اس کے مطالعے میں آئی۔ یہ کتاب ہندی میں تھی۔ کتاب کا نام تھا' جوگی جی کی جیون کتھا! انگریز مصنّف

نے اس کتاب کے لکھنے والے کا جو نام تحریر کیا' اسے پڑھ کر میں چونک اٹھا۔ جوگی جی کی جیون کتھا" لکھنے والے کا نام گرو گوبند تھا۔

"گرو گوبند!" میں زیر لب بڑبڑایا۔ میرے چونک اٹھنے کا سبب یہ تھا کہ آج ہی میں نے ہمزاد کی زبانی یہ نام سنا تھا۔ شمبھو کے سلسلے میں ہمزاد نے گرو گوبند کا ذکر کیا تھا۔ شمبھو اب کلکتے میں اسی کی پناہ میں تھا۔ یہ مماثلت محض اتفاق بھی ہو سکتی ہے' اس کے باوجود میرا تجسّس کم نہ ہوا۔ میں نے کتاب کا پورا باب پڑھ لیا۔ اس باب کا انحصار گرو گوبند کی کتاب ہی پر تھا۔ انگریز مصنّف نے لکھا تھا کہ اب گرو گوبند کی یہ کتاب تقریباً" نایاب ہے اور دنیا میں اس کے چند ہی نسخے باقی ہیں جن میں سے ایک برٹش میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ خود انگریز مصنّف ہی نے اپنا نسخہ' برٹش میوزیم کی لائبریری کو تحفتہً" دے دیا تھا۔ "جوگی جی کی جیون کتھا" میں گرو گوبند نے جوگی لیش پال ہی کے حالات زندگی اور پُراسرار روحانی تجربات تحریر کیے تھے۔ گرو گوبند نے خود کو جوگی لیش پال کا داس لکھا تھا' یعنی خدمت گار' چیلا! گرو گوبند نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ اس کے گرو جوگی لیش پال نے اپنی ریاضت و عبادت کے سبب اتنی رُوحانی قوت حاصل کر لی تھی کہ وہ جسمانی طور پر ماضی کا سفر کر سکیں۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کے گرو گزشتہ دس سال سے مغل تاج دار اکبر اعظم کے عہد میں رہ رہے ہیں اور وہ خود بھی وہاں جا کر اپنے گرو جوگی لیش پال سے مل چکا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ خود گرو گوبند بھی ماضی میں سفر کرنے کا اہل تھا انگریز مصنّف نے لکھا تھا کہ گرو گوبند نے اپنی کتاب "جوگی جی کی جیون کتھا" میں عبادت و ریاضت کے وہ تمام طریقے اور وظائف تحریر کیے ہیں جن پر عمل کر کے کوئی بھی شخص ماضی کا سفر کر سکتا ہے' شرط صرف یہ ہے کہ کوئی راہ دکھانے والا ہو' گرو ہو ورنہ یہ روحانی اور جسمانی سفر اختیار کرنے والا موت کی آغوش میں بھی پہنچ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے ایک اور بات نے بھی چونکایا۔ انگریز مصنّف نے گرو گوبند سے ملنے کی خاطر کلکتے تک کا سفر بھی کیا تھا' مگر گرو گوبند سے اس کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ گرو گوبند کے چیلوں نے اسے بتایا تھا کہ گرو گوبند گزشتہ ڈیڑھ سال سے غائب ہے اور اس کے بارے

میں انھیں کچھ علم نہیں کہ کہاں ہو گا! اس سے انگریز مصنف نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اپنے گرو جوگی لیش پال کی طرح گرو گوبند بھی ماضی کے کسی عہد میں سکونت اختیار کر چکا ہو گا۔ اس کے بعد انگریز مصنف رچرڈ نے گرو گوبند کو مزید تلاش نہیں کیا۔

نام اور مقام دونوں ہی ایک تھے' مجھے اسی لیے یہ مماثلت اتفاقی معلوم نہیں ہوئی۔ پھر یہ کہ ہمزاد نے جس گرو گوبند کا ذکر کیا تھا' وہ بھی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اور اسی نے شمبھو کو ابتدائی پراسرار علوم کی تعلیم دی تھی۔ انگریز مصنف نے اپنی کتاب میں گرو گوبند کے حوالے سے جو کچھ لکھا تھا' اگر وہ سچ تھا' افسانہ طرازی نہیں تھی تو میرے نزدیک یہ انتہائی عجیب اور حیرت انگیز تھی۔ ہر چند کہ میں خود انتہائی پراسرار اور ناقابل یقین حالات سے گزر چکا تھا لیکن جسمانی طور پر کسی شخص کا ماضی میں پہنچ جانا میرے خیال میں ناممکن سی بات تھی۔ اگر گرو گوبند کی لکھی ہوئی نایاب کتاب کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کی لائبریری میں موجود تھا تو ہمزاد کے ذریعے اسے حاصل کرنا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ انگریز مصنف رچرڈ نے لکھا تھا کہ اس کتاب میں ماضی کا سفر کرنے کے وہ تمام طریقے اور وظائف موجود ہیں جن پر عمل کر کے کوئی شخص بھی عہد ماضی میں پہنچ سکتا ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ گرو گوبند کی لکھی ہوئی اس کتاب کا مطالعہ ضرور کروں گا۔

دوسرے دن صبح ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے ہمزاد سے اس کتاب کے حصول کی خواہش کا اظہار کیا اور اسے یہ بھی بتا دیا کہ وہ کتاب کہاں مل سکتی ہے!

میرا حکم پاتے ہی وہ کتاب لینے روانہ ہو گیا۔

ڈھاکہ سے لندن تک کا طویل سفر ہمزاد کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ میری توقع سے کچھ پہلے ہی لوٹ آیا۔ وہ کتاب بڑی خراب و خستہ حالت میں تھی لیکن اسے بڑی احتیاط کے ساتھ ایک پلاسٹک کوّر میں محفوظ کر دیا تھا۔ کوّر ہی کے پشتے پر لمبائی میں ایک چٹ لگی ہوئی تھی۔ اس پر انگریزی میں کتاب کا موضوع' نام اور مصنف کے علاوہ کچھ نمبر لکھے ہوئے تھے۔ پلاسٹک کوّر کے اوپری حصے پر بائیں طرف چوڑائی میں ایک اور چٹ چسپاں تھی۔ اس پر دیگر تفصیلات

درج تھیں۔ ان تفصیلات کے مطابق یہ کتاب اب سے تقریباً" چالیس سال قبل ایک انگریز رچرڈ نے برٹش میوزیم کو تحفتہً دی تھی۔ اسی چٹ پر کتاب کا سن اشاعت ۱۸۹۰ء درج تھا' گویا اس کتاب کو شائع ہوئے ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ یہ ظاہری بات تھی کہ کتاب کی اشاعت کے وقت اس کا مصنف یقیناً" سن شعور کو پہنچ چکا ہو گا۔ کم سے کم بھی مصنف کی عمر اس وقت پچیس اور تیس سال کے درمیان تو رہی ہو گی۔

"یہ کوئی اور ہی گرو گوبند ہے۔" میں بے خیالی میں بڑبڑایا۔

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟" مجھے اپنے ہمزاد کی آواز سنائی دی جو قریب ہی کھڑا تھا۔

میں اپنے خیالوں میں اتنا سرگرداں تھا کہ وہاں ہمزاد کی موجودگی کو بھول ہی گیا تھا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' پھر کہا۔ "نہیں۔ تم چاہو تو جا سکتے ہو' میں کچھ دیر اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ خود مجھ سے یہ کتاب نہ منگواتے تو شاید میں بھی آپ کو اس کے مطالعے کا مشورہ دیتا۔" ہمزاد نے میری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"وہ کیوں؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس لیے کہ جب کوئی مصنف کسی کے بارے میں کچھ لکھتا ہے تو دانستہ یا نادانستہ اپنے متعلق بھی بہت سی باتیں لکھ جاتا ہے۔ میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی لیکن مجھے یقین ہے کہ اس میں گرو گوبند نے اپنے متعلق بھی بہت کچھ لکھا ہو گا۔" یہ کہہ کر ہمزاد چپ ہو گیا حالانکہ میں اس سے مزید کچھ بولنے کی توقع کر رہا تھا۔

"لیکن اس سے میرا یا تمہارا کیا تعلق؟" میں نے وضاحت کی خاطر یہ سوال کیا۔

"پہلے تو کوئی تعلق نہیں تھا لیکن شاید اب تعلق پیدا ہو جائے کیوں کہ میری معلومات کے مطابق یہ کتاب اسی گرو گوبند کی لکھی ہوئی ہے جس کے پاس شمبھو نے پناہ لی ہے۔" ہمزاد نے گویا انکشاف کیا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم!... یہ کیسے ممکن ہے؟... اس کا مطلب تو ہوا کہ... کہ

گرو گوبند اب تک زندہ ہے اور... اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اس کی عمر میرے اندازے کے مطابق پونے دو سو سال ہونا چاہیے۔"

"آپ کا اندازہ تقریباً" درست ہے۔ اس کی عمر لگ بھگ اتنی ہی ہو گی۔"

"مگر وہ... وہ اب تک زندہ کیسے ہے؟" میں اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"آپ نے کبھی اپنے بارے میں بھی سوچا!"

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ اور کیا یہ تعجب خیز بات نہیں؟" ہمزاد نے گویا دلیل پیش کی۔ "جب آپ نے پہلی بار مجھے مسخر کیا تھا تو آپ کی عمر تمیں سال تھی' پھر دوبارہ ایک سو تمیں سال کی عمر کو پہنچ کر آپ نے مجھے قابو میں کر لیا۔ یوں گویا آپ ایک سو اکتّیس سال میں ہیں اور اب کوئی بھی آپ کو دیکھ کر تمیں سال سے زیادہ کا نہیں کہہ سکتا۔ کیا یہ کم حیرت انگیز بات ہے؟ ان حسابوں گرو گوبند آپ سے صرف پچاس سال بڑا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ ہڈیوں کا پنجر ہو گیا ہے اور آپ ابھی جوان ہیں۔"

"تو گویا تم نے گرو گوبند کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی ہیں؟" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"جی نہیں' ابھی میں مکمل معلومات حاصل نہیں کر سکا ہوں۔"

"پھر بھی اب تک کچھ تو معلوم ہوا ہو گا۔"

"ہاں صرف اس قدر کے وہ انتہائی پر اسرار قوتوں کا مالک ہے اور وہی میں ابھی آپ کو بتا چکا ہوں' یعنی یہ کہ اس کی عمر بہت طویل ہے۔ اسی کے ساتھ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اپنے عہد جوانی میں اس نے اپنے گرو جوگی لیش پال کے بارے میں کوئی کتاب بھی لکھی تھی جو اب تقریباً" نایاب ہے۔ ممکن ہے میں اس کتاب کا سراغ لگا لیتا کہ آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔"

"گویا میں اور تم دانستگی میں ایک ہی سمت بڑھ رہے تھے!" یہ کہہ کر میں نے

ہمزاد کو انگریز مصنف رچرڈ کی کتاب کے متعلق بتایا' پھر بولا۔ "اب اس کتاب کو پڑھنا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ ممکن ہے' تمہارے اندازے کے مطابق اس کے مطالعے سے گرو گوبند کے بارے میں بہت سی کام کی باتیں معلوم ہو جائیں۔ شمبھو پر ہاتھ ڈالنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ اسے پناہ دینے والے کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہو جائیں۔"

ہمزاد نے مجھ سے اتفاق کیا اور پھر میری اجازت پا کر رخصت ہو گیا۔

ہمزاد چلا گیا تو میں نے پلاسٹک کور کھول کر اس کتاب کے بوسیدہ اوراق باہر نکال لیے۔ کتاب کے اوراق کو جگہ جگہ سے دیمک چاٹ گئی تھی اور آخری حصہ تو بہت ہی خستہ حالت میں تھا۔ کتاب کی زبان قدرے سنسکرت آمیز تھی مگر اتنی نہیں کہ میں سمجھ ہی نہ سکوں۔ میں بہت احتیاط کے ساتھ ایک ایک ورق الٹ رہا تھا' درمیان میں سے چند صفحات غائب بھی تھے اور جہاں تک میرا اندازہ تھا کسی نے دانستہ یہ صفحات غائب کیے تھے۔ کیوں کہ انھی صفحات میں ماضی کا ایک سفر کرنے کے وظائف اور طریقہ کار درج ہونا چاہیے تھا۔ تسلسل کے ساتھ پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا۔

وہ کتاب سو سوا سو صفحات کی تھی اس لیے جلد ہی میں اسے پڑھ گیا۔ اس کا ایک سبب کتاب کا دلچسپ انداز تحریر بھی تھا۔ گرو گوبند نے جوگی لیش پال کی روداد زندگی کو کہانی کی صورت میں لکھا تھا۔ اس کہانی کا ایک کردار خود گرو گوبند ہی تھا۔ وہ گیارہ سال کی عمر سے اپنی نوجوانی تک جوگی لیش پال کے ساتھ رہا تھا اور اپنے گرو کی خدمت کی تھی۔ اسی خدمت کے صلے میں جوگی لیش پال نے اسے بڑا مقام پہنچایا تھا۔ اس نے تمام روحانی علوم کی تربیت جوگی لیش پال سے لی تھی۔ انھی میں ایک حیرت انگیز علم' ماضی کا سفر تھا۔ جوگی لیش پال' ماضی کے سفر پر جانے سے پہلے اسے یہ علم سکھا گیا تھا اور اسی علم کی بدولت خود اس نے ماضی کا سفر کیا تھا اور عہد تاج دار اکبر اعظم کے عہد میں پہنچ کر جوگی لیش پال سے ملاقات کی تھی۔ اپنے متعلق ان مختصر سی باتوں کے سوا گرو گوبند نے اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ بقیہ کتاب جوگی لیش پال کی عبادات و رضیات کے ذکر اور اس کے محیرا لعقول واقعات سے بھری

پڑی تھی۔ ان واقعات میں سب سے حیرت انگیز واقعہ وہ تھا جب جوگی لیش پال ہمیشہ کے لیے یہ دنیا چھوڑ کر ماضی کے سفر پر جا رہا تھا۔ گرو گوبند نے لکھا تھا کہ میں ان دنوں اپنے گرو جی کے ساتھ ہمالیہ پربت (پہاڑ) کی ایسی گھاٹیوں میں تپسیا (عبادت) کر رہا تھا جہاں سال بھر برف جمی رہتی ہے۔ ایک دن بھور سے (علی الصبح) گرو جی نے مجھے سوتے سے جگایا اور کہا کہ بچہ! اب اس جگ میں ہمارے دن پورے ہوئے' سو ہمارے چلنے کا پربندھ (بندوبست) کرا پھر انھوں نے مجھے سات ہاتھ گہرا گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ میں گرو جی کے حکم پر کدال لے کر گڑھا کھودنے لگا۔ وہاں مٹی تو تھی نہیں' ہر طرف برف ہی برف تھی' سو میں نے برف ہی کھود کر گڑھا بنایا۔ گڑھا کھد گیا تو گرو جی اس میں اتر گئے اور مجھ سے بولے کہ جب میں لیٹ جاؤں تو گڑھے کو برف سے پاٹ دینا۔ میں بہت گھبرایا تو گرو جی نے میری ہمت بندھائی اور بتایا کہ اب وہ ماضی کے سفر پر جا رہے ہیں اور سدا وہیں رہیں گے۔ میرے اصرار پر انھوں نے یہ بھی بتا دیا کہ کہاں اور ماضی کے کس عہد میں جا رہے ہیں! اسی کے ساتھ انھوں نے مجھے یہ آگیا (اجازت) بھی دی کہ اگر میں کبھی چاہوں تو آ کر مل سکتا ہوں۔ پھر گرو جی گڑھے میں لیٹ گئے اور مجھے گڑھا پاٹنے کا حکم دیا۔ مجبوراً مجھے ان کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی۔ گڑھا برابر کرنے کے بعد میں وہاں سے چل دیا' پر میرا من (دل) گرو جی ہی پر پڑا رہا۔ نتیجہ" کچھ ہی دیر بعد میں پھر اسی جگہ لوٹ آیا جہاں گرو جی کو زندہ دفن کیا تھا۔ جانے کیوں میرے من (دل) میں یہ آیا کہ مجھے گڑھا کھود کر دیکھنا چاہیے۔ یہ خواہش اتنی بڑھی کہ میں مجبور ہو گیا۔ گڑھا کھود کر دیکھا تو اس میں گرو جی کا گیروا لباس تو مل گیا پر ان کا شریر (جسم) غائب تھا۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ایسی دہشت سوار ہوئی کہ پھر وہاں رک نہ سکا اور گڑھے کو یونہی کھلا چھوڑ کر بھاگ آیا۔ پھر کوئی سات ورش (برس) بیت جانے کے بعد میں نے گرو جی کے سکھائے ہوئے علم پر عمل کر کے ماضی کا سفر کیا اور گرو جی سے بھینٹ (ملاقات) کی۔

اسی پُراسرار اور ناقابل یقین واقعے کو تحریر کرنے کے بعد گرو گوبند نے لکھا ہے کہ اب میں آئندہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ وہ طریقہ کار اور وظائف

لکھوں گا جن پر عمل کر کے ہر شخص میری طرح ماضی کا سفر کر سکتا ہے پرنتو (مگر) اس کے لیے کسی گرو کی آگیا (اجازت) اور رہنمائی لازمی ہے کتاب میں سے کئی صفحات غائب تھے۔

پوری کتاب پڑھنے کے بعد میں' گرو گوبند کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ اور نہ جان سکا کہ وہ انتہائی پراسرار شخصیت کا مالک ہے اور یہ کہ اسے بڑی روحانی قوتیں حاصل ہیں۔ یہ باتیں مجھے ہمزاد بھی بتا چکا تھا۔ کتاب پڑھ کر کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ میں نے کتاب کو احتیاط کے ساتھ پلاسٹک کور میں رکھا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ مسلسل مطالعے اور غور و فکر سے عموماً" ذہن پر غنودگی سوار ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی مجھے غنودگی سی محسوس ہو رہی تھی اسی لیے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابھی میرا ذہن پوری طرح نیند کی آغوش میں نہیں پہنچ سکا تھا کہ میں نے اپنے جسم میں ایک تیز قسم کی سنسناہٹ محسوس کی۔ پھر میرے حواس پر دو شعلے سے محیط ہو گئے۔ ان شعلوں کی تپش میں اپنی آنکھوں پر محسوس کر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولنا چاہیں مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ چند ہی لمحے بعد شعلوں کی تپش کم ہو گئی اور وہ کچھ فاصلے پر نظر آنے لگے۔ میں بند آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ شاید یہ میری چشم تصوّر کا اعجاز تھا۔ میری چشم تصوّر ان شعلوں پر جمی ہوئی تھی کہ معاً" میں نے محسوس کیا' وہ دو شعلے نہیں دو آنکھیں ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک اجنبی چہرے کے دھندلے دھندلے سے نقوش واضح ہونے لگے۔ وہ چہرہ باریش تھا اور اس کی چوڑی پیشانی کے نیچے حلقوں میں دو چراغ سے روشن تھے جنھیں میں پہلے شعلے سمجھا تھا۔ اچانک سفید باریش چہرے کے پتلے پتلے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔

"شیخ کرامت؟" میں نے ایک بھاری گونج دار آواز سنی۔ "ہماری کھوج نہ کر ہمیں کھوجنے کی چیشٹا (کوشش) کرے گا تو خود کو بھول جائے گا۔ تیرا شترو (دشمن) ہماری شانتی بھنگ کرنے (سکون تباہ کرنے) یہاں آیا تھا پرنتو (لیکن) ہم نے اسے بھگا دیا۔ یہ تیرا اور اس کا معاملہ ہے' ہم اس بیچ میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ہمیں

خبر ہے کہ اس نے تیرے ساتھ اچھا نہیں کیا پر برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے۔ اگر ہو سکے اور تیرا من اس پر راضی ہو جائے تو اسے معاف کر دے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ آواز معدوم ہو گئی اور چہرے کے خطوط بھی جیسے تحلیل ہو گئے۔

آنکھ کھلی تو میرا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ میرے جسم میں اب تک ہلکی ہلکی سی سنسناہٹ تھی اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کچھ دیر میرے حواس منتشر رہے۔ میں فیصلہ نہ کر پایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے' وہ خواب تھا یا حقیقت! حواس کچھ بحال ہوئے تو میں نے ہمزاد کو طلب کر لیا۔

ہمزاد کو میں نے پہلے اس کتاب کے بارے میں بتایا کہ اس سے گرو گوبند کے متعلق کوئی کام کی بات معلوم نہیں ہو سکی' پھر اسے ابھی پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کیا۔ وہ پوری توجہ سے میری بات سنتا رہا۔ میرے خاموش ہو جانے کے باوجود بھی کچھ دیر ہمزاد نے کوئی تبصرہ نہیں کیا حالانکہ میں اس کے بولنے کا منتظر تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

"یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے" ہمزاد کی آواز سنائی دی۔ "بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود گرو گوبند نے آپ سے ذہنی رابطہ قائم کر کے یہ ساری باتیں کی ہیں مگر یہ شمبھو کی چال بھی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن وہ آواز شمبھو کی نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

"آواز بدلی بھی جا سکتی ہے۔" ہمزاد بولا۔ "خود میں بہ یک وقت متعدد آوازوں کی نقل کر سکتا ہوں۔"

"اور وہ اجنبی چہرہ؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ نے اسے واضح طور پر دیکھا تھا؟" ہمزاد نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ مجھے اس کے خط و خال بتا سکتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں!" یہ کہہ کر میں نے کچھ دیر پہلے دیکھے ہوئے چہرے کے خط و خال بیان کر دیے۔

"یہ تو خود گرو گوبند ہی معلوم ہوتا ہے۔" ہمزاد بے ساختہ بول اٹھا۔

"کیوں' کیا تم اسے دیکھ چکے ہو؟" میں نے معلوم کیا۔

"ہاں۔" یہ کہہ کر وہ کچھ سوچنے لگا' پھر بولا۔ "ٹھہریں' میں ابھی تصدیق کیے لیتا ہوں۔"

"کس بات کی تصدیق؟" میں کچھ نہ سمجھا تو پوچھا۔

"اس کی تصدیق کی شمبھو اب بھی گرو گوبند کی پناہ میں ہے یا نہیں!" ہمزاد نے جواب دیا اور پھر دوسرے ہی لمحے غائب ہو گیا۔

اسی وقت میری نگاہ' مسہری کے سرہانے کی طرف اٹھی۔ وہاں سے گرو گوبند کی کتاب غائب تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ سونے سے پہلے میں نے اس کتاب کو پلاسٹک کور میں بند کر کے وہیں رکھا تھا۔ پھر میں نے سارا کمرا کھنگال ڈالا مگر کتاب کہیں نہیں ملی۔ میں عالم اضطراب میں ٹہلنے لگا۔ اس کتاب کا میری خواب گاہ سے غائب ہو جانا عجیب سی بات تھی۔ وہ کتاب کیوں اور کس نے غائب کی؟ یہ سوال میرے لیے کسی معمے سے کم نہیں تھا' خصوصاً" ایسی صورت میں جب میں وہ کتاب پڑھ چکا تھا۔

ہمزاد کو خلاف معمول لوٹنے میں دیر ہونے لگی تو میری پریشانی اور بڑھ گئی۔ شمبھو کا معاملہ طول اختیار کرتا جا رہا تھا۔ پہلے تو صرف وہی مقابل تھا مگر اب گرو گوبند بھی سامنے آ گیا تھا۔

دوپہر ہونے تک میں اضطراب اور بے چینی کا شکار رہا کیوں کہ ہمزاد دوپہر ہونے سے پہلے واپس نہ آ سکا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ انتہائی نڈھال اور بے حال نظر آ رہا تھا۔

"کیا ہوا تمھیں؟" میں اس کی حالت دیکھ کر بے چین ہو گیا۔

"میں... میں ٹھیک ہوں آپ فکر نہ کریں۔" وہ بولا تو اس کی آواز سے نقاہت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"لیکن تمھاری یہ حالت کیسے ہو گئی؟"

"اس شیطان نے مجھے مندر کی حدود میں قید کر دیا تھا تاکہ میں آپ کے پاس واپس نہ آ سکوں۔" ہمزاد نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے بتایا۔

"کس نے؟" میں نے دریافت کیا۔

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" ہمزاد کی آواز اب قدرے پرسکون تھی۔ "لیکن میرا اندازہ ہے کہ گروگوبند ہی ہوگا۔"

"ذرا تفصیل سے بیان کرو' ہوا کیا؟"

"میں غالباً" آپ کو بتا چکا ہوں کہ کلکتے کے نواح میں دریائے ہگلی کے کنارے وہ قدیم مندر ہے جہاں گروگوبند کی سکونت ہے۔ شمبھو بھی وہیں پہنچا تھا۔ ہوا یہ کہ میں جیسے ہی مندر کی حدود میں داخل ہوا' مجھے خطرے کا احساس ہو گیا۔ مندر بالکل ویران پڑا تھا اور دن کے وقت بھی خلاف معمول وہاں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔" ہمزاد تفصیل سے بتانے لگا۔ "یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی ذی روح نہ ہو۔ اس سے پہلے جب میں وہاں گیا تھا تو قدم قدم پر مجھے حسین و نوجوان دیوداسیاں نظر آئی تھیں۔ میں اس غیر فطری اندھیرے سے اجالے کی طرف پلٹا تو اچانک چمکیلا غبار میری راہ میں حائل ہو گیا۔ میں نے پلٹ کر دوسری طرف سے نکلنا چاہا مگر اس چمکیلے غبار نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ کچھ دیر اندھیرے میں بھٹکنے کے بعد مجھے احساس ہو گیا کہ میں اس مندر کی حدود میں قید کیا جا چکا ہوں۔ یہ احساس میرے لیے سوہان روح تھا۔ میں نے اپنی تمام تر قوتیں مجتمع کر کے ایک آخری کوشش کی اور میری یہ کوشش ناکام نہیں رہی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ اس چمکیلے غبار کو عبور کرتے ہوئے میرا سارا وجود جیسے جھلس کر رہ گیا۔ وقتی طور پر مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میری ساری قوتیں سلب کر لی ہوں۔ میں ایک جھٹکے سے دور جا کر گرا تھا اور مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اٹھ کر بیٹھ سکوں۔ سامنے ہی مجھے وہ قدیم مندر نظر آ رہا تھا جو اب بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ آپ میری طرف سے فکر مند ہوں گے اسی لیے جیسے ہی میرے حواس بحال ہوئے' میں وہاں سے چلا آیا' لیکن شاید... شاید کچھ دن..." ہمزاد کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔

"ہاں ہاں کہو' کچھ دن کیا؟" میں بول اٹھا۔

"کچھ دن شاید میں آپ کی خدمت نہ کر سکوں۔ میں انتہائی کمزوری اور نقاہت محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے وہ بات کہہ ہی دی جسے کہتے ہوئے جھجک رہا

"کوئی بات نہیں' تم آرام کرو' میں... میں تمہیں تکلیف نہیں دوں گا۔" میرا لہجہ جذباتی تھا۔ "آخر تم نے میری ہی خاطر تو اس عذاب سے گزرے ہو!"

"ممکن ہے دو ایک دن میں یہ کیفیت ختم ہو جائے اور میں پہلے کی طرح بالکل ٹھیک ہو جاؤں' اس وقت تک آپ کو بہت محتاط اور چوکنا رہنا پڑے گا۔" ہمزاد کہنے لگا۔ "بہتر صورت یہ ہے کہ میں جانے سے پہلے اس مکان کی اطراف حفاظتی حصار کھینچ دوں' اس سے مجھے اطمینان رہے گا۔ آپ اس دوران میں نہ کسی کو یہاں بلائیں نہ خود گھر سے باہر قدیم رکھیں۔ روانگی سے قبل میں آپ کے لیے کھانے پینے کا بندوبست بھی کر جاؤں گا۔ تاکہ آپ کو گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

ہمزاد کی بات سن کر میں فکر مند ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ اپنی قوتیں بحال ہونے تک تم بھی یہیں میرے پاس رہو؟"

"ایسا ممکن ہوتا تو میں کبھی آپ کو تنہا چھوڑ کر جانا پسند نہ کرتا۔" ہمزاد ہولے" بولا۔ "اپنی قوتیں پوری طرح بحال کرنے کے لیے میرا آپ سے الگ رہنا ضروری ہے۔"

"پھر تو مجبوری ہے۔" میں نے طویل سانس لیا۔

"دور رہنے کے باوجود میں آپ کی طرف سے غافل نہیں رہوں گا۔" ہمزاد محبت سے بولا۔ "یہ دوری اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں اسے گوارا نہ کرتا۔" اس کے لہجے سے اب بھی نقاہت عیاں تھی۔ نہ جانے اسے کیا روحانی اذیت پہنچی تھی جسے سمجھنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

پھر جب کچھ دیر بعد میرے لیے خورد و نوش کا بندوبست کر کے ہمزاد رخصت ہو رہا تھا تو لمحہ بھر کو مجھے نفیسہ کے معاملے کا خیال آیا تھا۔ اسی کے ساتھ میرے ذہن میں ثمینہ کے بے گناہ شوہر شوکت کے متوقع قتل کا واقعہ بھی تازہ ہو گیا تھا۔ میں نے یہ دونوں معاملات ہمزاد کے سپرد کر دیے تھے' لیکن مجھے اس سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ کیا پیش رفت ہوئی! ہمزاد سے اس موقع پر کسی قسم کا استفسار مجھے اچھا معلوم نہیں ہوا۔ میرے نزدیک یہ خود غرضی تھی کیوں کہ اس وقت وہ

اپنے ہی عذاب میں مبتلا تھا۔ اس سے قطع نظر شمبھو کے معاملے نے میری توجہ بھی اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ میں اسی لیے خاموش رہا اور ہمزاد مکان کے گرد حفاظتی حصار کھینچ کر رخصت ہو گیا۔

اب گویا جب تک ہمزاد لوٹ نہ آتا میری حیثیت اس مکان میں ایک نظر بند۔ کی سی تھی' نہ باہر نکل سکتا تھا اور نہ کسی کو اپنے پاس بلا سکتا تھا۔ مجھے زیادہ فکر نفیسہ کی طرف سے تھی۔ وہ بہرحال حسب معمول شام کو ضرور آتی۔

وہ سارا دن میں نے آرام کرتے اور سوتے ہوئے گزارا۔ میں نے احتیاط" گھر کی ساری کھڑکیاں بند کر دی تھیں اور روشنی نہ کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا تاکہ نفیسہ یہی سمجھے کہ گھر میں کوئی نہیں۔ اس کے باوجود عصر اور مغرب کے درمیان وہ واقعہ پیش آ ہی گیا جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ نہ یہ بات شاید ہمزاد کے ذہن میں آئی تھی اور نہ میں نے سوچا تھا کہ حفاظتی حصار کھینچے جانے کے بعد اگر کوئی میرے مکان کے دروازے تک آیا تو اس پر کیا گزرے گی!

"وہ نسوانی چیخ نفیسہ ہی کی ہو سکتی تھی۔ جو مجھے نیچے سے سنائی دی تھی۔ میں کوشش کے باوجود خود پر قابو نہ رکھ سکا اور لپک کر برابر والے کمرے کی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ وہاں سے نیچے گلی کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے آہستگی سے کھڑکی کھولی اور تھوڑی سی جھری پیدا کر کے نیچے دیکھا۔ نفیسہ مجھے گلی میں بے سدھ پڑی نظر آئی۔ وہ غالباً" بے ہوش ہو گئی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس پر کیا گزری ہو گی! یقیناً" وہ دستک دینے میرے گھر کے دروازے کے قریب آئی ہو گی اور حفاظتی حصار سے ٹکرا کر اپنے ہوش کھو بیٹھی ہو گی۔ ذرا سی دیر میں راہ گیر اس کی اطراف جمع ہو گئے۔ پھر انہی میں مجھے نفیسہ کا منگیتر رشید نظر آیا۔ وہ لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ غالباً" آج وہ اپنے دفتر سے سیدھا نفیسہ کے گھر آ گیا تھا۔ میں کھڑکی بند کر کے دوبارہ اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔ مجھے اس واقعے سے تکلیف پہنچی تھی۔ خواہ مخواہ نفیسہ کو میری وجہ سے یہ دکھ اٹھانا پڑا تھا۔ اگر پہلے سے مجھے یہ خیال آ گیا ہوتا تو شاید ایسا نہ ہوتا' نفیسہ نادانستگی میں حفاظتی حصار سے نہ ٹکراتی۔

نفیسہ کی طرف سے میں کیوں کہ تشویش میں مبتلا تھا اس لیے اپنی چشم تصور کے سہارے اس کا حال جاننے کے لیے بے چین ہو گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اس کا تصور کیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا حسین چہرہ میرے سامنے تھا۔ میں نے تصور کے دائرے کو وسعت دی تو معلوم ہوا رشید اسے اپنے بازوؤں پر اٹھائے سامنے والے مکان کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ گلی میں لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں اور قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ میرا اندازہ درست ہی نکلا کہ نفیسہ بے ہوش ہو گئی تھی ورنہ رشید اسے اٹھا کر نہ لے جاتا۔ نفیسہ کے والدین کو شاید ابھی اس واقعے کی خبر نہیں تھی۔ پھر جب چند لمحے بعد رشید بے ہوش نفیسہ کو بازوؤں پر اٹھائے گھر میں پہنچا تو نفیسہ کی ماں چیخ اٹھی۔ "کیا ہوا میری بچی کو؟" اب میری قوت سماعت بھی پوری طرح بیدار تھی۔

"مجھے نہیں معلوم۔" رشید نے منہ بنا کر جواب دیا۔ "یہ نیچے گلی میں بے ہوش پڑی تھی' سامنے والے دروازے کے گھر کے پاس!" یہ کہتے ہوئے اس نے بے ہوش نفیسہ کو پلنگ پر لٹا دیا۔

"کسی... کسی ڈاکٹر... کسی ڈاکٹر کو بلاؤ!" نفیسہ کا باپ بھی گھبرا گیا جو رشید کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ "اسے... اسے آخر ہوا کیا؟"

"اسی نے کچھ کیا ہو گا جس کے گھر جانے سے میں نے منع کیا تھا۔" رشید نے میرے سر الزام تھوپ دیا۔

"لیکن ابھی... ابھی تو یہ گئی تھی اتر کے!" نفیسہ کی ماں مضطرب آواز میں بولی۔ "اتنی... اتنی جلدی کیا... کیا ہو سکتا ہے"

"تم لوگ باتیں ہی بناتے جاؤ گے یا کسی ڈاکٹر کو..." نفیسہ کے باپ کی بات ادھوری رہ گئی کیوں کہ اسی وقت نفیسہ کے کراہنے کی آواز سنائی دی تھی۔

"اسے... اسے شاید ہوش... ہوش آ رہا ہے۔" نفیسہ کی ماں جیسے تڑپ کر پلنگ کی پٹی کے پاس بیٹھ گئی اور پھر اپنی بیٹی کو پکارنے لگی۔ "آنکھیں کھولو نفیسہ... آنکھیں کھولو بیٹی!"

"آگ!... آگ!..." معاً" نفیسہ چیخ اٹھی اور پھر یک دم اٹھ کر بیٹھ

گئی۔ وہ وحشت زدہ سی نظر آرہی تھی۔

میں سمجھ رہا تھا کہ سب اسی حفاظتی حصار سے ٹکرانے کا اثر ہے۔ بہرحال میں یہ دیکھ کر مطمئن تھا کہ اسے ہوش آگیا تھا۔

"پانی!... پانی!" نفیسہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھرتی ہوئی گویا بہ مشکل بولی۔

نفیسہ کی ماں نے جلدی سے اسے ایک کٹورے میں پانی پلایا' پھر روہانسی آواز میں کہا۔ "تجھے کیا ہو گیا تھا بیٹی!"

"مجھے... مجھے کچھ نہیں معلوم! میرے سارے جسم میں آگ سی لگ رہی ہے... آگ!... میں جل رہی ہوں امی!... اندر سے جل رہی ہوں۔"

"مگر کچھ بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا تھا؟" نفیسہ کا باپ بول اٹھا۔

"وہ کہہ رہی ہے کہ اسے کچھ معلوم نہیں' تم کیوں اسے پریشان کر رہے ہو!" نفیسہ کی ماں اپنے شوہر پر بگڑ گئی۔

"تم جانو اور تمہاری بیٹی جانے! میں کون ہوتا ہوں پوچھنے والا!" بوڑھے نے کہا اور پھر غصے میں بڑبڑاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

"ان کی عقل پر تو پتھر پڑ گئے ہیں! ہر وقت غصہ ناک پہ دھرا رہتا ہے۔" نفیسہ کی ماں' رشید کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تو جا بیٹا' جلدی سے کسی ڈاکٹر کو بلا لا۔"

تعمیل حکم میں رشید فوراً ہی روانہ ہو گیا۔ اب کمرے میں نفیسہ اور اس کی ماں کے سوا کوئی نہیں تھا۔

"نہاؤں گی... میں نہاؤں گی امی! گرمی سے میرا جسم جلا جا رہا ہے۔" معاً نفیسہ بول اٹھی۔

"مگر اس وقت تو خنکی ہے بیٹا! ڈاکٹر کو آجانے دے' کہیں نہانے سے کوئی نقصان نہ ہو۔"

"نہیں!" نفیسہ نے دوپٹا ایک طرف اتار کر پھینک دیا۔ اس کے چہرے سے تکلیف و اذیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ "میں... مجھے نہانے دیں!" یہ کہہ کر وہ

...ں کے ساتھ پلنگ سے اتری اور تقریباً" دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

مین اسی لمحے مجھے اپنے جسم میں ہلکی سی مانوس سنسناہٹ محسوس ہوئی اور ...ں کے ساتھ میرے تصور کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مجھے اپنے ذہن پر غنودگی سی ...وس ہوئی اور پھر کوشش کے باوجود میں اپنی آنکھیں بند ہونے سے نہ روک سکا۔ ...میرا جی چاہا کہ بستر پر دراز ہو جاؤں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ اسی کیفیت میں دو ...ے میرے ذہن پر محیط ہو گئے۔ خواب اور بیداری کی سی یہ ملی جلی کیفیت ...رے لیے نئی نہیں تھی۔ مجھے علم تھا کہ اب کیا ہو گا! پھر وہی ہوا۔ وہ شعلے دور ...تے ہوتے دہکتی ہوئی دو آنکھوں میں تبدیل ہو گئے۔ یہ آنکھیں بھی میرے لیے ...بی نہیں تھیں۔ پھر ایک آشنا چہرے کے خطوط واضح ہو گئے۔

"بچہ!" معاً" اس چہرے کے لبوں کو حرکت ہوئی۔ آواز وہی گونج دار ...ی۔ "ہم نے تجھ سے کہا تھا کہ ہماری کھوج نہ کر! مگر تو نہ مانا۔ تیرا ہمزاد ہماری ...انتی (سکون) بھنگ (غارت) کرنے آگیا۔ ہم تو پہلے ہی سنسار (دنیا) کو تیاگ ...(ترک) چکے ہیں' پھر تو ہمیں کیوں چھیڑتا ہے! اس بار تو ہم نے تیرے ہمزاد کو تھوڑا ...شراپ (سزا) دے کر چھوڑ دیا پر اب اس نے ادھر کا رخ کیا تو ہم اسے نشٹ ...(ختم) کر دیں گے۔ برے ارادے سے ہماری اور (طرف) آنے والے کبھی سپھل ...(کامیاب) نہیں ہوتے۔ ہاں ہمارا بھگت (خادم) بن کر آ تو ہم تجھے اپنے چرنوں ...(قدموں) میں بٹھا لیں گے۔ پھر تو جیون کا وہ سکھ پائے گا جس کا کبھی دھیان بھی ...نہیں کیا ہو گا۔ بول تیری کیا اِچھا (مرضی) ہے۔ ہم تیرے من کی آواز سن رہے ...ہیں۔"

لیکن تو ہے کون؟ میرے سرکش ذہن نے جیسے اس سے سوال کیا۔

"اپنے من کی آنکھیں کھول بچہ! ہمیں پہچان! ہم گرو گوبند ہیں اور تجھے ...اپنے چرنوں (قدموں) میں دیکھنا چاہتے ہیں۔" جواباً" وہی گونج دار آواز سنائی دی۔

یہ بڑبولا جانے خود کو کیا سمجھ رہا ہے! مجھے اس سے نفرت محسوس ہوئی۔

"دنیا کو نفرت سے نہیں' محبت سے جیتا جا سکتا ہے بچہ! اس نے جیسے میری ...نفرت محسوس کر لی۔ "تجھ جیسے باغیوں کو سدھانا ہمیں خوب آتا ہے۔" پھر بھی ہم

تجھے اس سے (وقت) چھما (معاف) کرتے ہیں کہ تو اپنی ہی کرنی بھوگ رہا ہے اور بے بس ہے، پر آج نہیں تو کل تجھے ہمارے چرنوں میں آنا ہی ہو گا اور ہمارے چرنوں میں آ کر تو گھاٹے میں نہیں رہے گا۔" وہ گونج دار آواز مدھم ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی اور پھر وہ چہرہ بھی غائب ہو گیا۔

میں کچھ ہی دیر بعد اپنے حواس میں آ گیا۔ میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ میں بستر سے اٹھا ہی تھا کہ مغرب کی اذان سنائی دی۔

نماز پڑھنے کے بعد میرے دل کو قدرے سکون ہوا۔ ابھی تک میرے ذہن پر گرو گوبند کا خیال مسلط تھا۔ حیرت انگیز پراسرار قوتوں نے اسے یقیناً" مغرور بنا دیا تھا۔ اس کے لہجے میں نرمی کے باوجود بے حد تکبر اور بڑائی تھی، بڑائی جو صرف ایک ہی ذات کے لیے مخصوص ہے۔ میں کافی دیر تک سوچتا رہا کہ اس سے کس طرح نمٹا جا سکتا ہے، مگر کوئی راہ سمجھ میں نہیں آئی۔

اس رات سونے سے پہلے میں نے نفیسہ کے بارے میں جاننا ضروری سمجھا کہ اب وہ کس حال میں ہے! میں نے اپنی چشم تصور وا کی اور اسے بے خبر سوتے دیکھا۔ اس کے والدین کی گفتگو سن کر مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اسے کوئی سکون آور انجکشن دے کر چلا گیا ہے اور اسی کے زیر اثر وہ سو رہی ہے۔ یہ باتیں وہ دونوں ان عزیزوں اور پاس پڑوس والوں کو بتا رہے تھے جو عیادت کے لیے آئے تھے۔ نفیسہ کا منگیتر رشید بھی اب تک وہاں سے ٹلا نہیں تھا۔ کسی کے پوچھنے پر نفیسہ کی ماں نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر نے دو ایک دن مکمل آرام کے لیے کہا ہے۔

نفیسہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں سو گیا۔ یقیناً" اس کی حالت زیادہ تشویش ناک نہیں تھی۔ مجھے یہ سن کر بھی اطمینان ہی ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے اسے دو ایک دن مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔ نتیجتہ" اس دوران میں وہ مجھ سے ملنے کی کوشش بھی نہ کرتی اور اس طرح دوبارہ حفاظتی حصار سے نہ ٹکراتی۔

دوسرا دن تمام ہوتے ہوتے ہمزاد لوٹ آیا۔ اس کی واپسی میرے لیے غیر متوقع ہی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کی قوتیں بحال ہونے میں شاید ابھی وقت لگے

...بہ ظاہر وہ بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آ رہا تھا، پھر بھی میں نے پوچھ ہی لیا۔ "اب کیا ...ل ہے تمہارا؟ ٹھیک ہو گئے بالکل؟"

"نہیں۔" اس کی آواز میں تھکن سی تھی۔

ہمزاد کے انکار نے مجھے چونکا دیا۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر وقت سے پہلے وہ ...وں لوٹ آیا؟ پھر یہی سوال میری زبان پر بھی آ گیا۔

"دراصل میں آپ کو ایک خطرے سے آگاہ کرنے آیا تھا۔" اس نے ...ایا" کہا۔ "میں آپ سے کہہ ہی چکا تھا کہ آپ کی طرف سے غافل نہیں رہوں ...۔ مجھے پہلے ہی کچھ کچھ اندیشہ تھا۔"

"کس بات کا اندیشہ؟ کہ شاید گرو گوبند آپ کو اغوا کرنے کی کوشش ...ے گا۔" ہمزاد نے بتایا۔

"مگر کیوں؟... اور پھر حفاظتی حصار کے ہوتے کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟"

"حفاظتی حصار کی موجودگی میں یقیناً" وہ آپ کو اغوا کرنے میں کامیاب ...یں ہو سکتا مگر اس کا ارادہ کچھ اور ہے۔ وہ اس سے واقف ہے کہ مکان کے گرد ...صار کھینچا ہوا ہے۔"

"پھر؟"

"وہ دراصل یہ کوشش کرے گا کہ آپ خود بہ خود حصار سے باہر نکل ...یں۔ اس کے لیے وہ کیا راستہ اختیار کرے گا، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" ہمزاد بولا۔

"یہ تو بعد کی بات ہے، لیکن وہ مجھے اغوا ہی کیوں کرنا چاہتا ہے؟ اس کا ...ل تو سبب ہو گا۔" میں نے کہا۔

"وہی سبب جاننے کے بعد تو میں آپ کے پاس آیا ہوں کیوں کہ مجھے ...لوم تھا، آپ مجھ سے یہ ضرور پوچھیں گے۔" ہمزاد نے طویل سانس لیا، پھر کہنے ...۔ "ہرچند کہ گرو گوبند بہت سی پُراسرار قوتوں کا مالک ہے لیکن اس کی ہوس ابھی ...ری نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ مزید قوتیں حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس ...لے میں اس کا طریقہ کار مختلف ہے۔ وہ اب خود ان کے حصول کی خاطر ریاضت و ...ت نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی ریاضت و محنت پر ہاتھ صاف کر دیتا ہے۔ یوں

سمجھیں کہ وہ اپنی پراسرار قوتوں کے بل بوتے پر دوسرے شخص کی قوتیں سلب کر کے انھیں اپنی قوتوں کا حصہ بنا لیتا ہے۔ جہاں تک قیاس کام کرتا ہے' اسے شمبھو سے آپ کی پراسرار قوتوں کے بارے میں معلوم ہوا ہو گا۔ حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے لیکن گمان غالب یہی ہے کہ شاید ایسا ہی ہو۔ بہرحال اس کی ہوس جاگ اٹھی ہے' مزید صاحب قوت ہونے کی ہوس! شمبھو کو اس نے پاس سے بھگا دیا نہیں؟ یہ اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا جب تک میری قوتیں بحال نہ ہو جائیں۔ اگر شمبھو کو واقعی اس نے پناہ نہیں دی ہو گی تو میں اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ویسے یہ اس کا فریب ہی لگتا ہے۔ اس طرح وہ شمبھو کو بچانے کے لیے آپ کو دھوکے میں رکھنا چاہتا ہو گا۔ خیر... تو میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ آج رات وہ کسی نہ کسی طرح یہ کوشش کرے گا' آپ خود حصار سے باہر نکل آئیں۔ تو آپ تو کسی بھی قیمت پر گھر سے باہر قدم نہیں رکھنا۔"

ہمزاد کی باتیں سن کر میں کچھ غور کرتا رہا' پھر کہا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ممکن ہے کہ گرو گوبند اب تک ایسا کرتا رہا ہو جیسا تم نے بتایا ہے' مگر کسی کے ہمزاد کو اپنے قابو میں کر لینا کس طرح ممکن ہے؟"

"اسے یہی تو غلط فہمی ہے۔" ہمزاد بولا۔ "اور ہمیں اس کی اسی غلط فہمی سے فائدہ اٹھانا ہے۔ کوئی بھی کسی کے ہمزاد کو اپنے قابو میں نہیں کر سکتا۔"

ہمزاد سے یہ سن کر مجھے کچھ اطمینان ہوا اور میں نے کہا۔ "تم بے فکر رہو' وہ مجھے حفاظتی حصار سے باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔"

"بس شاید ایک دن اور ایک رات کی بات ہے' پھر آپ پر اتنا دباؤ نہیں رہے گا' میری قوتیں بحال ہو جائیں گی۔ میں نے گرو گوبند اور شمبھو سے نمٹنے کے لیے ایک اور راستہ سوچا ہے۔ صحت مند ہو جانے کے بعد میں آپ سے اس سلسلے میں گفتگو کروں گا۔ فی الحال مجھے اجازت دیں۔"

ہمزاد نے یہ بتا کر میرے دل میں تجسس پیدا کر دیا تھا کہ وہ گرو گوبند اور

شمبھو سے نمٹنے کے لیے کچھ سوچ چکا ہے مگر میں نے اپنے تجسس کو دبا کر اسے رخصت کی اجازت دے ہی دی۔ وہ مجبوراً ہی میرے پاس آیا تھا اور اسے زیادہ دیر روکے رکھنا ٹھیک نہیں تھا۔

آدمی پہلے ہی سے بے حد چوکنا اور محتاط ہو تو ذرا سی بھی آہٹ پر چونک اٹھتا ہے۔ یہی حال اس شب میرا تھا' لیکن نصف شب گزر جانے کے باوجود کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا اور نیند میری آنکھوں میں کروٹیں لینے لگی۔ غالباً میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ کہ میری سماعت سے گھنگرو بجنے کی آواز ٹکرائی۔ میں نے چوکنا ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ "چھم چھم چھم" گھنگرو پھر بجے اور میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسی لمحے کہیں دور سے ایک عجیب سی پرکشش اور سحرانگیز موسیقی سنائی دینے لگی۔ میرا جی چاہا کہ موسیقی کی لے اور تال پر رقص کرنے لگوں۔ رفتہ رفتہ وہ سحرانگیز موسیقی میرے حواس پر چھاتی جا رہی تھی۔ معاً اندھیرے میں ایک شعلہ سا لپکا اور میرا سارا وجود جیسے جھنجھنا اٹھا۔ وہ شعلہ حسن مجھے بس ایک لمحے کو لے اور تال پر رقصاں نظر آیا تھا' پھر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا' مگر میں بے خود سا ہو کر اس کے پیچھے پیچھے لپکا تھا۔ ایک بار پھر جھماکا سا ہوا اور اس بار یہ جھماکا میری خواب گاہ کے دروازے سے باہر ہوا تھا' پھر بھی میری نظروں کی دسترس میں تھا۔ اس رقصاں قیامت کے جسم سے روشنی سی پھوٹ رہی تھی۔ اس نے رقص کرتے ہوئے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا اور اسی کے ساتھ پھر اندھیرا چھا گیا۔ میں جیسے نشہ حسن میں سرشار آگے ہی بڑھتا جا رہا تھا کہ جیسے کسی نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ موسیقی کی لے پھر اپنے عروج پر پہنچی اور میں نے خود کو روشنی' خوشبو اور رنگوں کی آغوش میں محسوس کیا۔ وہ شعلہ رقصاں مجھے گویا اپنی بانہوں میں سمیٹے ہوئے نہ جانے کہاں لیے جا رہا تھا! مجھ پر بے خودی سی طاری تھی کہ اچانک ایک تیز آواز نے میرے حواس کو جھنجھوڑ دیا۔ اس آواز نے مجھے جیسے رنگوں اور خوشبوؤں کی دنیا سے باہر گھسیٹ لیا اور یہ آواز میری اپنی ہی آواز تھی' میرے ہمزاد کی آواز! غالباً اس نے مجھ سے رک جانے کو کہا تھا اور اسی کے ساتھ میرے آگے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے تھے۔

اس کے بعد جیسے سارا طلسم ٹوٹ گیا۔ اب نہ میں کسی شعلہ رقصاں کی آغوش میں تھا اور نہ سحر انگیز موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ وہ سب کچھ یقیناً بصارت اور سماعت کا فریب تھا۔ میں اب اپنے گھر کے کھلے ہوئے صدر دروازے پر کھڑا تھا۔ کچھ دیر تک میں یونہی سناٹے کے عالم میں کھڑا رہا۔ میرے حواس جیسے گم ہو گئے تھے اور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے! میں نے جانے کب اور کس عالم میں گھر سے باہر نکلنے کے لیے دروازہ کھول لیا تھا! قید اور رہائی کے درمیان بس ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا' یقیناً" اس کے پس پشت گر گوبند ہی کی شخصیت تھی۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو نہ جانے مجھ پر کتنے نئے دکھوں کے دروازے کھل جاتے! وہ ایک ایسا طاقت ور دشمن تھا جس کی قوتوں کا صحیح اندازہ ابھی مجھے نہیں تھا۔ اس نے مجھے زیر دام لانے کے لیے بڑا انوکھا حربہ آزمایا تھا جس کا تصور بھی میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں تھا ورنہ میں اتنی آسانی سے اس کا شکار نہ ہو جاتا۔ وہ یقیناً" اپنے مقصد میں کامیاب رہتا اگر میرا ہمزاد بروقت مجھے چوکنا نہ کر دیتا۔ یہ سوچ کر میرے جسم میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی۔ میں نے فورا" ہی آگے بڑھ کر گھر کا دروازہ بند کر دیا۔

اپنی خواب گاہ میں واپس آنے کے بعد کافی دیر تک نیند میری آنکھوں سے روٹھی رہی۔ میں دوبارہ سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ بس اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کمرے کی چھت مجھ پر گر پڑے گی اور دیواریں بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکیں گی۔ ایک عجیب سے خوف نے میرے حواس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میرا دل انتہائی تیزی سے دھڑکنے لگا اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ہمزاد کے عمل کے دوران میں کئی بار میں ایسی کیفیت سے گزر چکا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ یہ خوف بے سبب ہے' میں خود پر قابو نہیں پا سکا۔ خوف' اضطراب' گھبراہٹ' اور بے چینی کی وجہ سے میں بیٹھا نہ رہ سکا اور بستر سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ رفتہ رفتہ مجھے اپنی خواب گاہ میں بے حد گھٹن اور حبس کا احساس ہونے لگا۔ بار بار میرا دل یہی چاہ رہا تھا کہ وہاں سے نکل جاؤں۔ اس گھٹن سے نجات پانے کے لیے میں نے گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں مگر اس سے بھی کچھ حاصل

نہیں ہوا' حبس بہ دستور رہا۔ شعوری طور پر میں اس کا سبب سمجھ چکا تھا اس لیے لاشعور کے ساتھ اپنے دل میں پیدا ہونے والی اس خواہش کو کچل دیا کہ اس حبس سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجھے گھر سے نکل جانا چاہیے۔ اپنا ایک حربہ ناکام ہونے کے بعد اب یقیناً" گرو گوبند دوسرا حربہ آزما رہا تھا۔

گھٹن سے بچنے اور تازہ ہوا کی خاطر میں اب اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں آکھڑا ہوا تھا۔ سامنے ہی نفیسہ کا مکان نظر آرہا تھا جس کی ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اندر کمرے میں اندھیرا تھا۔ میں اپنی توجہ کسی دوسری جانب مبذول کرنے کی خاطر ہی اس طرف دیکھنے لگا تھا۔ معا" میں نے سامنے والے گھر کے اندھیرے کمرے میں روشنی کی لکیر سی دیکھی۔ جیسے کسی نے چھوٹی سی ٹارچ جلائی ہو۔ اندھیرے میں ذرا سی روشنی بھی بہت معلوم ہوتی ہے۔ روشنی کا وہ دائرہ حرکت کرتا ہوا ایک جگہ رک گیا اور اسی کے ساتھ میں چونک اٹھا۔ اب روشنی کے دائرے میں نفیسہ کا چہرہ تھا۔ اب مجھے اس کمرے میں دو متحرک ہیولے بھی نظر آرہے تھے۔ میں نے انھی میں سے ایک کو نفیسہ کے منہ پر رومال رکھتے دیکھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا یقیناً" نفیسہ کو بے ہوش کرنا چاہتا تھا۔ رومال میں بے ہوشی ہی کی کوئی دوا ہو سکتی تھی۔ میرے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ میرے لیے اب یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ کہ نفیسہ کو اغواء کیا جا رہا ہے۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے ان میں سے ایک ہیولے نے نفیسہ کو بستر سے اٹھا لیا۔ میری آنکھیں اب بڑی حد تک اندھیرے سے مانوس ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد ایک ہیولا آگے آگے ٹارچ جلائے ہوئے چلنے لگا اور دوسرا نفیسہ کو اٹھائے دبے قدموں پیچھے ہو لیا۔ ابھی وہ دونوں کمرے کے دروازے تک پہنچے تھے کہ ان میں سے ایک شاید کسی چیز سے ٹکرا گیا۔ زور دار آواز کے ساتھ کوئی چیز گری اور اسی کے ساتھ ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی۔ نفیسہ کی ماں غالبا" اسی کمرے میں سو رہی تھی' زور دار آواز ہونے سے شاید اسی کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ چیخنے لگی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی یقیناً" اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس کی بیٹی کو اغوا کیا جا رہا ہے۔ وہ اسی لیے زور زور سے چیخ رہی تھی۔

"بچاؤ!... بچاؤ!... میری بچی کو بچاؤ!"

اسی دوران میں وہ دونوں ہیولے رکے بغیر تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے تھے۔ نفیسہ کی ماں کے چیخنے چلانے سے غالباً" دوسرے کمرے میں سویا ہوا بوڑھا باپ بھی جاگ گیا تھا۔ جاگتے ہی وہ بھی اپنی بیوی کی طرح کچھ سوچے سمجھے بغیر چیخنے لگا تھا۔ چند ہی لمحوں میں نفیسہ کے گھر کے زینے میں مجھے بھاری قدموں کی دھمک سنائی دی۔ نفیسہ کو اغوا کر کے لے جانے والے یقیناً" اب جلدی جلدی سیڑھیاں عبور کر کے نیچے آ رہے تھے۔ نیچے گلی میں پہنچنے کے بعد انھیں فرار ہونے سے کوئی نہ روک سکے گا' یہ خیال آتے ہی میرے جسم میں جیسے بجلیاں سی کوند گئیں۔ میں گویا جستیں بھرتا ہوا نیچے پہنچا اور اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا۔ اسی وقت سامنے والے مکان کے دروازے سے تیزی کے ساتھ دو سیاہ پوش باہر آئے جن میں سے ایک نے نفیسہ کو اٹھا رکھا تھا۔ وہ مجھ سے چند ہی قدم کے فاصلے پر تھے۔

میں نے ان دونوں کو للکارا پھر میں چاہتا تھا' جھپٹ کر ان تک پہنچ جاؤں کہ جیسے ایک تیز آواز میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔ "رک جایئے!... ہوش میں آیئے!" یہ آواز میرے ہمزاد کے سوا کسی اور کی نہیں تھی۔

میں اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔ میرا سارا جوش لمحہ بھر میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ گلی میں اب کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ چند لمحے پہلے نفیسہ کے گھر کا دروازہ جو مجھے کھلا ہوا نظر آیا تھا' بند تھا۔ نفیسہ کے والدین کی چیخیں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

میں نے لمحہ حیرت سے نکلنے کے بعد گھر کا دروازہ بند کیا اور پلٹ آیا۔ گرو گوبند نے گویا ایک ہی رات میں تیسری بار مجھے آزمائش میں ڈالا تھا۔ ہمزاد میری طرف سے غافل ہوتا تو شاید اس مرتبہ تو وہ مجھے حفاظتی حصار سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو ہی جاتا۔ اس نے مجھے بڑی خوبصورتی کے ساتھ فریب دینے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اس نے یہ سوچنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا کہ آخر نفیسہ کے والدین کی چیخ پکار سن کر میرے سوا کوئی اور پڑوسی اپنے گھر سے کیوں نہیں نکلا! غالباً" جذباتی ہیجان کے دوران میں آدمی ایسی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا۔

اسی کشمکش میں ساری شب گزر گئی تھی اور اب صبح ہونے والی تھی۔ گھر کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے کے بعد میں نے فجر کی نماز پڑھی کیونکہ اسی دوران میں اذان ہو چکی تھی' پھر میں بستر پر دراز ہو گیا اور میری آنکھ لگنے میں دیر نہ لگی۔

ساری رات جاگتے گزری تھی اس لیے مجھے گہری نیند آئی اور میں دوپہر کے قریب سو کر اٹھا۔

گزری ہوئی شب کے روح فرسا واقعات ابھی تک میرے ذہن میں تازہ تھے۔ کسل مندی دور کرنے کے لیے میں نے غسل کیا اور پھر ظہر کی نماز پڑھی۔ بھوک محسوس ہوئی تو میں نے کچھ پھل کاٹ کر کھا لیے۔

پے در پے واقعات نے مجھے اب تک اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ ثمینہ کے شوہر شوکت کے متوقع قتل کی بابت معلومات حاصل کر سکتا۔ یہ مسئلہ ابھی تک میرے ضمیر پر بوجھ بنا ہوا تھا۔ اس وقت بھی جانے کیوں مجھے اس کا خیال آ گیا تھا! شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ فی الوقت میں کسی مشکلے سے دو چار نہیں تھا۔ خطرات گزر چکی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ میں اس سلسلے میں اپنی چشم تصور سے کام لے کر بھی تو از خود بہت کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔ اسی کے ساتھ میری قوت سماعت بھی بیدار ہو جاتی۔ پھر شام ہونے تک میرا یہی مشغلہ رہا۔ میرے ذہن میں جو بھی سوالات تھے۔ مجھے ان کے جواب مل گئے۔

میں نے اپنی چشم تصور کی حیرت انگیز قوت کے سہارے جو معلومات حاصل کیں ان کا خلاصہ یہ تھا کہ ثمینہ اپنے بچوں کی محبت سے مجبور ہو کر اپنے نوجوان عاشق زاہد کے ساتھ ڈھاکہ لوٹ آئی تھی۔ ڈھاکہ آ کر اس نے اپنے والدین کے گھر پناہ لی تھی۔ والدین بہرحال والدین ہوتے ہیں۔ انھوں نے پہلے تو اپنی بیٹی کو سمجھا بجھا کر شوہر کے گھر بھیجنے کی کوشش کی مگر جب بیٹی اس پر راضی نہ ہوئی تو مجبوراً انھیں شوکت سے طلاق کا مطالبہ کرنا پڑا۔ اسی دوران میں ثمینہ نے اپنے والدین کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ شوکت سے طلاق دے کر زاہد سے شادی کرے گی۔ شوکت نہ تو ثمینہ کو طلاق دینے پر آمادہ تھا اور نہ بچوں کو ثمینہ کے پاس چھوڑنے پر

راضی۔ بات عدالت تک پہنچ چکی تھی۔ شوکت محض انتقاماً" ثمینہ کو طلاق دینے سے گریز کر رہا تھا ورنہ اسے ثمینہ سے محبت نہیں تھی۔ کیس کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ شاید عدالت' بچوں کے بارے میں شوکت کا مطالبہ مان لیتی۔ شوکت بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ ثمینہ کے نوجوان عاشق کے نزدیک اس مسئلے کا حل صرف یہ تھا کہ شوکت کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ اس طرح بچے بھی ثمینہ کی تحویل میں آجاتے اور وہ زاہد کو بھی اپنا سکتی۔ آج شام بھی ان دونوں کے درمیان اسی مسئلے پر گرما گرم بحث ہوئی تھی۔ مجھے ثمینہ کچھ نیم راضی سی نظر آئی تھی۔ بس وہ یہ چاہتی تھی کہ شوکت کے قتل کا الزام اس کے نوجوان عاشق پر نہ آئے زاہد نے اسے یقین دلایا تھا' وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھائے گا اور کوئی ایسا ثبوت نہیں چھوڑے گا کہ اس پر شک کیا جاسکے۔

میرے نزدیک شوکت بھی زیادتی کر رہا تھا اور زاہد تو تھا ہی غلط راستے پر بہرحال ابھی وقت تھا۔ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل سکتا تھا۔ اس خیال سے میرے دل کو کچھ اطمینان ہوا کہ ابھی شوکت کو قتل نہیں کیا گیا۔ اس کا رویہ اپنی بیوی ثمینہ کے ساتھ غلط تھا یا صحیح' اس سے قطع نظر وہ بہرحال قتل ایسی سزا کا مستحق نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس معاملے کو اس حد تک نہیں بڑھنے دوں گا۔ اگر یہ واقعات میرے علم میں نہ آئے ہوتے تو دوسری بات تھی' میں خود کو اپنے ضمیر کی عدالت میں جواب دہ نہ سمجھتا۔

اس مشغلے سے فارغ ہونے کے بعد جیسے رات قریب آنے لگی میرے دل میں وسوسے اور اندیشے پیدا ہونے لگے۔ کہ آج رات نہ جانے کیا گزرے؟ گرو گوبند مجھے حفاظتی حصار سے نکالنے کے لیے نہ جانے کون سا نیا حربہ آزمائے؟ ہرچند کہ میرے ہمزاد نے مجھے صرف گزشتہ رات کے بارے میں خطرے سے آگاہ کیا تھا لیکن میں اس کے باوجود مضطرب تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ گرو گوبند ایک بار ناکام ہونے کے بعد دوسری مرتبہ کامیابی کی کوشش نہ کرتا۔

پھر میرے اندیشے غلط ثابت نہ ہوئے۔ نصف شب گزرتے ہی کھیل شروع ہو گیا۔ میرے کمرے میں روشنی کے جھماکے سے ہونے لگے اور پھر جیسے تیز

آندھی کا شور سنائی دیا اور میں کانپ کر رہ گیا۔ وہ آواز اتنی ہی ہیبت ناک تھی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ تیز آندھی مجھے بھی کسی تنکے کی طرح اپنے ساتھ اڑا لے جائے گی۔ میں نے مضبوطی سے مسہری کی پٹیاں پکڑلی تھیں۔ کمرے کی ہر شے جیسے گردش میں تھی۔ پھر یہ گردش بھی تھم گئی اور اچانک اندھیرے میں ایک بھیانک روشن وجود نمودار ہوا۔ اس کے جسم سے روشنی پھوٹ رہی تھی اور وہ میری مسہری کے قریب زمین پر بیٹھا ہوا مجھے بڑی قہرناک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مکمل طور پر نہ تو انسان معلوم ہو رہا تھا نہ حیوان۔ اس سے پہلے کبھی میری نظر سے کوئی ایسا وجود نہیں گزرا تھا۔ کمرے میں اسی روشن ہیبت ناک وجود ہی کے سبب روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

یہ سب فریب نظر ہے' کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا۔ اسی وقت اس شیطانی وجود کی آنکھوں سے دو شعلے لپکے اور دوسرے ہی لمحے میرے بستر میں آگ لگ گئی میں نے جلنے سے بچنے کے لیے بستر سے چھلانگ لگا دی۔ پھر تو چند ہی لمحوں میں ہر طرف شعلے لپکنے لگے۔ میں خواب گاہ کے وسط میں کھڑا ہوا خوف اور حیرت سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ پھر بڑھتے بڑھتے شعلے میرے وجود کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگے۔ مجھے ان کی حدت واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ دھوئیں کی وجہ سے اب مجھے سانس لینا بھی دوبھر ہو رہا تھا۔ مجبوراً" مجھے خواب گاہ سے نکلنا پڑا۔ وہ شیطانی وجود بھی میرے ساتھ ہی ساتھ باہر آگیا۔

معاً" مجھے محسوس ہوا کہ وہ شیطانی وجود مجھ پر جھپٹنے والا ہے۔ اسی کے ساتھ میں نے زینے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ میرے تعاقب میں تھا۔ چھلانگیں بھرتے ہوئے میں نے سیڑھیاں طے کیں اور نیچے پہنچ گیا' لیکن وہ مجھ سے بھی تیز ثابت ہوا۔ اس نے اپنا بدہیئت ہاتھ آگے بڑھا کر میرا راستہ روک لیا۔ وہ جانے کیسے مجھ سے پہلے نیچے پہنچ گیا تھا۔ میں نے راستہ کاٹ کر نکل جانا چاہا مگر اس نے مجھے اتنی مہلت نہیں دی۔ اس نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ گرفت اتنی سخت تھی کہ مجھے اپنے جسم کی ہڈیاں چٹختی محسوس ہوئیں اور میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا بھاری ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا اور میری دوسری چیخ

حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ میں اپنے ہمزاد کو مدد کے لیے پکارنا چاہتا تھا مگر شاید اب وقت گزر چکا تھا۔ میرا سانس رک گیا تھا' مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ کیا گرو گوبند اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے بعد انتقاماً" مجھے ختم کر دینا چاہتا ہے؟ اس کے بعد میرا دل ڈوبنے لگا اور میرے ذہن پر اندھیرا پھیل گیا۔

OO.....O.....OO

تو نہیں تو زندگی میں اور کیا رہ جائے گا
دور تک تنہائیوں کا سلسلہ رہ جائے گا
کوئی تازہ منظر دل میں کھو جائے گی مگر
دل پرانے موسموں کو ڈھونڈتا رہ جائے گا

اپنی ہی آواز میں نے کئی بار سماعت میں گونجتی محسوس کی تو آنکھیں کھول دیں۔ "کچھ دیر مجھے یاد ہی نہ آیا کہ میں کہاں اور کس حال میں ہوں! میرے ذہن پر نیم غنودگی سی طاری تھی۔ ہاں یہ احساس میرے لیے اطمینان بخش تھا کہ اپنے ہمزاد کو میں نے قریب ہی دیکھا۔ یقیناً اسی نے مجھے پکارا تھا۔ وہ میرا ہی عکس اور جسم لطیف تھا۔ اس کی آواز بھی گویا میری آواز تھی۔ اس کے چہرے پر مجھے فکر مندی کے آثار نظر آئے۔ اسی کے ساتھ میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ پھر مجھے سب کچھ یاد آتا چلا گیا کہ میں کس قدر شدید کرب اور اذیت سے گزرا تھا! مجھے وہ ہیبت ناک وجود بھی یاد آگیا جو مکمل طور پر انسان تھا نہ حیوان۔ اسی نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور میرے ذہن پر اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہوش کھونے سے پہلے میں نے سوچا تھا کہ کیا گرو گوبند اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے بعد مجھے ختم کر دینا چاہتا ہے؟

میں اس وقت اپنی خواب گاہ ہی میں بستر پر دراز تھا۔ مجھے میرا دشمن خطرناک اور شدید ترین حملے کے باوجود اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکا' یہ احساس میرے لیے ایک نئی زندگی کی خوش خبری تھا۔ اس پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہی ہر شے پر قادر ہے۔

جسم میں درد کی پھر ایک لہر سی اٹھی تو دوبارہ میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ ہمزاد جو سرہانے ہی کھڑا تھا' تیزی سے مجھ پر جھکا اور اپنا ہاتھ میرے جسم پر پھیرا۔ اس لمحے مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے جسم کا سارا درد کھینچ لیا ہو۔ یہ تجربہ مجھے

پہلے بھی کئی مرتبہ ہو چکا تھا۔
"اب یقیناً" آپ کی تکلیف ختم ہو چکی ہے۔" ہمزاد یہ کہہ کر سیدھا کھڑا
ہو گیا۔
"ہاں۔" میں نے اطمینان و سکون کا گہرا سانس لیا اور سرہانے سے ٹیک لگا
کر نیم دراز ہو گیا۔ کمرے میں روشنی تھی۔ ذرا توقف کے بعد میں نے ہمزاد سے
پوچھا۔ "تم خود بہ خود طلب کیے بغیر کب اور کیسے یہاں پہنچ گئے؟ میں نے تو اپنی
زندگی کی طرف سے قطعی مایوس ہو چکا تھا۔"
"یہ بات تو آپ کے علم میں ہے کہ میں گزشتہ رات بھی غافل نہیں
رہا۔" ہمزاد کہنے لگا۔ "اگر میں چوکنا نہ رہتا تو گرو گوبند گزشتہ رات ہی اپنے مقصد
میں کامیاب ہو جاتا۔ وہ آپ کو میرے کھینچے ہوئے حصار سے نکلنے پر مجبور کر
دیتا۔ اس نے یہ کوشش کی بھی تاکہ آپ حصار سے نکل جائیں۔ میں آپ کو پہلے
ہی بتا چکا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے! حصار سے باہر قدم رکھتے ہی وہ آپ کو اغوا کر لیتا' مگر
میں آپ کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ میں نے بروقت آپ کو چوکنا کر دیا۔ یوں وہ
ناکام رہا۔ آج رات اس نے اپنا آخری حربہ آزمایا تھا۔ اس غرض سے گرو گوبند
نے اپنے ایک خاص چیلے کی زندگی کو داؤ پر لگا دیا تاکہ وہ حصار میں داخل ہو کے
آپ کو اغوا کر لے جائے۔ گرو گوبند نے اسے ایک وحشت ناک وجود میں تبدیل کر
کے اپنی پُراسرار قوتوں کے ذریعے یہاں بھیج دیا۔ میرے کھینچے ہوئے حصار کے اندر
قدم رکھنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا' اگر میں خود ہی ایسا نہ چاہتا۔ میں نے اسی لیے
لمحے بھر کو حصار اٹھا لیا تاکہ وہ غلط فہمی کا شکار ہو جائے اور اسے بھی اپنے گرو کا
کمال سمجھے۔"
ہمزاد لازماً کچھ اور بھی کہتا کہ میں بول اٹھا۔ "تم نے حصار کیوں اٹھا
لیا؟"
"اس لیے کہ میں چاہتا تھا کہ گرو گوبند کا وہ خاص چیلا جس پر اسے بہت ناز
تھا' یہاں سے زندہ واپس نہ جا سکے۔" ہمزاد نے وجہ بیان کی' پھر خود ہی بتانے لگا۔
"وہ جیسے ہی مکان میں داخل ہوا' میں نے دوبارہ حصار کھینچ دیا۔ اب وہ یہاں سے

کسی صورت میں نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے آپ کا خیال بھی تھا کہ وہ
کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ مجھے یقین تھا کہ میں جیسے ہی حصار کھینچوں گا'
گرو کے خاص چیلے کو اپنی پُراسرار قوتوں کے ذریعے اس کا پتا چل جائے گا۔ میرے
اندازے کے مطابق ایسی صورت میں وہ پہلے اپنے بچاؤ کی فکر کرے گا' مگر اس
بدبخت نے ایسا نہیں کیا۔ وہ انتقام پر اتر آیا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اب وہ آپ
کو اغوا کر کے نہیں لے جا سکے گا۔ گرو گوبند نے اسے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ آپ
کو ختم کر دے' یہ خود اس کا ذاتی فیصلہ تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ آپ کو ختم کر کے
وہ اپنی پُراسرار قوتیں آزمائے گا۔ وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت کا شکار تھا کہ شاید
حصار سے زندہ بچ کر نکل جائے یا پھر مارا جائے۔ وہ بس ذرا سی دیر کا کھیل تھا۔ اس
نے آپ کو فریب نظر میں مبتلا کیا اور پھر بقیہ حواس کو بھی اپنے زیر اثر لے لیا۔
آپ کو اسی سبب بھڑکتے شعلوں کے ساتھ ان کی حدت بھی محسوس ہوئی۔ مجبوراً"
جب دھوئیں سے آپ نے اپنا سانس گھٹتا محسوس کیا تو خواب گاہ سے نکل کر بھاگے۔
وہ آپ کے تعاقب میں تھا۔ میرا منشا یہ تھا کہ جب اس کی تمام تر توجہ صرف آپ پر
مرکوز ہو جائے تو اچانک اسے قابو میں کر لوں۔ گرو کا یہ خاص چیلا بھی حیرت انگیز
پراسرار شیطانی قوتوں کا مالک تھا۔ اس پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔ اس کی پراسرار
قوتیں شمبھو سے کم نہیں تھیں۔ ان حقائق کی روشنی میں بس یہی ممکن تھا کہ غفلت
کے وقت اس پر حملہ کیا جائے۔ یہ موقع مجھے اس وقت ملا جب وہ آپ کو اپنی
گرفت میں لے چکا تھا۔ ہرچند کہ آپ چند لمحوں سے زیادہ اس کی گرفت میں نہیں
رہے لیکن مجھے خبر ہے' اس دوران میں آپ پر کیا گزر گئی ہو گی! آپ اسے مصلحت'
وقت اور مجبوری کا نام دے سکتے ہیں۔ جیسے ہی وہ پوری طرح آپ کی طرف متوجہ
ہوا' میں نے عقب سے اس پر وار کیا۔ گھبرا کر اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ گر
کر زخمی نہ ہو جائیں' میں اس خیال سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔ میں نے آپ
کو وہیں زمین پر لٹا دیا۔ اسی وقت مجھے اس کی بھیانک چیخ سنائی دی۔ حصار سے نکلنے
کی کوشش میں وہ آپ کے قریب ہی آ کے گرا اور تڑپنے لگا۔ پھر اس سے پہلے کہ
وہ سنبھل پاتا' میں نے اس پر آخری وار کیا جو کاری ثابت ہوا۔"

ہمزاد کے خاموش ہوتے ہی میں نے مزید وضاحت کی غرض سے پوچھا۔ "
کیا وہ ختم ہو گیا؟ تم نے اسے قتل کر دیا؟"

"ہاں" وہ اپنے گناہوں کی آگ میں زندہ جل کر خاک ہو گیا۔" ہمزاد
یہ بتاتے ہوئے گہرا سانس لیا۔

معاً" مجھے ہمزاد کی حالت کا خیال آیا۔ گرو گوبند سے ایک مقابلے سے
وہ بھی تو شدید زخمی ہو گیا تھا۔ اسے گرو گوبند نے ایک مندر میں قید کر دیا تھا۔ وہاں
سے وہ فرار تو ہو گیا تھا مگر اس کا وجود جھلس کے رہ گیا تھا۔ ہمزاد نے مجھے بتایا تھا
اپنی قوتوں کی بحالی میں اسے مزید ایک دن اور ایک رات کی ضرورت ہے۔ یہ
گزشتہ رات کی تھی۔ چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ پھر بھی تصدیق کی خاطر میں
اس سے دریافت کیا۔ "اب تمہارا حال کیا ہے؟ تم پوری طرح صحت یاب
گئے؟"

"جی ہاں۔" اس نے جواب دیا۔ "اب میری تمام تر قوتیں پہلے کی طرح
بحال ہو چکی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں آپ کو نہ بچا سکتا۔"

مجھے یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی اور میں نے ہمزاد سے اس کا اظہار
کیا۔ پھر مجھے وہ اہم بات یاد آ گئی جو ہمزاد نے گزشتہ شب ہی مجھ سے کہی تھی۔
کو مد نظر رکھ کر میں نے اس سے سوال کیا۔ "تم نے کہا تھا کہ گرو گوبند اور
سے نمٹنے کے لیے ایک اور راستہ سوچا ہے' وہ کیا ہے؟"

"اس وقت خاصی رات گزر چکی ہے اور آپ کی آنکھیں بھی نیند
بوجھل ہو رہی ہیں۔" ہمزاد بولا۔ پھر اس نے مشورہ دیا۔ "آپ شدید ترین
سے گزرے ہیں اور ایسی حالت میں آرام کی ضرورت ہے۔ فی الحال آپ
جائیے۔ اس موضوع پر ہم کل بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔"

ہمزاد نے غلط نہیں کہا تھا۔ میرے ذہن پر واقعی نیند کا غبار چھایا ہوا
میں نے اس کا مشورہ قبول کر لیا۔ پھر بھی مجھے گرو گوبند کی طرف سے فکر تھی۔
میں نے اس کا اظہار ضروری سمجھا۔ میں نے بستر پر دراز ہو کر ہمزاد سے کہا۔ "
گوبند کے خاص چیلے کو تم نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یقیناً" وہ اس سے

خبر نہیں رہے گا۔ کہیں یہ نہ ہو کہ وہ آج ہی رات کوئی انتقامی قدم اٹھا بیٹھے! یہ
امکان بھی تمہاری نظر میں ہے؟"

"بالکل ہے۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "لیکن اتنے بڑے نقصان کے بعد وہ
فوری طور پر اچھی طرح سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم اٹھانے کی حماقت نہیں کرے گا۔
اگر اس نے ایسا کیا تو پچھتاوے کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا کیوں کہ اب
میں مکمل طور پر صحت یاب ہوں اور اس کے ہر وار کا توڑ کر سکتا ہوں۔ آپ بے
فکر رہیں۔"

ہمزاد کے اطمینان دلانے پر میں نے اپنے ذہن سے اس اندیشے کو جھٹک دیا
اور بولا۔ "تو پھر تم کمرے کی بتی بجھا دو اور جاؤ! انشاء اللہ کل ملاقات ہو گی۔"

"انشاء اللہ" ہمزاد نے کہا اور پھر میرے حکم کی تعمیل میں بتی بجھا کر میری
نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

کمرے میں اندھیرا پھیل گیا تو میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ ہی دیر میں
مجھے نیند آ گئی۔

دوسرے دن صبح میں دیر سے سو کر اٹھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر میں
نے غسل کیا اور کپڑے بدل لیے۔ فجر کی نماز میں نے قضا ادا کی۔ نماز پڑھ کر مجھے
نفیسہ کا خیال آیا۔ اس کی حالت جاننے کے لیے میں نے اپنے تصور کی قوت
آزمائی۔ بند آنکھوں سے میں نے اسے دیکھا۔ اس کی مسہری کے قریب مجھے چیچک
رو رشید نظر آیا جو ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے میں نفیسہ کی بوڑھی ماں بھی
تھی۔ رشید کی گفتگو سے پتا چلا کہ ابھی ذرا دیر پہلے ہی نفیسہ کو ڈاکٹر دیکھ کر گیا
تھا۔ وہ نفیسہ کی ماں کو دواؤں کا ایک تھیلا دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب
کہتے ہیں کہ کل تک نفیسہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"مگر بیٹے' تم کیوں اپنا نقصان کر رہے ہو؟" نفیسہ کی ماں بولی۔

"میں نے دفتر سے آج کی چھٹی بھی لے لی ہے' خاص طور پر اس لیے کہ
نفیسہ کو وقت پر دوائیں دے سکوں۔ آپ کو بس یہ خیال رکھنا ہے کہ اب
نفیسہ' شیخ کرامت سے نہ مل سکے۔ اس کی حالت کا ذمے دار وہی شخص ہے۔"

رشید نے مجھ پر الزام لگایا۔

نفیسہ اس موقع پر خاموش نہ رہ سکی۔ اس نے کہا۔ "یہ بالکل غلط بات ہے۔ میری بیماری کا شیخ صاحب سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو میرے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔"

"دیکھ لیجیے' یہ ابھی تک اسی شخص کا دم بھر رہی ہے!" رشید نے نفیسہ کی ماں کو مخاطب کیا۔

"بیٹی! جب رشید کو تمھارا شیخ کرامت سے ملنا پسند نہیں تو پھر کیوں اس سے ملتی ہو!" نفیسہ کی ماں اسے سمجھانے لگی۔

"لیکن انھیں مجھ پر حکم چلانے کا کیا حق ہے؟ میں کسی سے بھی ملوں انھیں کیا!" نفیسہ کے لہجے میں غصہ تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو نفیسہ بیٹی! تمھیں اب رشید کے ساتھ ہی تو اپنی زندگی گزارنی ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اب جلد سے جلد رشید کے ساتھ تمھاری شادی کر دوں۔"

"ہرگز نہیں!" نفیسہ نے صاف انکار کر دیا۔ "ابھی میں قطعی اس پر آمادہ نہیں ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" رشید ڈھٹائی سے بولا۔ "ایک نہ ایک دن تو تمھیں اس پر آمادہ ہونا ہی پڑے گا۔"

"اور وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔ اب تم جاؤ یہاں سے! میں ٹھیک ہوں اور خود بھی وقت پر دوا پی سکتی ہوں۔" نفیسہ نے یہ کہہ کر رشید کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"یہ تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ میرے سوا اس دنیا میں تمھیں کوئی اور قبول نہیں کر سکتا۔" رشید کا لہجہ بھی بدل گیا۔ "میری زبان نہ کھلواؤ تو اچھا ہے۔"

نفیسہ کی ماں نے بات بڑھتے دیکھ کر رشید کو سمجھا بجھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور بولی۔ "اس کی باتوں کا برا نہ مانا کرو بیٹا! یہ تو پاگل ہے۔ اسے اپنے برے بھلے کی کوئی خبر نہیں۔ تم جاؤ' میں اسے سمجھا دوں گی۔ بیماری کی وجہ سے بھی یہ کچھ

چڑچڑی ہو رہی ہے۔"

"کرو بھلائی آئے برائی۔" رشید نے منہ بنا کر کہا۔ "میں نے تو اس کی وجہ سے چھٹی لی تھی اور... خیر آپ کہتی ہیں تو میں چلا جاتا ہوں۔" وہ یہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں اور تصور کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اچانک افتاد پڑ جانے کے سبب نفیسہ میرے مشورے پر عمل نہیں کر سکی تھی۔ اسے ایاز کو اپنے ماضی سے آگاہ کرنا تھا۔ میں نے سوچا کہ کل تک تو وہ ٹھیک ہو ہی جائے گی اور دفتر جانے لگے گی۔ پھر ایاز سے بات کرنا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ مجھے وہ بتا چکی تھی کہ ایاز اب بھی اسے چاہتا ہے اسی لیے اس نے کسی سے شادی بھی نہیں کی تھی۔ اسی چاہت کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے یقین سا تھا کہ نفیسہ کے ماضی سے آگاہ ہو جانے کے باوجود ایاز کی چاہت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ وہ نہ تو گھر داماد بننے پر راضی تھا' نہ نفیسہ کے والدین کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے نفیسہ کا نوکری کرتے رہنا بھی پسند نہیں تھا۔ ہاں وہ نفیسہ کے ساتھ الگ رہ کر اس کے والدین کا خرچہ اٹھانے پر آمادہ تھا' مگر یہ صورت نفیسہ کو قبول نہیں تھی۔ اس الجھی ہوئی گتھی کو میرے لیے ہمزاد کی مدد سے سلجھانا کوئی دشوار نہیں تھا' لیکن میرے پیش نظر اس وقت گرو گوبند اور شمبھو سے نمٹنے کا معاملہ ترجیح کا حامل تھا۔

گزشتہ رات ہمزاد سے میری تفصیلی گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔ میں نے یہی سوچ کر اسے طلب کیا۔ ابھی تک میں ناشتہ بھی نہیں کر سکا تھا اس لیے ہمزاد کے آتے ہی پہلے اس سے اسی خواہش کا اظہار کیا۔ مجھے کچھ بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔

ہمزاد نے میرے خواہش کی تکمیل میں دیر نہیں لگائی۔ وہ جانے لگا تو میں نے اسے روک لیا۔ "ٹھہرو! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"پہلے آپ ناشتہ تو کر لیجیے۔" ہمزاد بولا۔ "باتیں کرنے کو تو سارا دن پڑا ہے۔"

"دونوں کام ایک ساتھ بھی تو ہو سکتے ہیں!" میں نے کہا۔ "مجھے دراصل یہ جاننے کی بے چینی لگی ہوئی ہے کہ دشمنوں کو زیر کرنے کے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟"

"خاصے سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اپنے پُراسرار اور طاقتور دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ کو مزید قوتیں حاصل کرنی پڑیں گی۔"

"اور ان مزید قوتوں کا حصول کس طرح ممکن ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک وظیفے کے ذریعے۔" ہمزاد نے بتایا۔ "اس وظیفے کی مدت انیس دن ہے۔"

"کیا تمہیں وہ وظیفہ معلوم ہے؟" میں نے ناشتہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "مجھے بس اتنا علم ہے کہ جس قلمی نسخے میں مختلف وظائف درج ہیں، اسی میں مطلوبہ وظیفہ درج ہے۔ وظیفے کی تمام شرائط بھی قلمی نسخے میں لکھی ہوئی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ شرائط بہت سخت ہوں گی، لیکن انہیں بہرحال پورا کرنا پڑے گا کیوں کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں۔"

میں سمجھ گیا کہ ہمزاد کس قلمی نسخے کا ذکر کر رہا تھا! یہ وہی قلمی نسخہ تھا جس میں ہمزاد کا عمل میں نے پڑھا تھا۔

"اس وظیفے کی تکمیل کے بعد آپ بڑی بڑی شیطانی قوت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔" ہمزاد نے مزید بتایا۔ "اس کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ یہاں سے واپس چاٹگام چلیں۔ وہیں قلمی نسخہ بھی موجود ہے۔ یوں بھی اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہم خبیث شمبھو کے تعاقب میں یہاں آئے تھے جو فرار ہو چکا ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ تم وہ قلمی نسخہ یہیں لے آؤ۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "وظیفہ یہاں بھی تو پڑھا جا سکتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، مگر یہاں کی نسبت چاٹگام میں آپ زیادہ محفوظ ہوں گے۔ یہ مکان بہرحال کرائے کا ہے۔ آپ کے تو علم میں ہے کہ وظیفے کے لیے وقت

ر جگہ کی شرط بھی ہوتی ہے۔ آپ یہ وظیفہ پورا نہ کر سکیں، گرو گوبند اس کے
ے مختلف حربے آزما سکتا ہے وہ کسی طرح بھی یہ نہیں چاہے گا کہ آپ کو مزید
تیں حاصل ہو جائیں تاکہ اس کے مقابلے پر آ سکیں۔ اندازے کے مطابق وہ پہلا
ہ یہی استعمال کرے گا کہ مالک مکان آپ سے یہ مکان خالی کرا لے۔ ظاہر ہے کہ
ظیفہ شروع کرنے کے بعد یہ آپ کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔" ہمزاد نے مجھے متوقع
طرے سے آگاہ کیا۔

"لیکن کیا تم گرو گوبند کے ان حربوں کو ناکام نہیں بنا سکتے؟" میں نے
ریافت کیا۔

"وظیفے کے دوران میں آپ کی کوئی مدد کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔"
مزاد نے وضاحت کی۔ "اگر میں نے ایسی کوئی کوشش کی تو خود میرا وجود خطرے
ں پڑ سکتا ہے۔ اس کا کیا ہولناک نتیجہ ممکن ہے، آپ بھی اس سے باخبر ہیں۔
ری زندگی کے ساتھ آپ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ انیس دن تک تم سے میرا رابطہ منقطع رہے
" میں نے فکر مند سا ہو گیا۔

"نہیں، آپ سمجھے نہیں۔" ہمزاد بولا۔ "بات صرف اتنی ہے کہ وظیفے کی
تک میں کسی قسم کی معاونت یا مداخلت نہیں کر سکوں گا۔ اس سلسلے میں ہر
حلے سے آپ کو خود ہی نمٹنا پڑے گا۔ ہاں اس وظیفے سے قطع نظر میں آپ کی ہر
ت بجا لا سکتا ہوں۔"

ہمزاد سے مزید کچھ دیر گفتگو کر کے میں اسی نتیجے پر پہنچا کہ مجھے چاٹگام واپس
ا پڑے گا۔ فی الحال اس شہر کو چھوڑ کر نہ جانے کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو مجھے
ـــہ کو اس کی منزل سے ہمکنار کرنا تھا، دوسرے ایک بے گناہ شخص کو قتل
نے سے بچانا تھا۔ ثمینہ کا نوجوان عاشق زاہد اپنی شادی شدہ محبوبہ کے شوہر شوکت
راستے سے ہٹانے والا تھا۔ یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی۔ میرا ضمیر اس بات
گوارا کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ میں ان دونوں معاملات کو ادھورا چھوڑ کر
شہر سے چلا جاؤں۔ میری نظر میں یہ خود غرضی ہوتی۔ اس سے ایک طرف تو

نفیسہ کی زندگی تباہ ہو جاتی' دوسری جانب شوکت مارا جاتا۔

اپنے ان احساسات و خیالات سے میں نے ہمزاد کو بھی بے خبر نہیں رکھا۔

"آپ کے اندر میں یہ ایک بڑی مثبت اور خوشگوار تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔" ہمزاد کے لہجے سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "پہلے آپ صرف اور صرف اپنے لیے سوچتے تھے' لیکن اب ایسا نہیں رہا۔ آپ دوسروں کے کام بھی آنے لگے ہیں' وہ بھی کسی ذاتی غرض کے بغیر! میری نظر میں یہ بڑی بات ہے۔ آپ کے خیالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب یہی بہتر ہے کہ ان دونوں معاملات کو نمٹا کر ہی چانگام واپس چلا جائے۔ اس طرح آپ مکمل ذہنی یک سوئی کے ساتھ وظیفہ شروع کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ مجھے جو بھی حکم دیں' میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔"

کچھ دیر تک میں نے دونوں معاملات پر غور کیا کہ پہلے کسے ترجیح دینی چاہیے! میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہمزاد کی مدد سے بہ یک وقت معاملات کو نمٹایا جا سکتا ہے۔ اس طرح زیادہ وقت بھی نہ لگتا۔ یہی سوچ کر میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"تم پہلا کام تو یہ کرو کہ نفیسہ کو حصار سے ٹکرانے کے سبب جو عارضہ لاحق ہو گیا ہے' اس سے اسے نجات دلا دو۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آج ہی دفتر جا کر اپنے محبوب ایاز سے ملاقات کر لے۔ تم اس کام سے نمٹ کر آؤ تو پھر میں تمہیں دوسرا کام بتاؤں گا۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ دونوں معاملات پر ایک ساتھ توجہ دی جا سکے۔"

"حصار سے ٹکرا کر نفیسہ کے جسم کو جو نقصان پہنچا تھا اور وہ جس بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے' اس کا علاج کسی ڈاکٹر یا طبیب کے بس میں نہیں۔" ہمزاد نے بتایا۔

"لیکن میں نے اپنے تصور کی قوت آزما کر تو کچھ اور ہی معلوم کیا ہے۔" میں نے یہ کہہ کر ہمزاد کو حاصل کردہ معلومات سے آگاہ کر دیا۔

"وہ ڈاکٹر جھوٹ بولتا ہے۔" ہمزاد بولا۔ "دواؤں کے ذریعے وقتی طور پر ڈاکٹر اس کے جسم کی حدت پر قابو تو پا سکتا ہے' مگر اسے ختم نہیں کر سکتا۔ جیسے ہی

بند کر دی گئی' وہ پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی علاج ہوا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے ہمزاد کے خیال سے اتفاق کیا۔ "مجھے یہ علم ں تھا' مگر تم تو اسے قطعی طور پر صحت یاب کر سکتے ہو؟"

"جی ہاں' حصار سے ٹکرانے کا اثر ختم کرنا میرے لیے ممکن ہے۔" ہمزاد ا۔ "ذرا سی دیر میں وہ بستر علالت سے اٹھ کر کھڑی ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر جاؤ اور اسے ایاز سے ملنے پر بھی مجبور کر دو!" میں نے ہمزاد کو حکم

میرے حکم کی تعمیل میں ہمزاد فوراً" روانہ ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی میں ے اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ اپنے تصور کی قوت بروئے کار لا سکوں۔ چند ہی ے گزرے ہوں گے کہ میں نے اپنے صفحہ ذہن پر نفیسہ کا حسین چہرہ ابھرتے ا۔ پھر میں نے اپنے تصور کا دائرہ وسیع کیا۔ اس وقت نفیسہ اپنے کمرے میں ی تھی۔

معاً" میں نے اسے پہلے چونکتے اور پھر بڑبڑاتے دیکھا۔ "یہ... یہ میرے ر کون... کون ہاتھ پھیر رہا ہے؟" ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر حیا سرخی پھیل گئی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ نفیسہ کے جسم پر ہاتھ رنے والا ہمزاد کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ ذرا توقف سے نفیسہ پھر ائی۔ "اب... اب تو مجھے بالکل گرمی محسوس نہیں ہو رہی۔ میرے جسم میں ی سی ٹھنڈک پھیل گئی ہے... ہاں مجھے آج ہی دفتر جا کر ایاز سے ملنا چاہیے۔ اسے سب کچھ بتادوں گی کیوں کہ پانی اب سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ میں' ید کے اس دعوے کو قطعی غلط ثابت کر دوں گی کہ اس کے سوا مجھے کوئی قبول کر سکتا۔" یہی بڑبڑاتی ہوئی وہ اٹھی اور کمرے ہی میں موجود ایک الماری کھول پڑے نکالنے لگی۔

اسی وقت نفیسہ کی ماں کمرے میں داخل ہوئی۔ نفیسہ الماری سے ڑے نکال چکی تھی۔

"میں اس لیے آئی تھی نفیسہ بیٹی کہ تمہاری دوا کا وقت ہو گیا ہے' دوا پی..."

"اب مجھے کسی دوا کی ضرورت نہیں امی!" نفیسہ نے اپنی ماں کی بات کاٹ دی۔ میں سمجھ گیا کہ نفیسہ ابھی تک میرے ہمزاد کے زیر اثر ہے۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے نفیسہ نے اپنی ماں سے یہ بھی کہا۔ "میں دفتر جا رہی ہوں امی!"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو نفیسہ بیٹی!" نفیسہ کی ماں حیرت سے بولی۔ "ڈاکٹر نے تو کہا تھا کہ تمھیں مزید ایک دن آرام کی ضرورت ہے۔ پھر یہ تم چھٹی کی درخواست..." "درخواست سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں آج ہی دفتر جا کے مزید چھٹیاں ختم کرادوں گی۔" نفیسہ بول اٹھی۔

"لیکن بیٹی' اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"ضرورت ہے امی! میں اسی لیے دفتر جا رہی ہوں!" نفیسہ نے زور دے کر کہا۔

جو والدین کسی سبب اپنی اولاد کے محتاج ہو جاتے ہیں' انھیں اولاد کی ضد کے آگے جھکنا ہی پڑتا ہے۔ یوں بھی نفیسہ میرے ہمزاد کے زیر اثر آ کر کس طرح دفتر جانے سے رک جاتی! میرا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ ہمزاد کو اس کی کوشش میں کامیاب دیکھ کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چند لمحوں بعد ہی ہمزاد واپس آ گیا۔

"آپ کے پہلے حکم کی تعمیل ہو گئی۔" ہمزاد نے بتایا۔

"ہاں میں خود بھی اپنے چشم تصور سے دیکھ چکا ہوں کہ نفیسہ دفتر جانے والی ہے۔" میں بولا۔ "اب تم ثمینہ' اس کے شوہر شوکت اور نوجوان عاشق زاہد کی خبر لو کہ یہ تینوں کہاں اور کس حال میں ہیں! اپنے رقیب شوکت کو راستے سے ہٹانے کے لیے زاہد نے ابھی کوئی قدم اٹھایا کہ نہیں؟ تمھیں تمام معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

ہمزاد نے اقرار میں سر ہلایا اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ واپسی

میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں اس کی طرف سوالیہ نظریں اٹھائیں تو وہ بتانے لگا۔ "آپ نے اگر مجھے آج ان لوگوں کی خبر لینے کے لیے نہ بھیجا ہوتا تو شوکت مارا جاتا۔ شوکت کی زندگی کا آج آخری دن ہوتا۔"

"وہ کیسے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ "زاہد خود اپنے رقیب کو قتل کرنے والا تھا یا کسی کے ذریعے اسے قتل کرا رہا تھا؟"

"زاہد نے اس سلسلے میں ایک بنگالی ہندو ساحر شیو نندن سے شوکت کے قتل کا سودا کیا تھا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "شیو نندن یہ شیطانی عمل شروع کر چکا ہے۔ آج اس عمل کی آخری رات ہے۔ بارہ بجے رات کو شیو نندن یہ عمل شروع کرے گا۔ اسی کے نتیجے میں شوکت کل صبح مردہ پایا جاتا۔ بہ ظاہر اس کی اچانک موت حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب واقع ہوتی۔ کسی کو پتا نہ چلتا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ ساحر شیو نندن نے زاہد سے اس قتل کا بھاری معاوضہ وصول کیا ہے۔ اپنے بوڑھے والدین سے زاہد نے یہ جھوٹ بولا کہ وہ ایک کاروبار شروع کرنے والا ہے جس کے لیے پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ شوکت کے قتل کا شیو نندن نے اتنا ہی معاوضہ طلب کیا تھا۔ اس جھانسے میں آ کر کہ ان کا بیٹا زاہد اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا' والدین آبائی مکان فروخت کرنے پر راضی ہو گئے مکان ساٹھ ہزار میں بکا' مگر زاہد نے اپنے والدین کو یہی بتایا کہ پچاس ہزار ملے ہیں۔ ساحر شیو نندن کو اس نے بہ طور پیشگی تیس ہزار روپے ادا کر دیے' بقیہ بیس ہزار روپے بعد میں کام ہو جانے پر ادا کرنے تھے۔ یوں قتل کا معاوضہ کر کے بھی زاہد کے پاس عیش اڑانے کی خاطر دس ہزار روپے بچ رہتے۔ زاہد کا ارادہ یہ ہے کہ ثمینہ سے شادی کر کے وہ اسے اور اس کے بچوں کو ساتھ لے کر مغربی پاکستان فرار ہو جائے گا۔ ثمینہ کو وہ اس پر راضی کر چکا ہے۔ آج رات بارہ بجے ساحر شیو نندن بوڑھی گنگا کے کنارے شیطانی عمل شروع کرے گا۔ میں وقت اور جگہ کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر چکا ہوں۔"

"اس لیے کہ تم وہ شیطانی عمل پورا نہ ہونے دو۔" ہمزاد کے خاموش ہوتے ہی میں نے قیاس آرائی کی۔

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" ہمزاد نے تصدیق کی' پھر کہا۔ "لیکن آپ کو بھی میری مدد کرنی پڑے گی۔"

"مجھے؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ شیطانی عمل بہت خطرناک ہے' کسی نہ کسی کی جان لے کر ہی رہے گا۔ ساحر شیونندن کی کوشش یہ ہوگی کہ ہر قیمت پر عمل پورا ہو۔ اگر کسی وجہ سے عمل پورا نہ ہو سکا تو خود شیو نندن زندہ نہیں بچ سکے گا۔ میں اس کے عمل میں مداخلت کروں گا تو وہ میری طرف متوجہ ہو جائے گا۔ اس طرح مجھے شیو نندن کے کھینچے ہوئے حصار میں داخل ہونے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس کی ایک ہی تدبیر ہے کہ شیو نندن میرے بجائے آپ کی طرف متوجہ ہو جائے۔" ہمزاد یہ کہہ کر مجھے اپنے منصوبے سے آگاہ کرنے لگا۔ اس منصوبے میں میری موجودگی بھی ضروری اور اہم تھی۔

میں نے ہمزاد کی باتیں پوری توجہ اور انہماک سے سنیں مجھے اس پر مسرت محسوس ہو رہی تھی کہ میں آج رات ایک بے گناہ شخص کی زندگی بچانے والا تھا۔

اب دوپہر ہونے والی تھی۔ میں نے اسی لیے ہمزاد سے کھانا منگوا کر اسے رخصت کی اجازت دے دی۔

کھانا کھا کر لیٹے ہوئے ابھی مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ نیچے مکان کے صدر دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس وقت کون آ سکتا ہے؟ میں یہ سوچتے ہوئے بستر سے اٹھا۔ نیچے جانے سے پہلے میں نے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو حیرت ہوئی۔ دروازے پر دستک دینے والی نفیسہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایک اجنبی نوجوان بھی نظر آیا۔ نفیسہ کی آمد میرے لیے غیر متوقع ہی تھی۔ بہرحال مجھے دروازہ کھولنے کے لیے نیچے جانا ہی پڑا۔

"نیچے پہنچ کر میں نے دروازہ کھولا اور خوش اخلاقی کے ساتھ نفیسہ کو مخاطب کیا۔ "آؤ نفیسہ' اندر آ جاؤ۔"

"یہ ایاز ہیں جن کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔" نفیسہ نے اپنے ساتھی نوجوان سے میرا تعارف کرایا۔ "اور ایاز' یہ..."

"مجھے شیخ کرامت کہتے ہیں۔" میں نے خود ہی اپنا تعارف کرا دیا۔

خوش لباس نوجوان ایاز نے میری طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پھر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ "شیخ صاحب! آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"میں بھی خوش ہوا' مگر آپ دونوں اندر تو آئیں نا!" میں نے کہا۔

"شکریہ!" ایاز یہ کہہ کر نفیسہ کے ساتھ اندر آ گیا۔

میں ان دونوں کو ساتھ لیے نشست گاہ میں آیا اور انھیں صوفوں پر بٹھا دیا۔ میں ان کے مقابل والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"شیخ صاحب! نفیسہ نے مجھے آپ کے متعلق جو کچھ بتایا' اسے سن کر حیرت ہوئی۔ اسی سبب آپ سے ملاقات کا اشتیاق مجھے کشاں کشاں یہاں لے آیا ہماری مشرقی روایات میں کسی عورت اور مرد کے درمیان بے غرض دوستی کی کوئی روایت نہیں' لیکن آپ کے بارے میں مجھے نفیسہ سے یہی معلوم ہوا۔" ایاز نے گفتگو شروع کی۔ "نفیسہ نے مجھے بتایا کہ آپ کا ان سے محض دوستی کا رشتہ ہے۔ مزید یہ کہ آپ ہی کے مشورے پر نفیسہ نے پہلی مرتبہ مجھ سے کھل کر بات کی ہے۔ یہ جان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ رشید کے ساتھ نفیسہ کی شادی کے خلاف ہیں۔ آپ اسے بے جوڑ شادی سمجھتے ہیں۔ وہ وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ جس کی بنا پر نفیسہ کے والدین ان کی شادی مجبوراً رشید سے کرنے والے ہیں۔ شیخ صاحب! آپ ہی کی طرح اس تلخ واقعے کا ذمے دار میں بھی نفیسہ کو نہیں سمجھتا۔ نفیسہ میری نظر میں قطعی بے قصور و بے گناہ ہیں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود میں اس لیے نفیسہ کو اپنانے پر آمادہ ہوں۔" ایاز یہ کہہ کر چند لمحے کو رکا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

"معاف کیجیے گا' میں ابھی آیا۔" میں یہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کسی زحمت کی ضرورت نہیں شیخ صاحب!" ایاز بول اٹھا۔ "مجھے معلوم ہے کہ آپ تنہا رہتے ہیں' کوئی تکلف نہ کیجیے گا۔"

"اگر آپ چائے ہی پلانا چاہتے ہیں تو پھر ہم اس شرط پر چائے پئیں گے کہ

میں چائے بناؤں گی۔" نفیسہ بھی خاموش نہ رہی۔

"منظور ہے' چائے تمھی بنانا!" میں مسکرایا۔ "کچھ پھل وغیرہ تو لے آؤں میں۔ ایاز صاحب پہلی دفعہ میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔" میں یہ کہتا ہوا تیز قدمی کے ساتھ نشست گاہ سے نکل آیا۔ دراصل میں اس معاملے کو اسی وقت نمٹا دینا چاہتا تھا۔ اس کے لیے ہمزاد کو طلب کرنا ضروری تھا۔ پھل لے کر آنا تو محض ایک بہانہ تھا۔ اوپری منزل پر پہنچتے ہی باورچی خانے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے ہمزاد کو طلب کر لیا۔ میں نے جلدی جلدی اسے بتا دیا کہ کب اور کیا کرنا ہے! چشم زدن میں ہمزاد نے مجھے ڈھیروں ڈھیر پھل لا کر دے دیے۔ میں نے پھلوں کو کئی پلیٹوں میں رکھا' پھر ان پلیٹوں کو ایک بڑی ٹرے میں سجا کر باورچی خانے سے نکلا۔ پھل اتنے تھے کہ مجھے خاصے پھل باورچی خانے میں چھوڑنے پڑے۔ ٹرے اٹھائے ہوئے میں نیچے جانے والے زینے تک پہنچا ہی تھا کہ نفیسہ اوپر آتی دکھائی دی۔

میں اسے آتے دیکھ کر رک گیا۔ اوپر آتے ہی نفیسہ کہنے لگی۔ "ایاز سے میں نے چائے بنا کر لانے کو کہا ہے' مگر اس بہانے دراصل مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔"

"ہاں بولو' کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"باقی تمام باتیں تو ایاز نے مان لی ہیں جن کی مجھے توقع بھی نہیں تھی' لیکن اصل مسئلہ وہیں کا وہیں ہے۔" نفیسہ دھیمی اور اداس آواز میں بولی۔ "وہ میرے بوڑھے والدین کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں اور نہ انھیں یہ منظور ہے کہ میں نوکری کرتی رہوں۔ میں اسی لیے ایاز کو اپنے ساتھ لے کر آپ کے پاس آئی تھی کہ..."

"مجھے ایک سوال کا جواب دو نفیسہ' کیا تمھیں مجھ پر بھروسا ہے؟"

"آپ پر بھروسا نہ ہوتا تو ایاز کو یہاں لے کر کیوں آتی!"

"تو پھر فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو! انشاء اللہ تم دونوں ہی کو میرے فیصلے سے مایوسی نہیں ہوگی۔" میں پر یقین آواز میں بولا۔

میری بات سن کر نفیسہ کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا اور اس نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ جو فیصلہ بھی کریں گے' مجھے منظور ہوگا۔"

"مجھے تم سے یہی توقع تھی۔" میں یہ کہہ کر مڑا۔ "وہ رہا ادھر باورچی خانہ' تم چائے بنا کر لے آؤ۔ میں نیچے چلتا ہوں۔" ہمزاد وہیں موجود تھا۔ نفیسہ کے آگے بڑھتے ہی میں نے اسے اشارہ کر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر باورچی خانے میں چائے بنانے کے لیے دودھ وغیرہ نہ ہو تو وہ فراہم کر دے۔

میں نیچے نشست گاہ میں پہنچا تو ایاز مجھے دیکھتے ہی بولا۔ "ارے شیخ صاحب! یہ آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا!"

"مرد اور عورت میں دوستی کا چلن نہ سہی' مگر مہمان نوازی تو ہماری مشرقی روایات میں شامل ہے۔" میں دھیرے سے ہنس دیا اور پھلوں کی ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ کر صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"نفیسہ نے آپ کے متعلق جو کہا تھا' وہ سچ ثابت ہو رہا ہے۔ آپ واقعی پر خلوص اور بے غرض ہیں۔" ایاز نے کہا۔ "آپ کے اسی خلوص سے متاثر ہو کر میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے بہتر مشورہ دے سکتے ہیں۔ ایسے میں موقع بھی ہے' نفیسہ اوپر چائے بنانے گئی ہے۔"

"ہاں ہاں بلا جھجک جو کہنا ہے' کہہ دیں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ "ویسے مجھے اندازہ ہے کہ آپ کس مسئلے سے دوچار ہیں۔"

"آپ کو تو خبر ہوگی شیخ صاحب کہ ہمارے دفتروں کا ماحول کیسا ہے! ابھی ہم نے دل سے عورت کے حقوق کو تسلیم نہیں کیا۔ جو عورتیں مجبوراً" دفاتر میں کام کرتی ہیں' ان کے ساتھ مردوں کا رویہ عموماً" مناسب نہیں ہوتا۔ بعض افسران تو ایسی لڑکیوں کو مال غنیمت سمجھنے لگتے ہیں۔ ان حالات میں میری یہ خواہش ہے کہ مجھ سے شادی کے بعد نفیسہ نوکری چھوڑ دیں' لیکن وہ اس پر آمادہ نہیں ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"ایاز صاحب! پہلی بات تو میں آپ کو یہ بتا دوں کہ آپ کی اعلیٰ ظرفی اور معاملہ فہمی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ یقیناً" یہ آپ کی عظمت اور نفیسہ سے سچی

محبت کی دلیل ہے کہ نفیسہ کے ماضی سے پردہ اٹھنے کے باوجود اب بھی آپ اسے
اپنانے پر آمادہ ہیں۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "اصل مسئلہ نفیسہ کا نوکری کرنا یا
چھوڑنا ہرگز نہیں ہے۔ ہرچند کہ اس وقت نفیسہ یہاں موجود نہیں' پھر بھی میں
آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں' میرے کہنے پر وہ نوکری چھوڑ دے گی اور..."

"بس میں یہی چاہتا ہوں۔" ایاز بول اٹھا۔

"پہلے آپ میری پوری بات سن لیجیے ایاز صاحب!" میں نے کہا۔

"جی فرمایئے شیخ صاحب!"

"جہاں تک مجھے خبر ہے ایاز صاحب' آپ اس دنیا میں اکیلے ہیں۔ آپ
کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں کیا آپ نفیسہ کے والدین کو اپنا
نہیں سمجھ سکتے؟ اس میں آخر قباحت کیا ہے؟"

"کیوں نہیں! میں نے یہی سمجھ کر تو آج اور پہلے بھی نفیسہ سے یہ کہا تھا
کہ ان کے تمام اخراجات اٹھانے پر آمادہ ہوں۔ اللہ کا شکر ہے' مجھے اتنی تنخواہ مل
جاتی ہے کہ اپنی اور نفیسہ کی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ میں ان کے
والدین..."

"ایک منٹ۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر ایاز کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔
"یہ بتایئے کہ عزت نفس کو بھی آپ کوئی اہمیت دیتے ہیں؟"

"میں آپ کے اس سوال کا مطلب سمجھا نہیں شیخ صاحب!"

"صرف پیسہ ہی سب کچھ نہیں' یہ آپ بھی جانتے ہیں۔" میں نرمی سے
بولا۔ "اصل چیز خلوص و محبت اور کسی کو واقعی اپنا سمجھنا ہے۔ اگر آپ کے والدین
حیات ہوتے تو یقیناً" آپ انھیں اپنے ساتھ ہی رکھتے' الگ نہیں۔ انھیں آپ
الگ رکھ کر ان کے اخراجات نہ اٹھاتے۔ تو پھر آپ نفیسہ کے والدین سے ایسا
سلوک..."

"دراصل میں گھر داماد بننا نہیں چاہتا۔" ایاز جھجکتے ہوئے بولا۔ اس نے
میری بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

"تو پھر اس کی ایک اور دوسری صورت بھی ہے۔" میں نے یہ کہتے ہی

وہاں موجود ہمزاد کو اشارہ کیا تاکہ وہ ایاز کو اپنے اثر میں لے لے۔ ہمزاد نے دیر
نہیں کی۔

"جی فرمایئے شیخ صاحب! اگر کوئی دوسری صورت ممکن ہے تو میں اسے
قبول کروں گا۔" ایاز سراپا تسلیم و رضا نظر آنے لگا۔

"اسی وقت نشست گاہ کے باہر قدموں کی چاپ ابھری اور میں نے کہا۔
"غالباً" نفیسہ چائے بنا کر لے آئی ہے۔ اچھا ہے کہ بقیہ گفتگو اسی کے سامنے ہو
جائے۔"

"جیسا آپ مناسب خیال فرمائیں شیخ صاحب! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"ذرا ہی دیر میں نفیسہ چائے کی ٹرے اٹھائے نشست گاہ میں آ گئی۔
میرے اصرار پر نفیسہ اور ایاز نے کچھ پھل کھائے' پھر چائے پینے لگے۔"

"سنو!" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر نفیسہ کو مخاطب کیا۔ "اگر میں تم
سے یہ کہوں کہ نوکری چھوڑ دو تو؟"

"میں چھوڑ دوں گی شیخ صاحب!" نفیسہ نے بلا جھجک جواب دیا۔

"آپ نے سن لیا ایاز صاحب کہ نفیسہ نوکری چھوڑنے پر تیار ہے؟"

"جی... جی ہاں شیخ صاحب! اب آپ مجھ سے جو کہیں گے' میں بھی اسے
ماننے سے انکار نہیں کروں گا۔" ایاز کسی سحرزدہ شخص کی طرح بولا۔

نفیسہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
میں نے ایاز سے کہا۔ "آپ کو گھر داماد بننے پر اعتراض تھا نا! تو اس کی دوسری
صورت یہ ہے کہ آپ نفیسہ سے شادی کر کے اس کے والدین کو اپنے گھر لے
جائیں۔ یہ تو ٹھیک ہے نا! اس طرح آپ کی ایک محرومی کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔
ظاہر ہے کہ نفیسہ کے والدین کی حیثیت بھی آپ کے لیے اپنے ہی والدین جیسی
ہوگی۔"

"آپ بالکل بجا فرما رہے ہیں شیخ صاحب! ایاز نے ہمزاد کے زیر اثر فوراً"
میری بات مان لی۔ "تعجب ہے کہ اب تک اتنی سی بات میری سمجھ میں نہیں آئی
تھی۔ میں تہ دل سے آپ کا ممنون ہوں کہ مجھے ایسا مشورہ دیا۔ نفیسہ کے والدین

کو میں اپنے ساتھ رکھنے پر راضی ہوں۔"

ایاز کے قریب ہی نفیسہ بھی میرے سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔ یہ سن کر اس کا چہرہ گل و گلزار ہو گیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ اتنی جلدی بات بن جائے گی۔

"شیخ صاحب! آپ سے ایک درخواست اور کرنی ہے۔" ایاز نے میری طرف نگاہ اٹھائی۔ "جہاں آپ نے اتنا بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے' ایک مہربانی اور کر دیں۔"

"ہاں ہاں بولیں' میں جس قابل بھی ہوں انشاء اللہ آپ کی خدمت سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" میں نے یقین دہانی کرائی۔

"آپ کو تو معلوم ہے کہ اس بھری دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ یہ کچھ مناسب نہیں ہوگا کہ میں خود نفیسہ کے والدین سے اس سلسلے میں بات کروں۔ میری خواہش ہے کہ آپ..."

"میں آپ کی بات کا مطلب سمجھ گیا۔" میں بول اٹھا۔ "میں یہ ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آج ہی بات پکی ہو جائے۔"

"آپ کی بڑی عنایت شیخ صاحب!" ایاز نے اظہار ممنونیت کیا' پھر اس کے دل میں جو اندیشہ تھا' وہ بھی نہیں چھپایا۔

"اس کی فکر نہ کریں۔ میں جانتا ہوں کہ نفیسہ کے خاندان والے اپنی برادری سے باہر رشتے نہیں کرتے' لیکن موجودہ حالات میں یہ ضروری نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترجیح اپنے عزیز و اقارب ہی کو دینی چاہیے' مگر جب اپنوں میں مناسب رشتہ نہ مل سکے تو برادری کے باہر بھی رشتہ کرنا کوئی برائی نہیں۔ ہر چند کہ اب تک میں کبھی نفیسہ کے گھر میں نہیں گیا' لیکن اس کار خیر کے لیے ضرور جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

اس وقت تک ہم چائے پی چکے تھے۔ میرے منع کرنے کے باوجود نفیسہ چائے کی خالی پیالیاں ٹرے میں رکھ کر ساتھ چلنے لگی۔ میرے ہاتھ میں پھلوں کی

ے تھی۔

جب نفیسہ کے ساتھ ہی میں اوپری منزل پر پہنچا اور ٹرے رکھ کر رچی خانے سے نکلا تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہنے لگی۔ "آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ... کہ جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔" اس کی ین آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا نفیسہ!" میں بولا۔ "یہ تو میرا فرض جو میں نے ادا کیا ہے۔"

"اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔" وہ یہ کہہ کر اپنی آنکھوں میں آئے ے آنسو دوپٹے کے آنچل سے پونچھنے لگی۔

میں اس کے ساتھ واپس نشست گاہ میں آیا اور ایاز سے ساتھ چلنے کو کہا' نفیسہ کو مخاطب کیا۔ "تم پہلے چلی جاؤ اور اپنے والدین کو ہماری آمد سے آگاہ رو۔"

"جی بہتر ہے۔" نفیسہ اٹھ کر چلی گئی۔

ہمزاد کو ابھی میں نے رخصت کی اجازت نہیں دی تھی کیوں کہ اس کی ورت پڑ سکتی تھی۔ وہ میرے ساتھ ہی تھا۔ ایاز کو ساتھ لیے ہوئے میں اپنے گھر نکلا اور دروازہ بند کر دیا۔ سامنے والا دو منزلہ مکان نفیسہ کا تھا۔ گلی عبور کر کے اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔

معاً" مجھے ایک بات کا خیال آیا اور ایاز سے بولا۔ "میں ابھی آیا۔"

"کیا ہوا شیخ صاحب! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" ایاز نے حیرت سے پوچھا۔

"گھر میں ایک چیز بھول آیا ہوں' وہ لانی ہے۔ آپ تھوڑی دیر یہیں رے رہیں۔ مجھے واپسی میں دیر نہیں ہوگی۔" میں یہ کہتے ہی واپسی کے لیے مڑ ۔

اپنے گھر کا دروازہ کھولتے ہی میں نے اندر قدم رکھا اور ہمزاد سے اپنی ش کا اظہار کر دیا۔

"آپ تو ایاز کے بزرگ ہونے کا پورا پورا حق ادا کر رہے ہیں۔" میرا

ہمزاد دھیرے سے ہنسا اور پھر غائب ہو گیا۔ چند لمحوں میں وہ لوٹ آیا اور چھوٹی سی
ایک سرخ مخملی ڈبیا میری طرف بڑھا دی۔ "یہ لیجیے۔" میں نے اس سے ڈبیا لے لی
اور اسے کھول کر دیکھا۔

ڈبیا میں سونے کی ایک قیمتی انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی میں ہیرے کا نگ جگمگا رہا
تھا۔ میں نے انگوٹھی دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار کیا اور پھر اسے بند کر کے جیب میں
رکھ لیا۔ پھر گھر سے نکل کے دروازہ بند کرنے اور دوبارہ ایاز تک پہنچنے میں مجھے دیر
نہ لگی۔ وہ حیران پریشان سا کھڑا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ دروازہ ایک باریش
بوڑھے نے کھولا۔ اس کے چہرے پر مجھے فکر مندی کے آثار نظر آئے۔

"تشریف لائیے جناب!" بوڑھے نے ہمیں اندر آنے کی دعوت دی اور
ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ باریش بوڑھا مجھے نفیسہ کا باپ ہی لگا۔

ہم نچلی منزل ہی پر بوڑھے کے ساتھ ایک کمرے میں آ بیٹھے۔ کمرے میں
چند کرسیاں خراب و خستہ حالت میں پڑی تھیں۔ ہم انھی پر بیٹھ گئے۔

"میرا نام شیخ کرامت ہے جناب!" میں نے بوڑھے سے پہلے اپنا تعارف
کرایا۔ "میں آپ کے سامنے والے مکان ہی میں رہتا ہوں۔ یہ ایاز صاحب ہیں جو
آپ کی صاحبزادی نفیسہ کے دفتر میں افسر ہیں۔ ہماری [illegible] کے بارے میں یقیناً
نفیسہ نے آپ کو بتا دیا ہوگا۔ آپ نفیسہ کے والد ہی ہیں نا!"

"جی ہاں، نفیسہ میری ہی بیٹی ہے۔" بوڑھے نے تصدیق کر دی۔ "میرا
نام خیر الدین ہے۔ فرمائیے آپ حضرات نے کیسے زحمت کی؟"

کسی تمہید کے بغیر میں نے فوراً کہہ دیا۔ "ہم دراصل نفیسہ کے رشتے کی
غرض سے حاضرِ خدمت ہوئے ہیں۔"

"مگر جناب، میں تو اس کا رشتہ طے کر چکا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے، مگر شاید رشتہ کرتے وقت آپ نے یہ نہیں سوچا کہ
رشید کے ساتھ نفیسہ خوش نہیں رہ سکے گی۔ معاف کیجیے گا محترم، یہ رشتہ قطعی
بے جوڑ ہے۔ کہاں آپ کی صاحبزادی اور کہاں وہ چیچک رو شخص رشید! میں نے

کتے ہی ہمزاد کو اشارہ کیا۔

"یہ... یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں شیخ صاحب!" خیر الدین کی آواز ہمزاد
کے زیرِ اثر خواب ناک سی ہو گئی۔ "مگر کوئی اور مناسب رشتہ بھی تو نہیں ملا۔"

"اب تو کوئی ایسی بات نہیں۔ ایاز صاحب آپ کے سامنے ہیں۔ ان کا بھی
دنیا میں کوئی نہیں۔ مجھی کو آپ ان کا بزرگ تصور کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ
آپ اپنی بیگم صاحبہ کو بھی یہیں بلوا لیں تاکہ وہ بھی ایاز صاحب کو دیکھ لیں۔" میں
نے مشورہ دیا۔

"آپ نے یہ بالکل ٹھیک کہا شیخ صاحب! میں انھیں بلا کر لاتا ہوں۔ جہاں
تک میری مرضی اور پسند کا تعلق ہے، مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ رشید سے صرف
زبانی بات ہوئی تھی جو ختم بھی کی جا سکتی ہے۔ کوئی لین دین نہیں ہوا تھا۔" خیر
الدین نے بتایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت بہت شکریہ خیر الدین صاحب!" میں نے کہا۔

"شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیے کہ اتنا اچھا رشتہ لے کر آئے۔" خیر
الدین چلتے چلتے کہنے لگا۔

کچھ ہی دیر میں نفیسہ کی ماں بھی وہاں آ گئی اور ہمزاد نے اسے بھی اپنے
اثر میں لے لیا۔ ظاہر ہے کہ پھر وہی نتیجہ نکلا جس کی توقع تھی۔ نفیسہ کی ماں نے
بھی ایاز کو پسند کر لیا اور مجھ سے بولی۔ "مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن
... ہم غریب لوگ ہیں، جہیز وغیرہ..."

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں جلدی سے بولا۔ "ایاز صاحب کو
نفیسہ کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔ اللہ کا دیا ان کے پاس بہت کچھ ہے۔ ان کی
طرف سے میں آپ دونوں کی خدمت میں ایک درخواست اور کرنا چاہتا ہوں۔
بچپن سے اب تک یہ ایک بڑی محرومی کا شکار رہے ہیں اور آپ دونوں اس محرومی
کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ نفیسہ کو اپنانے کے بعد ان کی یہ دلی تمنا ہے کہ آپ دونوں
انھی کے ساتھ رہیں۔"

"یہ تو ان کی سعادت مندی ہے۔" خیر الدین نے کہا۔ "انشاء اللہ ہم

انھیں ان کے والدین کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیں گے۔ کیوں نفیسہ کی ماں؟"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" نفیسہ کی ماں نے اپنے شوہر سے اتفاق کیا اور پھر ایک تجویز پیش کی۔ "جب ہمیں ایاز میاں کے ساتھ ہی رہنا ہے تو پھر اس مکان کی کیا ضرورت ہے! ہم یہ مکان اپنی خوشی سے آیاز میاں کے نام..."

"جی نہیں۔" آیاز پہلی مرتبہ بولا۔ "میری نظر میں یہ بھی ایک طرح کا جہیز ہے جسے قبول کرنے سے میں پہلے ہی انکار کر چکا ہوں۔"

اسی وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے فوری طور پر اس کا اظہار کر دیا۔ "اگر آپ لوگ اس مکان کو کرائے پر اٹھا دیں تو کیا برا ہے! اس طرح آپ دونوں کو اپنے اخراجات اٹھانے کے لیے آیاز صاحب کا مرہون منت بھی نہیں ہونا پڑے گا۔ یہ میں اس لیے بھی عرض کر رہا ہوں کہ شادی کے بعد آیاز صاحب یہ نہیں چاہتے کہ آپ کی صاحبزادی بہ دستور نوکری کرتی رہے۔ ظاہر ہے کہ نفیسہ کے نوکری چھوڑنے پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"شادی کے بعد بیٹی پرائی ہو جاتی ہے۔ اسے وہی کرنا چاہیے جو اس کا شوہر کہے۔ اگر آیاز میاں اپنی بیوی سے نوکری نہیں کرانا چاہتے تو ہمیں اس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے! یہ ان دونوں میاں بیوی کا معاملہ ہوگا جس میں ہماری مداخلت کسی طور پر مناسب نہیں۔" خیر الدین نے کہا اور پھر میری اس تجویز کو بھی سراہا کہ مکان کرائے پر اٹھا دیا جائے۔ اس طرح انھیں اپنے داماد کا محتاج نہ رہنا پڑتا اور ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہوتی۔

"محترم! اب آپ نفیسہ کو بھی بلوا لیجیے تاکہ میں ایک ضروری رسم ادا کر دوں۔" میں نے خیر الدین کو مخاطب کیا، پھر اپنی جیب سے ڈبیا نکال لی۔

خیر الدین یقیناً سمجھ گیا کہ میرا ارادہ کیا ہے! اس نے اپنی بیوی کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ غالباً وہ دونوں بھی آیاز کے ہاتھ پر کچھ رکھ کے رشتہ پکا کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں کے جاتے ہی آیاز بول اٹھا۔ "شیخ صاحب! یہ کیسا ہے؟" اس کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

"یہ انگوٹھی ہے جو میں آپ کا بزرگ ہونے کی حیثیت سے نفیسہ کو پہنانا چاہتا ہوں۔" میں نے یہ کہہ کر ڈبیا ایاز کو دے دی۔

"آیاز نے ڈبیا کھول کر ہیرے جڑی انگوٹھی دیکھی تو مزید حیران رہ گیا اور بولا۔ "لیکن یہ... یہ تو بہت قیمتی معلوم ہوتی ہے! آپ... آپ نے یہ زحمت..."

"اسے زحمت نہیں، اللہ کی رحمت کہتے ہیں۔" میں مسکرایا۔ "نفیسہ کا دوست ہونے کے ناتے کیا میں اسے آپ کی طرف سے یہ حقیر سا تحفہ بھی نہیں دے سکتا!"

"جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں شیخ صاحب، مجھے اس پر کسی خواب کا سا گمان ہو رہا ہے۔ اس خود غرض دنیا میں آپ جیسے لوگ بھی موجود ہیں، یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہو رہی ہے۔ نفیسہ نے آپ کے بارے میں مجھ سے جو کچھ کہا تھا، آپ اس کے کہیں زیادہ عظیم اور بلند ثابت ہوئے ہیں۔" آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے آیاز کی آواز بھرا گئی۔

"آیاز صاحب! عظیم اور بلند ذات صرف خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے۔ میں تو اس کا صرف ایک عاجز بندہ ہوں۔"

"یہ بھی آپ کی بڑائی ہے شیخ صاحب کہ ایسا سمجھتے ہیں۔" آیاز نے یہ کہہ کر ڈبیا میری طرف بڑھا دی۔

ذرا ہی دیر میں خیر الدین اور اس کی بیوی، نفیسہ کو اپنے ساتھ لیے پیچھے آ گئے۔ نفیسہ کے چہرے پر حیاء کی سرخی دوڑ رہی تھی جس نے اس کے خداداد حسن میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔ وہ شرمائی لجائی سی میرے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھی۔ میں نے ڈبیا کھول کر اس میں سے انگوٹھی نکالی اور نفیسہ کو مخاطب کیا۔ "ذرا اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھاؤ!" نفیسہ نے نظر جھکائے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس کا نرم و نازک ہاتھ تھام کر میں نے ایک انگلی میں انگوٹھی پہنا دی اور خیر الدین کی طرف دیکھ کر کہا۔ "رشتہ مبارک ہو محترم!" خیر الدین حیرت سے اس قیمتی انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا جو میں نے نفیسہ کو پہنائی تھی۔ یہی حال اس کی بیوی کا تھا۔

"آپ کو... بھی... شیخ صاحب، مبارک ہو۔" خیر الدین چونک کر بولا۔

"پھر رسم کے طور پر خیر الدین کی بیوی نے ایک رومال اور ایک سو ایک روپے ایاز کے ہاتھ پر رکھ دیے۔"

"محترم! میری گزارش ہے کہ یہ شادی جتنی جلد ہو جائے بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بھی شرکت کر سکوں۔ دراصل مجھے جلد از جلد چاٹگام واپس جانا ہے۔"

میری زبان سے یہ سنتے ہی نفیسہ تیزی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اسے کمرے سے نکلنے میں دیر نہیں لگی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر مجبوری ہے شیخ صاحب!" خیر الدین نے کہا' پھر معنی خیز نظریں اپنی بیوی کی طرف اٹھائیں۔ "میں سمجھتا ہوں کہ اگر شیخ صاحب شادی میں شریک نہ ہوئے تو ہماری خوشی ادھوری رہ جائے گی۔ ہمیں ان کی خواہش کا احترام کرنا پڑے گا اور شادی کی تاریخ بھی آج ہی..."

"میں آتی ہوں ابھی!" خیر الدّین کی بیوی اپنے شوہر کی بات کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بول اٹھی۔ پھر وہ کمرے سے نکل گئی۔ پھر اسے واپسی میں زیادہ دیر نہ ہوئی۔ اس نے آتے ہی کہا۔ "تین دن بعد کوئی بھی تاریخ رکھ لیں۔"

چوتھے ہی دن اتوار تھا۔ اس زمانے میں بھی اتوار ہی کو چھٹی ہوتی تھی۔ اسی خیال سے میرے مشورے پر شادی کے لیے اتوار کا دن طے کر دیا گیا۔ پھر خیر الدّین نے ہمارا منہ میٹھا کرائے بغیر نہ اٹھنے دیا۔ پڑوس کے ایک لڑکے کو بھیج کر اس نے مٹھائی منگوائی تھی۔

اس موقع پر میں نے ایک بات محسوس کی کہ خیر الدّین اور اس کی بیوی خوش ہونے کے ساتھ ساتھ کسی قدر فکر مند بھی ہیں۔ میں اس کی وجہ سمجھ گیا۔

"محترم! میں ایک بات کی اور وضاحت کر دینا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے ذہن میں اگر کسی طرح کا اندیشہ ہے تو اسے جھٹک دیں۔" میں نے کہا۔ "یقیناً آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ اَیّاز صاحب اور نفیسہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ نفیسہ نے اسی سبب اپنے ماضی کے بارے میں اَیّاز صاحب سے کچھ نہیں چھپایا۔ اَیّاز صاحب اس کے باوجود نفیسہ کو اپنی شریک حیات بنانے پر راضی ہیں۔

ان کی نظر میں جو تلخ واقعہ پیش آیا' اس میں نفیسہ کا کوئی قصور نہیں۔ نفیسہ کو یہ اسی لیے قطعی بے گناہ سمجھتے ہیں۔"

"شیخ صاحب! آپ نے یہ وضاحت کر کے میرے سینے کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اَیّاز میاں کی یہ بڑائی ہے کہ... کہ وہ..." خیر الدین کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی۔ اور وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا۔ اس کی بیوی کی آنکھوں میں بھی آنسو تیر رہے تھے' خوشی کے آنسو!

"اچھا محترم' اب ہمیں اجازت دیجئے!" میں یہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

اَیّاز نے بھی میری تقلید کی۔ خیر الدّین ہمیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔

میں نے اَیّاز کی طرف نظر اٹھائی تو یوں لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ یہی سوچ کر میں اسے اپنے ساتھ نشست گاہ میں لے آیا اور میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔

"جہاں تک میرے علم میں ہے شیخ صاحب' رشید کوئی شریف آدمی نہیں ہے۔ جب اسے اس رشتے کا پتا چلے گا تو وہ یقیناً خاموش نہیں بیٹھے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کمینگی پر نہ اتر آئے! آپ نے اسے سلسلے میں بھی کچھ سوچا ہے؟" اَیّاز نے اپنا حال دل مجھ سے کہہ دیا۔

"رشید کو آپ سے زیادہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں' میں اسے کوئی غلط قدم نہیں اٹھانے دوں گا!" میں نے ایاز کو تسلی دی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" اَیّاز نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ "مجھے امید نہیں تھی شیخ صاحب کہ تمام معاملات اس خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں گے۔ جب آج نفیسہ مجھ سے دفتر میں آکر ملی تھیں تو مجھے گمان بھی نہ تھا کہ میری منزل اتنی قریب آچکی ہے۔ نفیسہ تو دفتر سے چھٹی پر تھیں' آپ سے ملاقات کی خاطر میں نے بھی چھٹی لے لی۔ بہرحال میری اس کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ اب آپ نے رشید کی طرف سے بھی مجھے مطمئن کر دیا ہے اس لیے کوئی خدشہ نہیں رہا۔"

"رشید کو جب اس رشتے کا علم ہو گا تو وہ سب سے پہلے آپ ہی کو نفیسہ کی طرف سے ورغلانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے پاس ایک ہی ترپ کا پتا ہے کہ

وہ آپ کو نفیسہ کے ماضی سے آگاہ کر دے۔ ہم اس کا تدارک پہلے ہی کر چکے ہیں۔ میں نے اسی لیے نفیسہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ آپ کو خود ہی سب کچھ بتا دے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں آپ رشید کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔ ممکن ہے کہ آپ کی طرف سے مایوس ہو کر وہ کمینہ کوئی اور قدم اٹھائے' لیکن میں بے خبر نہیں رہوں گا۔ اس کی کوئی چال میں کارگر نہیں ہونے دوں گا۔"

میری دوبارہ یقین دہانی پر ایاز پوری طرح مطمئن ہو کر گیا۔ اگر ایاز مجھ سے اپنے خدشے کا اظہار نہ بھی کرتا تو میں' رشید کی طرف سے غافل نہ رہتا۔ رشید تو خود مجھ پر علاقے کے دو غنڈوں سے حملہ کرا چکا تھا۔ یہ الگ بات کہ وہ ناکام رہا۔ پھر بھلا میں اسے کس طرح نظر انداز کر دیتا!

یہ بھی اسی روز کا ذکر ہے کہ جب میں مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو نیچے دروازے پر دستک سنائی دی۔ میں نے اوپر ہی کھڑکی میں سے دیکھ لیا کہ دستک کس نے دی ہے! وہ نفیسہ تھی۔ میں سمجھا کہ اس کے والدین کو شادی پر راضی کرنے کے لیے وہ میرا شکریہ ادا کرنے آئی ہو گی۔ نیچے جا کر میں نے جیسے ہی دروازہ کھولا' نفیسہ کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرا قیاس غلط ثابت ہوا میں یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ وہ انتہائی بدحواس اور گھبرائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"آؤ' اندر آ جاؤ نفیسہ!" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"جج... جی۔" وہ ہکلائی اور پھر اندر قدم رکھا۔

میرے ساتھ ہی وہ اوپر کمرے میں چلی آئی تو میں بولا۔ "بیٹھ جاؤ! اور یہ بتاؤ کہ تم اس قدر گھبرائی ہوئی..."

"وہ... وہ آیا تھا' رشید!" نفیسہ میرا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بول اٹھی۔

"تو اس میں اتنے گھبرانے کی کیا بات ہے؟" میرا لہجہ تسلی دینے والا تھا۔ "خود کو سنبھالو اور سکون کے ساتھ بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟"

"ابا جی نے اسے حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا' اسی پر وہ سخت برہم ہو گیا اور کہنے لگا کہ کسی قیمت پر ایاز سے میری شادی نہیں ہونے دے گا۔" نفیسہ بتانے

لگی۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ مجھ پر صرف اس کا حق ہے۔ اس نے جب یہ دھمکی دی کہ وہ ایاز کو میرے داغدار ماضی کے متعلق سب کچھ بتا دے گا تو ابا جی کو بھی غصہ آ گیا۔ انھوں نے جواب میں رشید کو بتا دی کہ ایاز کو میرے تلخ ماضی کا علم ہے' اس کے باوجود وہ مجھے اپنانے پر آمادہ ہے۔ اس پر رشید کہنے لگا کہ میرے پاس دوسرے بھی راستے ہیں۔ میں اس وقت اندر کمرے میں تھی۔ بس اچانک ہی وہ کمرے میں آ گیا اور مجھ سے بولا' میں تمھیں اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تم رشید کے سوا کسی اور کی ہو سکو۔ میں تمھارے حسین چہرے پر تیزاب پھینک دوں گا۔ رشید کے یہ الفاظ کمرے کے باہر موجود ابا جی نے بھی سن لیے اور وہ برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے رشید کو گھر سے نکل جانے کے لیے کہا۔ رشید اپنے آپے میں نہیں تھا۔ اس نے ابا جی کے ساتھ بھی بدتمیزی کی اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ ابا جی کو بھی دیکھ لے گا۔ میں اپنی امی کو بتا چکی تھی کہ مجھے کل ملازمت سے استعفیٰ دینے دفتر جانا ہے۔ ابا جی اور امی' دونوں ہی اب مجھے دفتر جانے بلکہ گھر سے نکلنے تک کو منع کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس بھی انھوں نے مجھے بڑی مشکل سے آنے دیا ہے۔"

"ہوں! تو یہ بات ہے جس کی وجہ سے تم اور تمھارے والدین گھبرا گئے ہیں!" میں پوری بات سن کر بولا۔

"اب آپ ہی بتائیے شیخ صاحب' کیا کیا جائے؟ فرض کریں شادی ہونے تک میں گھر میں قید بھی ہو جاؤں تو رشید کا خطرہ تو ہمیشہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ وہ کسی بھی وقت مجھ سے انتقام لے سکتا ہے۔ وہ کمینہ تو آپ پر حملہ کرا چکا ہے۔" نفیسہ نے مجھ سے مشورہ طلب کیا۔

"نفیسہ! کل تم دفتر ضرور جاؤ گی!" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تمھارے ساتھ میں چلوں گا' مگر اس سے پہلے... ٹھہرو میں تمھارے گھر چلتا ہوں' یہ بات وہیں کرنے کی ہے تاکہ تم کل میرے ساتھ اپنے دفتر جا سکو۔ آؤ چلو!"

پھر نفیسہ کو ساتھ لے میں اس کے گھر پہنچ گیا۔ نفیسہ ہی کی طرح اس کے والدین بھی بے حد فکرمند تھے۔ میں نے ان کی ڈھارس بندھائی۔

"یقین کیجیے' رشید آپ لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ضرورت بس اس بتا

کی ہے کہ آپ ہمت سے کام لیں۔ اس کمینے کی دھمکی میں آنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے یہ کہہ کر وہ ساری بات خیر الدین کو بتا دی جو میرے ذہن میں تھی۔

پولیس کے ذکر پر وہ بوڑھا اور گھبرا گیا' مگر اسے میں نے کسی نہ کسی طرح اپنی بات ماننے پر آمادہ کر ہی لیا۔ اسی وقت خیر الدین اور نفیسہ کو ساتھ لے کر میں علاقے کے تھانے کی طرف چل دیا۔ میں نے اس دوران میں ایک موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمزاد کو بھی بلا لیا اور اسے ضروری ہدایات دے دیں۔ اس کے لیے میں نے اپنے گھر سے کپڑے بدل کر آنے کا بہانہ کیا تھا۔ ہمزاد کو طلب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ پولیس کے معاملے میں مجھے خاصے تلخ تجربات ہو چکے تھے۔

یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ تھانے میں اس وقت ایس ایچ او موجود تھا۔ میں سیدھا اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"ارے ارے! کون ہو تم جو اس طرح منہ اٹھائے میرے کمرے میں گھسے آرہے ہو!" ایس ایچ او نے مجھے پولیس والوں کے روایتی لہجے میں ڈانٹ پلائی۔ "اردلی کہاں مر گیا؟ اس نے تمھیں اندر کیسے گھسنے دیا؟"

"میرا نام شیخ کرامت ہے۔" میں نے یہ کہتے ہی ہمزاد کو اشارہ کر دیا۔ میرے ساتھ ہی نفیسہ اور خیر الدین بھی تھے۔

اشارہ ملتے ہی میرے ہمزاد نے ایس ایچ او کو اپنے اثر میں لے لیا۔ دوسرے ہی لمحے ایس ایچ او کا رویہ بدل گیا۔ اس نے مجھے یوں مخاطب کیا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ "معاف کیجئے گا شیخ صاحب' میں آپ کو پہچان نہیں سکا تھا۔ آپ تشریف رکھیے! ہم یہاں آپ ہی جیسے معزز حضرات کی خدمت کے لیے تو بیٹھے ہیں۔"

میز کے سامنے جو کرسیاں پڑی تھیں' ان پر میں نے اپنے ساتھ خیر الدین اور نفیسہ کو بھی بٹھا لیا۔ ایس ایچ او کے بدلے ہوئے رویے پر وہ دونوں ہی حیران نظر آرہے تھے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ میرے ہمزاد کا کمال ہے۔ پھر میں نے تھانے میں اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیا۔

"آپ کو اس سلسلے میں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں شیخ صاحب! میں ابھی تمام بندوبست کیے دیتا ہوں۔ منشی کو میں یہیں اپنے کمرے میں بلوائے لیتا ہوں' آپ رپورٹ لکھوا دیں۔ اس پر میں ابھی ایکشن لیتا ہوں اور اس شخص رشید کو اٹھواتا ہوں جس نے دھمکی..."

"نہیں جناب!" میں نے انکار کر دیا۔ "میرا مقصد یہ ہے کہ اسے کل صبح رنگے ہاتھوں گرفتار کیا جائے۔"

"جو آپ کا حکم شیخ صاحب!" ایس ایچ او نے فرماں برداری کا اظہار کیا۔

پھر خیر الدین کی طرف سے رشید کے خلاف رپورٹ درج کرا دی گئی۔ اسی کے ساتھ ایس ایچ او نے ایک سب انسپکٹر' ایک اے ایس آئی اور دو سپاہیوں کو طلب کر لیا۔ اس نے ان چاروں کو حکم دیا کہ وہ کل صبح سادہ لباس میں خیر الدین کے گھر کی نگرانی کریں۔ جب نفیسہ میرے ساتھ اپنے دفتر جانے کے لیے نکلے تو وہ خاموشی سے ہمارا تعاقب جاری رکھیں۔ رشید کی نشان دہی مجھے یا نفیسہ کو کرنی تھی۔ ہمارے اشارے پر سادہ لباس پولیس والے اسے گرفتار کر لیتے۔

"یہ خیال رکھنا کہ بی بی جی یا شیخ صاحب کو وہ غنڈا کوئی نقصان نہ پہنچا سکے!" ایس ایچ او نے اپنے ماتحتوں کو تاکید کی۔ "مجرم کو ہر حال میں پکڑنا ہے!"

"آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی سر!" سب انسپکٹر نے اپنے افسر کو یقین دہانی کرائی۔

"اچھا اب اجازت دیں جناب!" میں اٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے شیخ صاحب! آپ جیسی محترم ہستیاں روز روز کب تشریف لاتی ہیں! اس خادم کو کچھ خدمت کا موقع تو دیں۔ چائے پیے بغیر..."

"نہیں' اس زحمت کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا' پھر نفیسہ اور خیر الدین کو ساتھ لیے ایس ایچ او کے کمرے سے نکل آیا۔ ہمزاد کو میں نے رخصت ہونے کا اشارہ کر دیا۔ واپسی میں خیر الدین مجھ سے کہنے لگا۔ "شیخ صاحب! مجھے خبر نہیں تھی کہ پولیس والے بھی آپ کی اتنی عزت کرتے ہیں۔ اگر پہلے یہ بات پتا ہوتی تو میں تھانے جانے سے منع نہ کرتا۔"

"سب اللہ کی مہربانی اور اس کا کرم ہے محترم! وہ جسے چاہے عزت دے' جسے چاہے ذلت دے۔" میں نے کہا۔ اب ہم تھانے کی حدود سے نکل آئے تھے۔

"پہلے تو ایس ایچ او پہچانا ہی نہیں تھا آپ کو۔" کھانے کا وقت ہو رہا ہے شیخ صاحب! آج ہمارے ہی ساتھ کھانا کھا لیجیے۔"

"میں نے اس بوڑھے کی پر خلوص پیشکش قبول کر لی۔ اپنے پن کے اظہار کی غرض سے وہ مجھے گھر کی اوپری منزل پر لے آیا۔ نفیسہ کی ماں فکر مند تھی۔ ایک وہی کیا ہر غریب اور شریف آدمی' پولیس سے ڈرتا ہے۔ خیر الدین نے اسے بتا دیا کہ تھانے میں میری موجودگی کی وجہ سے کتنی پذیرائی ہوئی! پھر اس کے چہرے سے بھی اطمینان جھلکنے لگا۔

"نفیسہ کی ماں! اس خوشی میں اب تم گرم گرم روٹیاں ڈالتی جاؤ اور ہم کھاتے جائیں۔ شیخ صاحب آج ہمارے ہی گھر کھانا کھائیں گے۔" خیر الدین چہکا۔

"تم اگر پہلے سے بتا دیتے تو میں گوشت پکا لیتی۔ پہلی بار تو شیخ صاحب ہمارے یہاں کھانا کھا رہے ہیں' دال روٹی کیا اچھی لگے گی!" وہ اپنے شوہر سے بولی۔

"محبت سے اگر دال روٹی بھی کھلائی جائے تو مرغ مسلم سے کم نہیں۔" میں نے کہا۔

اس عرصے میں نفیسہ نے باورچی خانے کے باہر چٹائی بچھا دی۔ میں اور خیر الدین ہاتھ دھو کر چٹائی پر بیٹھ گئے۔ نفیسہ کی ماں روٹیاں ڈالنے باورچی خانے میں چلی گئی۔ وہیں سے اس نے گویا ہانک لگائی۔ "نفیسہ بیٹی! تم بھی جگ میں پانی رکھ کر اپنے ابا جی کے ساتھ ہی کھانا کھا لو۔"

ماش کی دال مجھے یوں بھی پسند تھی' پھر گرم گرم روٹیوں پر گھی بھی لگا ہوا تھا۔ کھانے میں لطف آ گیا۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

چلتے وقت نفیسہ نے مجھ سے پوچھا کہ کل صبح اسے کس وقت میرے ساتھ اپنے دفتر چلنا ہے؟ اس کا دفتر جناح ایونیو میں تھا۔

میں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "جلدی کی کوئی ضرورت نہیں'

آرام سے دس گیارہ بجے تک چلیں گے۔ میں خود آ جاؤں گا یہیں' تیار ہو کر۔"

نفیسہ نے اقرار میں سر ہلا دیا اور میں اس کے گھر سے چلا آیا۔ دانستہ میں نے نفیسہ کو اپنے ساتھ لے جانے میں جلدی نہیں کی تھی۔ اس کا سبب آج رات ہی پیش آنے والا واقعہ تھا۔ نصف شب کے بعد مجھے ہمزاد کے ساتھ بنگالی ہندو ساحر شیو نندن سے نمٹنا تھا۔ وہ ثمینہ کے شوہر شوکت کو موت کے گھاٹ اتارنے کی غرض سے شیطانی عمل شروع کر دیتا۔ اسے ہر قیمت پر اس عمل سے روکنا تھا۔

ہندو ساحر سے معرکہ آرائی میں کتنا وقت لگ جاتا' ابھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد مجھے سونا بھی تھا۔ ظاہر ہے' صبح جلد میری آنکھ نہ کھلتی۔ یہی سوچ کر میں نے نفیسہ کو گیارہ بجے تک کا وقت دیا تھا۔ ساحر شیو نندن سے نمٹنے کے لیے ہمزاد نے مجھے جو ہدایات دی تھیں' میں بھولا نہیں تھا۔

ثمینہ اور نفیسہ کے معاملے میں پوری طرح الجھ کر وقتی طور پر میں اپنے پراسرار طاقتور دشمنوں کی طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ گرو گوبند اپنے ایک خاص چیلے کی موت کے بعد فوری طور پر پھر حملہ آور ہو گا۔ میں اسی لیے مطمئن تھا۔ مجھے اب کہیں آنا جانا تو تھا نہیں' سو بستر پر آرام کرنے لیٹ گیا۔

ابھی مجھے لیٹے چند لمحے گزرے ہوں گے کہ بستر میں سرسراہٹ سی محسوس کر کے میں چونک اٹھا۔ میرے اعصاب کسی خطرے کے احساس سے تن گئے۔ معاً مجھے یوں لگا کہ میرے سینے پر کوئی شے رینگ رہی ہے۔ پھر میں نے سانپ کی پھنکار سنی۔ جیسے ہی میری نظر اپنے سینے پر پڑی' بے اختیار میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ایک کالا ناگ میرے سینے پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ مجھے وہ منظر یاد آ گیا کہ جب شمبھو اسی طرح سانپ کی جون اپنا کر سریتا کے سینے پر چڑھا ہوا اس کے رخساروں اور ہونٹوں کو ڈس رہا تھا۔ شمبھو نے اس طرح سریتا کو شدید اذیت پہنچائی تھی۔ سریتا کا چہرہ زہر کے اثر سے نیلا پڑ گیا تھا۔ یقیناً" شمبھو آج وہی موت کا اذیت ناک کھیل میرے ساتھ بھی کھیل رہا تھا۔ وہ سانپ کے جسم میں پھن کاڑھے بار بار جھومتے ہوئے اس طرح جھکتا جیسے اب مجھے ڈسنے والا ہے۔

وہ لمحات میرے لیے اس قدر ہول ناک تھے کہ وقتی طور پر میری قوت گویائی سلب ہو گئی۔ میری نظریں سانپ کے پھن پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے ڈسنے سے قبل شمبھو مجھ کو انتہائی وحشت میں مبتلا کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ معاً اس نے پھر پھنکار ماری اور میرے جسم میں خوف کی شدید لہر دوڑ گئی۔

"ہم... ہمزاد!" میں بے ساختہ چیخ اٹھا۔

یہی وہ لمحہ تھا کہ جب سانپ کا پھن تیزی سے مجھے ڈس لینے کو جھکا تھا۔ اسی لمحے کے شاید ہزارویں حصّے میں مجھے ہمزاد نظر آیا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ سانپ کی گردن پکڑ کر اسے اٹھا لیا اور کمرے کی دیوار پر دے مارا۔

ایک انسانی چیخ میری سماعت سے ٹکرائی۔ پھر میری آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ مجھے شمبھو انسانی جسم میں الٹتا نظر آیا۔ اس کا بھیانک چہرہ مزید بھیانک دکھائی دیا۔ اس کا سبب شمبھو کے سر سے بہنے والا خون تھا جو اس کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ ہمزاد اس پر حملہ کرتا' شمبھو کے گرد چمکیلا دودھیا حصار قائم ہو گیا۔ اسی حصار میں جیسے شمبھو کا جسم غائب ہونے لگا۔ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں وہ کوئی شیطانی عمل پڑھنے میں مصروف تھا۔ چند ہی لمحے بعد چمکیلا غبار گویا رقص کرتا ہوا فضا میں اٹھا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پیش آنے والے پراسرار ہول ناک واقعے کا اثر اب تک میرے ذہن پر تھا۔ مجھے اعتراف تھا کہ اسی سبب میرے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

ہمزاد نے قریب آ کر مجھے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ میرے لیے یہ بڑا عجیب سا تجربہ تھا۔ میں جیسے خود اپنی آغوش میں تھا۔ اس سے یہ ہوا کہ فوری طور پر میری حالت سنبھل گئی۔ ہمزاد الگ ہٹ گیا۔ اب میری قوّت گویائی بحال ہو چکی تھی۔

"کیا تم میری طرف سے غافل ہو گئے تھے۔؟" میں نے ہمزاد سے دریافت کیا۔

"نہیں۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "مجھے بروقت پتا چل گیا تھا کہ شمبھو

سانپ کی جون اپنا کر آپ تک پہنچ چکا ہے اور..."

"پھر تم نے دیر کیوں لگا دی؟" میں بول اٹھا۔

"میں اس کی واپسی کا راستہ مسدود کر رہا تھا۔ مجھے علم تھا کہ اگر آپ نے خطرہ محسوس کیا تو مجھ کو طلب کر لیں گے۔ میں چاہتا تھا کہ گرو گوبند کے خاص چیلے کی طرح شمبھو کو بھی گھیر کر موت کے گھاٹ اتار دوں۔ ابھی میں اس مکان کے گرد پورا حصار نہیں کھینچ سکا تھا کہ آپ نے مجھے طلب کر لیا۔ شمبھو اس لیے فرار ہو گیا۔"

"اگر تمہیں طلب کرنے میں مجھ سے ایک لمحے کی بھی مزید تاخیر ہو جاتی تو شاید شمبھو مجھے ڈس لیتا۔ پھر میرا بھی وہی حشر ہوتا جو سریتا کا ہوا۔"

"مجھے اندازہ ہے اور... اور اب اپنی غلطی کا بھی احساس ہو رہا ہے۔ مجھے پہلے آپ کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے تھی۔" ہمزاد نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

"تم تحفظ کی خاطر اس مکان کے گرد حصار کیوں نہیں کھینچ دیتے!"

"میں نے اس لیے ایسا نہیں کیا تھا کہ یہاں آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی آتے جاتے ہیں' لیکن اب حصار کھینچنا ہی پڑے گا۔ اس کے علاوہ خود مجھے بھی آپ کی حفاظت کے لیے یہیں رہنا پڑے گا کیوں کہ دشمن دوبارہ بھی حملہ کر سکتا ہے۔"

"اے شیخ کرامت کے ہمزاد! تو نے ٹھیک کہا۔" معاً ایک جانی پہچانی آواز سے کمرا گونج اٹھا۔ یہ آواز گرو گوبند کی تھی۔ "تو نے میرے خاص چیلے کیلاش کو مار ڈالا اور اب شمبھو کی بھی دوبارہ زخمی کر دیا۔ سو اب تو میرے انتقام سے نہیں بچ سکے گا اور نہ شیخ کرامت کی زندگی کو بچا پائے گا۔ بس کچھ دن کی بات ہے۔ پھر نہ تیرا کھینچا ہوا حصار مجھے روک سکے گا' نہ تیری کوئی قوت کام آئے گی۔ آج ہی رات میں' کالی مائی کا چالیسا شروع کر رہا ہوں۔"

میں نے دانستہ خوفزدہ آواز میں گرو گوبند سے پوچھا۔ "تو... تو اس کا مطلب یہ ہوا گرو جی کہ... کہ اب ہم... ہماری موت میں صرف چالیس دن باقی ہیں؟"

"ڈر گیا شیخ کرامت!" گرو گوبند کی ہنسی سنائی دی' پھر اس نے بتایا۔ "ہاں تیری اور تیرے ہمزاد کی موت میں اتنے ہی دن ہیں۔ اپنی شکتی (طاقت) سے مجھے اب یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تیرا ہمزاد صرف تیرے ہی کام آ سکتا ہے۔ سو اب میں اس دھوکے میں بھی نہیں رہا۔ میں تجھے مار دوں گا تو تیرے ہی ساتھ تیرا ہمزاد بھی مر جائے گا۔ تو اب نہ تو جی سکے گا' نہ تیرا ہمزاد! شیخ کرامت! تو بہت دن جی لیا اور اب تیرا کھیل ختم ہونے والا ہے۔ میری شکتی دیکھ کہ تجھ سے سینکڑوں میل دور ہونے کے باوجود تجھے میری آواز سنائی دے رہی ہے۔ جی لے اور چالیس دن تک جی لے! پھر تو تیری موت یقینی ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی گرو گوبند کی آواز آنا بند ہو گئی۔

"اگر اس وقت حصّار کھنچا ہوتا تو گرو گوبند کی آواز سنائی نہ دیتی۔" ہمزاد نے بتایا۔

"اور یہ اچھا ہی ہوا۔ اس طرح ہمیں گرو گوبند کے آیندہ عزائم کا پتا چل گیا۔" میں بولا۔ "اس نے آج رات سے چالیس دن کا شیطانی عمل شروع کیا ہے اور میں اس سے پہلے ہی اپنا وظیفہ پورا کر چکا ہوں گا۔"

"آپ نے بڑی چالاکی سے اس کے شیطانی عمل کی مدت معلوم کر لی۔ اب ہمیں صرف شبھو کی طرف سے خطرہ ہے جس کا تدارک ممکن ہے۔" ہمزاد نے کہا اور پھر مجھ سے اجازت لے کر حصّار کھینچنے کے لیے چلا گیا۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ اب ہمزاد کو طلب کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ خود بتا چکا تھا کہ اب میرے ہی پاس رہے گا۔

ہمزاد نے جو حصّار کھینچا تھا' اس سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ وہ حصّار دوسروں کے لیے تھا۔ اسی رات مجھے اس کا عملی تجربہ بھی ہو گیا۔

نصف شب سے پہلے ہی ہمزاد مجھے اس مکان سے نکال کر لے گیا۔ حصّار اس نے قائم رہنے دیا تھا۔ میں اپنے ہوش نہ کھو بیٹھوں' ہمزاد اسی وجہ سے مجھے اٹھائے دھیمی رفتار میں محو پرواز تھا۔ صدر گھاٹ کی آبادی سے آگے ہمزاد نے مجھے بوڑھی گنگا کے کنارے ایک جگہ زمین پر اتار دیا۔

اس جگہ دور دور تک سناٹے کی حکمرانی تھی۔ دور تک پھیلی ہوئی چاندنی بھی عجیب سی لگ رہی تھی۔ اسی چاندنی میں خاصے فاصلے پر مجھے کسی جٹا دھاری سادھو کا ہیولا دکھائی دیا۔ وہ دریا کے کنارے پیر پر پیر چڑھائے آسن مارے کسی مجسمے کی طرح بیٹھا تھا۔ اس کے جسم میں ذرا سی بھی حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں اس کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ ہمزاد نے مجھے یہی ہدایت دی تھی۔

"اب میں جا رہا ہوں۔" ہمزاد نے مجھے مخاطب کیا۔ "یہ رکھ لیجیے!"

میں نے ہمزاد سے مٹھی بھر کنکریاں لے لیں۔ ہمزاد غائب ہو گیا اور میں بہ دستور آگے بڑھتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ نظر آنے والا وہ ہیولا ہندو ساحر شیو نندن ہی کا ہو سکتا ہے۔ شیو نندن سے سات قدم کے فاصلے پر مجھے رک جانا تھا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اب وہ ساحر مجھے واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ یقیناً وہ اپنا شیطانی عمل شروع کر چکا تھا۔ اس کا جسم اکڑا ہوا سا اور آنکھیں بند تھیں' شانوں پر لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے تھے' جسم پر ڈھیلا ڈھالا گیروا لباس تھا۔ اس کے موٹے موٹے ہونٹ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ سامنے ہی تھوڑے فاصلے پر ایک انسانی کھوپڑی رکھی تھی۔

اپنے ہمزاد کی ہدایت کے مطابق میں نے "یا قہّار" پڑھ کر ایک کنکری پر دم کیا۔ بقیہ کنکریاں میرے بائیں ہاتھ میں تھیں۔ مجھے اب اس کھوپڑی کا نشانہ لینا تھا۔ شرط یہ تھی کہ نشانہ خطا نہ ہو۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اپنی کامیابی کی امید تھی۔ کھوپڑی کا نشانہ لے کر میں نے پہلی کنکری ماری۔ میرا خیال تھا کہ اس انسانی کھوپڑی پر کنکری لگنے سے ہلکی سی آواز ہو گی' مگر ایسا نہیں ہوا۔ کنکری جیسے ہی کھوپڑی سے ٹکرائی زبردست دھماکا ہوا جس کی وجہ سے خود میں بھی اچھل پڑا۔ اسی کے ساتھ ساحر شیو نندن نے بھی آنکھیں کھول دیں' مگر ہونٹ پھر بھی حرکت کرتے رہے۔ اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں میری طرف اٹھائیں۔ معلوم نہیں ان آنکھوں میں کیا سحر تھا کہ میرا جسم میں خوف کی لہری

دوڑ گئی۔ میں نے فوراً اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی۔

تھوڑے توقف سے مجھے پھر کھوپڑی کو نشانہ بنانا تھا۔ میں نے دوبارہ ایک کنکری پر دم کیا اور ہر خطرے اور خوف کو ذہن سے جھٹک کر کھوپڑی پر کنکری کھینچ ماری۔ اس مرتبہ بھی میرا نشانہ خطا نہیں ہوا۔ فضا میں دوسرا دھماکا سنائی دیا، مگر اب کے میں نہیں اچھلا کیوں کہ مجھے پہلے ہی سے دھماکے کی توقع تھی۔

وقفے وقفے سے میں کنکریوں پر دم کر کے کھوپڑی کو نشانہ بناتا رہا۔ میں نے اس عرصے میں ہندو ساحر کی طرف دیکھنے سے دانستہ گریز کیا تھا۔ میں کنکریاں گن بھی رہا تھا۔ مجھے ہمزاد بتا چکا تھا کہ ساتویں کنکری مارتے ہی کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ سکتا ہے، لیکن اس سے میں نہ ڈروں۔ جو بھی پر اسرار واقعہ رونما ہوتا، اس سے مجھے کوئی نقصان نہ ہوتا۔ میں نے ہمزاد سے پوچھا بھی تھا کہ اس پر اسرار واقعے کی نوعیت کیا ہو گی؟ ہمزاد اس سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ ہمزاد کے لیے بھی اس نوع کا یہ پہلا یہ واقعہ تھا۔

ساتویں کنکری مارتے ہیں کھوپڑی کو میں نے دھماکا ہونے کے بعد بلند ہوتے دیکھا۔ کھوپڑی میں آنکھوں کی جگہ جو گڑھے تھے، ان سے شعلے سے لپکے۔ پھر وہ کھوپڑی، ساحر کی طرف فضا میں تیرتی ہوئی آگے بڑھی اور اس کے گرد چکرانے لگی۔ میں حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ساحر کے چہرے پر شدید خوف کے آثار دکھائی دیے۔

اچانک کھوپڑی سے نکلتے ہوئے شعلوں کی زبانیں لمبی ہو گئیں اور ہندو ساحر ان شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے لباس میں آگ لگ گئی۔ وہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا، پھر بھی نہ وہ اپنی جگہ سے اٹھا، نہ شیطانی عمل پڑھنا ترک کیا، مگر کب! آخر اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں اور وہ اٹھ کر دریا کی جانب دوڑا۔ کھوپڑی نے گویا اس کا راستہ روک لیا۔ وہ کھوپڑی سے نکلتے ہوئے شعلوں کی زد سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا، لیکن ناکام رہا۔ اس کوشش میں وہ

اوندھے منہ زمین پر گرا۔ اب اس کے بڑے بڑے بالوں اور داڑھی میں بھی آگ لگ چکی تھی۔ وہ زمین پر لوٹتے ہوئے چیخنے لگا۔ کھوپڑی اب بھی اس کے اوپر گردش کر رہی تھی اور شعلے اس کے جسم کو چاٹ رہے تھے۔ مجھے گوشت جلنے کی واضح بو محسوس ہوئی۔ آخر ساحر کی چیخیں دم توڑ گئیں۔ اس کا جلتا ہوا جسم ساکت ہو گیا۔ اب بھی اس کا جسم کسی سوکھی لکڑی کی طرح جل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مجھے ساحر کے جسم کی جگہ راکھ کا ڈھیر نظر آیا۔ پھر کھوپڑی فضا میں تیرتی ہوئی دریا میں جا گری۔

معاً میں نے اپنے قریب ہمزاد کو دیکھا۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"کھیل ختم ہو گیا، اب چلیے! مبارک ہو کہ آپ کامیاب رہے اور مجھے کچھ بھی نہیں کرنا پڑا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مجھے حصار میں داخل ہونے اور اس پر حملہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ صرف آپ ہی کے عمل نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔" ہمزاد نے وضاحت کی۔ "مجھے خود بھی پہلے سے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ ممکن ہے، وہ اپنا شیطانی عمل پڑھنا جاری رکھتا تو شاید زندہ بچ جاتا، لیکن شدید تکلیف و اذیت کے سبب وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس کا عمل خود اسی کے لیے موت کا باعث بن گیا۔ جب آپ نے کھوپڑی پر ساتویں کنکری ماری تو چند لمحوں کو اس کی توجہ بٹ گئی۔ وہ عمل پڑھتے پڑھتے رک گیا۔ یہی چند لمحے اس کے لیے تباہ کن ثابت ہوئے۔ کھوپڑی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے دوبارہ عمل شروع کیا، لیکن اب تیر، کمان سے نکل چکا تھا۔ شعلوں نے اسے گھیر لیا جو خود اسی کے شیطانی عمل کا نتیجہ تھے۔ پھر جو کچھ ہوا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی لیا۔ ایسے میں مجھے مزید مداخلت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

"ایسا تھا تو پھر تمہیں واقعی حصار میں داخل ہو کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہیے تھا۔" میں نے بھی اس کے خیال سے اتفاق کیا۔

پھر ہمزاد مجھے وہاں سے محمد پور لے آیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہمزاد کی مدد کے بغیر میں نے کوئی کارنامہ انجام دیا تھا۔ مجھے اس پر خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

ہندو ساحر شیونندن سے نمٹنے اور اسے اس کے انجام تک پہنچانے میں بہ مشکل ایک گھنٹا لگا ہو گا۔ اس وقت رات کا ایک بجا تھا جب میں سونے کے لیے اپنے بستر پر دراز ہوا۔ احتیاطاً میں نے یہ ذمے داری ہمزاد پر ڈال دی کہ وہ صبح ساڑھے نو بجے مجھے جگا دے۔

اس رات کو میں اتنا بے خبر سویا کہ دوسرے دن ہمزاد کے جگانے ہی پر اٹھا۔ نہا دھو کر میں نے کپڑے بدلے اور فجر کی قضا نماز پڑھی۔ میرے حکم پر ہمزاد ناشتہ لے آیا۔ گھر سے نکلتے وقت ہمزاد کو طلب کر کے میں نے ساتھ رہنے کی تاکید کر دی۔

"پولیس والوں سے بھول چوک ہو سکتی ہے اس لیے تم ساتھ رہو۔" میں نے ہمزاد سے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ رشید مجھے یا نفیسہ کو کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائے!"

"بہتر ہے۔" ہمزاد بولا اور پھر میرے ساتھ ساتھ ہی گھر سے نکلا۔

میں جب نفیسہ کے گھر پہنچا تو وہ مجھے تیار ملی۔ میں اسے ساتھ لے گھر سے نکل کر گلی میں آگیا۔ اسی عرصے میں مجھے اردگرد وہ سادہ لباس پولیس والے نظر آگئے جنھیں میں گذشتہ روز دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے دو ہمارے آگے اور دو پیچھے چل رہے تھے۔ بہ ظاہر یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ عام راہ گیر ہیں۔

گلی عبور کر کے ہم چھوٹی سی ایک سڑک پر آگئے۔ اسی سڑک سے گزر کر ہمیں مین روڈ تک پہنچنا تھا جہاں سے کوئی خالی ٹیکسی مل سکتی تھی۔ سڑک کی دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر درخت لگے ہوئے تھے۔ میں نے محسوس کر لیا کہ نفیسہ کچھ گھبرائی ہوئی ہے۔

اس سے پہلے کہ میں' نفیسہ کو دلاسا دیتا' ہمزاد کی سرگوشی سنائی دی۔

"رشید یہیں ایک درخت کی آڑ میں چھپا ہوا ہے' دائیں جانب چوتھے پیڑ کی آڑ [illegible]! اس کے ہاتھ میں تیزاب کی بوتل ہے۔ اس کے علاوہ رشید کی جیب میں [illegible]ک ریوالور بھی ہے۔"

بے اختیار میری زبان پر یہ سوال آگیا۔ "رشید کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ نفیسہ میرے ساتھ آج اپنے دفتر جانے والی ہے؟" اس وقت میں یہ [illegible]ول ہی گیا کہ نفیسہ میرے ساتھ ہے' مگر مجھے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور میں نے یہی سوال نفیسہ سے کر دیا۔

نفیسہ چونک کر بولی۔ "مجھے... مجھے کیا معلوم! مگر... مگر آپ کو کیسے [illegible] چلا کہ..." پھر مزید نفیسہ نے کیا کہا' میں نہیں سن سکا۔ میں نے ہمزاد کی [illegible]رف متوجہ تھا۔

"رشید کو رنگے ہاتھوں پکڑوانے کے لیے میں نے اسے یہ اطلاع دی [illegible]۔" ہمزاد کی جوابی سرگوشی ابھری۔ "اس وقت آپ سو رہے تھے۔ میں نے [illegible]ں کے ذہن میں یہ بات ڈالی تھی۔ رشید اسے اپنی ہی سوچ کا نتیجہ سمجھا ہو [illegible]۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا شیخ صاحب!" نفیسہ نے آگے [illegible]تے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔

"یہ میرا محض اندازہ ہے کہ رشید کو میرے ساتھ تمہارے گھر سے [illegible]نے کی خبر ہو گئی ہے۔" میں نے بات بنا دی۔

"پھر... پھر تو وہ یہیں کہیں آس پاس موجود ہو گا۔" نفیسہ گھبرا گئی۔ [illegible]ب کیا ہو گا شیخ صاحب؟ یہ تو بہت برا ہوا۔"

"تم یہ کیوں بھول گئیں نفیسہ کہ پولیس ہماری نگرانی کر رہی ہے!" [illegible]ں نے اسے دلاسا دیا۔ "وہ اسی طرح تو پکڑا جائے گا۔"

"لیکن وہ پکڑے جانے سے پہلے اگر... اگر میرے... میرے اوپر [illegible]اب پھینکنے میں کامیاب ہو گیا تو؟" نفیسہ یہ کہتے ہوئے مزید بدحواس ہو

گئی۔

"فکر نہ کرو، میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

ہمزاد نے جس درخت کی نشان دہی کی تھی، وہ اب زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے اسے اردگرد نظر دوڑائی۔ مجھے معلوم تھا کہ پولیس والے خطرناک مواقع پر اپنے ماتحتوں کو آگے رکھتے ہیں۔ ایسا ہی اس وقت تھا۔ دونوں سپاہی سادہ لباس میں ہمارے آگے آگے چل رہے تھے۔ سب انسپکٹر، اے ایس آئی کے ساتھ ہمارے پیچھے آرہا تھا۔ میں نے نفیسہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے رکنے کا اشارہ کیا اور پھر پلٹ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا۔ سر کا اشارہ ملتے ہی وہ لپک کر قریب آگیا۔

"جی جناب! کیا مجرم کہیں نظر آگیا؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "ابھی ایک پیڑ کی آڑ سے اس نے جھانک کر دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مجھے ایک بوتل بھی نظر آئی تھی جس میں یقیناً" تیزاب ہوگا۔" میں نے یہ کہہ کر اس درخت کی نشان دہی کر دی جس کی آڑ میں رشید چھپا ہوا تھا۔

"پھر آپ دونوں یہیں رک جائیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"آپ دونوں کا اب مزید آگے جانا خطرے سے خالی نہیں۔" سب انسپکٹر نے یہ کہتے ہی اپنی قمیض کا لمبا دامن اٹھا کر ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا، پھر اے ایس آئی کو ساتھ لیے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

میں اور نفیسہ دور کھڑے ہو کر یہ تماشا دیکھنے لگے۔

"شیخ صاحب! معاً" نفیسہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "آپ نے رشید کو کب دیکھ لیا؟ مجھے تو وہ نظر نہیں آیا۔"

"بس مجھے لمحے بھر کو اس وقت رشید کی ایک جھلک نظر آئی تھی جب تم میری طرف متوجہ تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تم اپنے اوپر تیزاب

نے کے خدشے کا اظہار کر رہی تھیں۔ تمہارے حواس قابو میں نہیں تھے۔" ں نے نفیسہ کو مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا۔ "ابھی تم خود اپنی آنکھوں سے ے گرفتار ہوتے دیکھ لوگی۔"

دونوں سپاہی جو آگے جا رہے تھے، انھوں نے مڑ کر ہمیں دیکھا تو رک ے۔ پھر ان کی نگاہ سب انسپکٹر اور اے ایس آئی پر پڑی تو انھوں نے بھی والور نکال لیے۔ یقیناً" انھیں بھی خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ سپاہی بالکل ں درخت کے سامنے رکے تھے جس کے پیچھے رشید سمٹا سمٹایا کھڑا تھا۔

"خبردار! بھاگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ گولی مار دوں گا!" دور سے ب انسپکٹر کی تیز اور بلند آواز سنائی دی۔ وہ نشان زدہ درخت کی قریب گیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے رشید کو گرفتار کر لیا گیا۔ سب انسپکٹر کے حکم ے ایس آئی نے اسے ہتھکڑی پہنا دی۔ تیزاب کی بوتل ایک سپاہی نے قبضے ں لے لی۔ تلاشی لیے جانے پر ریوالور بھی اس کی ایک جیب سے برآمد ہو گیا۔

ہم گزشتہ رات ہی اس کے خلاف رپورٹ درج کرا چکے تھے اس لیے ں پولیس والوں کے ساتھ تھانے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب یہ پولیس ردِ سر تھا۔

"رشید کے پاس بغیر لائسنس کا ریوالور ہے۔ آپ چاہیں تو پولیس کو ں سے بھی آگاہ کر دیں۔" ہمزاد نے سرگوشی میں مجھے بتایا۔ اس کی آواز ے سوا کسی اور کے لیے سننا ممکن نہیں تھا۔ مجھے ہمزاد کا مشورہ پسند آیا۔

اس وقت تک نفیسہ کو ساتھ لیے ہوئے میں بھی پولیس والوں تک چکا تھا۔ سب انسپکٹر سے میں نے صرف اتنا کہا۔ "اس شخص پر آپ غیر نی طور پر اسلحہ اپنے پاس رکھنے کا کیس بھی بنا سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ں کے پاس جو ریوالور برآمد ہوا ہے، وہ بغیر لائسنس کا ہے۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں جناب! اس پر تو ہم دفعہ تین سو دو، یعنی قتل اور آپ کی رپورٹ کو مدِنظر رکھ کر دیگر اتنی دفعات لگائیں گے کہ ساری

زندگی جیل میں سڑتا رہے گا۔ بس ایک مرتبہ کوئی ہمارے ہتھے چڑھ جائے‘ پھر تو ہم اس کی وینگ نکال دیتے ہیں۔ یہ ہے کس کھیت کی مولی!" سب انسپکٹر اکڑ کر بولا۔

رشید کا سر اس طرح جھکا ہوا تھا جیسے جوتے پڑے ہوں۔ پولیس والے اسے لے گئے۔

"اب کیا ارادہ ہے نفیسہ؟" میں نے معلوم کیا۔ "دفتر چلنا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے میری توقع کے مطابق جواب دیا۔ "اب تو رشید کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل ہی گیا ہے۔ میں کل دفتر جا کر استعفیٰ دے دوں گی۔"

"اپنے ابا جی اور امی کو بھی تو تمہیں یہ خوش خبری سنانے کی بے چینی ہو گی۔"

"جی ہاں‘ یہ بات بھی ہے۔" نفیسہ نے اقرار کیا‘ پھر واپسی کے لیے مڑتے ہوئے بولی۔ "آپ بھی میرے ساتھ پہلے گھر چلیں گے۔"

"تم کہتی ہو تو چلو!" میں نے اس کی بات مان لی۔

خلاف توقع ہمیں جلد واپس آتے دیکھ کر خیر الدین فکر مند نظر آنے لگا اور گھر میں گھستے ہی پوچھا۔ "کیا ہوا شیخ صاحب؟ اتنی جلدی کیسے..."

"منہ میٹھا کروائیں تو پھر کچھ بتاؤں گا۔" میں اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیوں نہیں! کل جو مٹھائی منگوائی تھی‘ بچی رکھی ہے۔ اگر کہیں تو اور منگوالوں!"

"نہیں بس وہی کافی ہے‘ اس کے ساتھ چائے بھی پیوں گا۔" میں بے تکلفی سے بولا۔

اوپری منزل پر پہنچ کر جب میں نے رشید کی گرفتاری کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا تو خیر الدین کا چہرہ کھل اٹھا۔ نفیسہ کی ماں بھی خوش ہو گئی۔

نفیسہ نے خود میرے لیے چائے بنائی۔ ایسی خوشی میں نے اس سے

پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ ایک لڑکی کی زندگی تباہ ہونے سے بچ گئی تھی۔ اب مجھے ایک اور خاندان کو تباہی سے بچانا تھا۔ جائز باتوں میں طلاق اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ ثمینہ اور شوکت کے درمیان کشاکش اسی مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ ثمینہ‘ اس کا شوہر شوکت جسے میں نے ایک یقینی موت سے بچالیا تھا اور ثمینہ کا نوجوان عاشق زاہد‘ تینوں ہی اپنی اپنی جگہ غلطی پر تھے۔ زاہد اور ثمینہ کا عشق چڑھتے دریا کی کسی سرکش لہر کے مانند تھا۔ مجھے اس کے انجام کی خبر تھی۔ جب جذبات کا چڑھتا دھارا وصل سے ہمکنار ہو جاتا ہے تو چند ہی روز میں دونوں کے سر سے عشق کا بھوت اتر جاتا۔ پھر صرف پچھتاوے رہ جاتے۔ زاہد کو یہ ملال ہوتا کہ اس نے دوسرے کی اترن کیوں پہن لی؟ ثمینہ اس پر رنجیدہ ہوتی کہ زاہد کے عشق میں پہلے جیسی گرم جوشی کیوں نہیں رہی؟ اس نے خواہ مخواہ اپنا گھر کیوں برباد کیا؟ نوبت ایک دن پھر طلاق پر پہنچی۔ اُدھر شوکت اپنے کیے پر نادم ہوتا کہ اس نے اپنی بیوی کی قدر کیوں نہیں کی؟ معصوم بچّے اپنے والدین کی غلط کاریوں کا نتیجہ بھگتنے پر مجبور ہوتے۔

اپنے گھر واپس آتے ہی میں نے اسی لیے ہمزاد کو طلب کر لیا اور اسے ضروری احکام دے کے روانہ کر دیا۔

ہمزاد کے جاتے ہی میں نے اپنی چشم تصوّر سے کام لیا۔ ثمینہ کا چہرہ دوسرے کو لمحے میرے صفحۂ ذہن پر ابھر آیا۔ اسے میں نے اپنے ہمزاد کے زیر اثر بڑبڑاتے دیکھا۔ "یہ میں کیا کر رہی ہوں؟... کیا خبر میں ہمیشہ کے لیے اپنے بچوں سے بچھڑ جاؤں؟ مجھے فوری طور پر طلاق حاصل کرنے کا مقدمہ واپس لے لینا چاہیے۔ اگر طلاق ہو گئی تو... تو شاید پھر... پھر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ آج... آج ہی مجھے کچہری جانا ہے۔" یہ کہتے ہی وہ کھڑی ہو گئی۔

ابھی وقت تھا کہ وہ کچہری جا کر اپنے شوہر شوکت پر دائر کیا ہوا مقدمہ واپس لے سکتی تھی۔ اسی سبب وہ اپنے کمرے سے نکلی اور چھوٹے بھائی کو آواز دی۔ ثمینہ سے عمر میں وہ پانچ سال کے قریب چھوٹا ہو گا۔ جواب میں اس

کی آواز آئی۔ "جی باجی! آیا ابھی۔"

ثمینہ کی ماں نے اس سے پوچھا۔ "کیا ہوا بیٹی؟ کہیں جا رہی ہو؟"

"ہاں امّی!" ثمینہ نے جواب دیا۔ "فہد کو ساتھ لے کر میں کچہری جا..."

"مگر آج تو مقدمے کی تاریخ نہیں۔" ثمینہ کی ماں بول اٹھی۔

"مجھے معلوم ہے امّی!... لیکن میں... میں اپنے بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"یہی تو ہم تمہیں سمجھاتے تھے... مگر خیر' دیر ہی سے سہی تمہاری سمجھ میں تو یہ بات آگئی۔"

"امّی! میں مقدمہ واپس لے رہی ہوں۔" ثمینہ نے بتایا۔

"اور زاہد کا کیا ہو گا؟ پھر... پھر یہ کہ کیا شوکت تمہیں قبول کر لے گا بیٹی؟"

"میں ان سے معافی مانگ لوں گی امّی! رہا زاہد تو وہ میرے بچّوں سے زیادہ نہیں ہے۔" یہ کہتے ہوئے ثمینہ کے لہجے میں اعتماد تھا۔

پھر ذرا ہی دیر میں ثمینہ اپنے بھائی کے ساتھ کچہری روانہ ہو گئی۔ ہمزاد اپنا کام کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مجھے علم تھا کہ اب وہ کہاں جائے گا! سو میں نے اس مرتبہ زاہد کا تصوّر کیا۔ وہ بھی مجھے اپنے ہمزاد کے زیر اثر بڑبڑاتا ہوا سنائی دیا۔ "زندگی بھر کے لیے ایک ایسی عورت کو میں اپنے گلے کا ہار کیوں بنا لوں کہ جس نے خود اپنے شوہر سے وفا نہیں کی؟ کیا وہ میری وفادار رہ سکتی ہے؟ پھر... پھر اب اس کے پاس رکھا بھی کیا ہے؟... میں تو اس کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے ہی اپنی تمام تر تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کر چکا ہوں' وہ بھی ایک بار نہیں کتنی ہی مرتبہ!... اسے میں اپنی آغوش کی زینت بنا چکا ہوں تو مجھے اب اور کیا چاہیے؟... ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ مجھ پر بے وفائی کا الزام لگائے گی... تو الزام لگایا کرے' لیکن میں... میں اب اس سے شادی نہیں کر سکتا' ہرگز

نہیں!"

ہمزاد نے ثمینہ کے نوجوان عاشق کا دل بھی اس کی طرف سے پھیر دیا۔ مجھے آج سے پہلے یہ پتا نہیں تھا کہ ثمینہ اپنے شوہر کی امانت میں خیانت بھی کر چکی ہے۔ میرے نزدیک اس نے نہ صرف یہ حماقت کی تھی بلکہ ایک بڑا گناہ بھی کیا تھا۔ اس گناہ کا کفارہ وہ کیسے ادا کرتی' یہ میرا نہیں اس کا معاملہ تھا۔

اب میرے ہمزاد نے ثمینہ کے شوہر شوکت کا رخ کیا۔ اس روز اپنی طبیعت کی ناسازی کے سبب شوکت اپنے دفتر نہیں گیا تھا۔ رات کو اسے بخار آ گیا جو صبح تک رہا۔ بخار اب اتر چکا تھا۔ اس بات کا علم مجھے شوکت کی ماں اور اس کے درمیان ہونے والی گفتگو سے ہوا۔ میں اپنی چشم تصوّر سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ابھی ابھی اس نے تھرمامیٹر سے نکال کر اپنی ماں کو دیا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے شوکت بیٹے کہ بخار اب اتر گیا ہے ورنہ رات کو تو ایک سو دو تھا۔" شوکت کی ماں نے اظہار اطمینان کیا۔

معاً شوکت اٹھ کر بیٹھ گیا اور میرے ہمزاد کے زیر اثر اپنی ماں سے کہنے لگا۔ "امی! کبھی میں نے ثمینہ کی قدر نہیں کی اور اب مجھے اس پر ملال ہو رہا ہے۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے بیٹے؟ اس نے تو تم سے طلاق حاصل کرنے کے لیے عدالت میں مقدمہ..."

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا امی!" شوکت پرعزم لہجے میں بول اٹھا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگر میری خاطر نہیں تو اپنے بچوں کے لیے ثمینہ مقدمہ واپس لے سکتی ہے۔ میں... میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج ہی اس سے ملوں گا۔ وہ یقیناً مان جائے گی امی!... اگر... اگر میں اس پر ہاتھ نہ اٹھاتا تو وہ کبھی گھر چھوڑ کر نہ جاتی۔ جو کچھ بھی ہوا' اس کا ذمّے دار میں ہوں۔ کبھی... میں نے کبھی اسے خوش نہیں رکھا۔ اب وہ نہیں تو... تو مجھے اپنی زندگی ادھوری لگ رہی ہے۔"

"ہاں بیٹے! ہر شے کی اصل قدر و قیمت کا اسی وقت اندازہ ہوتا ہے

جب وہ پاس نہیں رہتی۔ میں نے تو تمہیں پہلے بھی کئی دفعہ سمجھایا تھا کہ دلہن سے اپنے رویے کی معافی مانگ کر اسے گھر واپس لے آؤ، مگر تم نے میری بات نہیں مانی۔ میں بوڑھی عورت آخر کب تک گھر کا کام کاج سنبھال سکتی ہوں!"

"آپ ٹھیک کہتی تھیں امّی! غلطی میری ہی تھی اور میں ہی اب اس کا ازالہ کروں گا۔ آج ہی دوپہر کے بعد میں، ثمینہ سے ملنے جاؤں گا!"

میں نے یہ سنتے ہی آنکھیں کھول دیں۔ ہمزاد نے اپنا کام کر دیا تھا۔ ایک گھر اجڑنے سے بچ گیا تھا۔

اسی روز دوپہر کے بعد میں نے اپنی تصوّر کی قوت آزما کر تمام تر کوششوں کا نتیجہ بھی دیکھ لیا۔ شوکت اور ثمینہ ایک دوسرے سے معافی مانگ رہے تھے۔ ان دونوں ہی کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ پھر شوکت نے بھرائی ہوئی آواز میں اپنی بیوی سے کہا۔ "میں... میں یہ چاہتا ہوں ثمینہ کہ تم مقدمہ واپس لے لو!"

ثمینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے بتایا۔ "مقدمہ تو میں آج واپس لے چکی ہوں۔"

شوکت نے غیر یقینی سی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا، پھر اس کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا اور بولا۔ "یقین کرو ثمینہ، اب میں کبھی تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔"

"تم میرے بچّوں کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟" ثمینہ نے سوال کیا۔

"مجھے کیا خبر تھی کہ... تم اتنی جلدی اور... اور خود ہی سب کچھ مان جاؤ گی!... اچھا اب چلنے کی تیاری کرو! میں اسی وقت تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"میں... میں تو خود اپنے بچّوں کو گلے لگانے کے لیے بے چین ہوں۔" ثمینہ بولی۔

"صرف بچّوں کو؟" شوکت کے لہجے میں شرارت تھی۔

"تم بھی بچّوں سے کب کم ہو!" ثمینہ نے اٹھلا کر کہا اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

پھر کچھ ہی دیر میں ثمینہ کو میں نے اس کے شوہر شوکت کے ساتھ جاتے دیکھا تو جیسے میرے سینے سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا۔

میری پوری زندگی کے تجربات کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں روحانی مسرّت سے بڑھ کر کوئی اور شے نہیں۔ یہ روحانی مسرّت صرف کارِ خیر سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ثمینہ کو دوبارہ اس کے گھر میں بسا کر مجھے واقعی ناقابلِ بیان روحانی مسرّت حاصل ہوئی تھی۔

نفیسہ کی شادی میں بس اب ایک دن درمیان میں رہ گیا تھا۔ اگلے ہی روز ایاز مجھے خود شادی میں شرکت کی دعوت دینے آیا۔ خیر الدّین اس سے پہلے ہی مجھے مدعو کر چکا تھا۔ دونوں کا اصرار یہ تھا کہ میں ان کی طرف سے اس شادی میں شرکت کروں۔

"پڑوسی ہونے کا بھی تو کچھ حق ہے نا!" میں نے ایاز سے کہا۔ "اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ نفیسہ میری دوست ہے۔ میں اسی کی طرف سے شریک ہوں گا۔"

"آپ ٹھیک فرماتے ہیں شیخ صاحب!" ایاز مان گیا۔

اتوار کے دن دوپہر سے کچھ پہلے ایاز اپنے احباب اور دور کے کچھ عزیزوں کے ساتھ برات لے کر آ گیا۔ گلی میں شامیانہ لگا تھا جس میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں خیر الدّین کے قریبی عزیز پہلے جمع ہو چکے تھے۔ ہم سبھی نے برات کا استقبال کیا۔ دونوں جانب سے بہ مشکل تیس چالیس آدمیوں سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

نکاح کے فوراً بعد کھانا کھلا دیا گیا اور شام چار بجے تک نفیسہ رخصت ہو گئی۔ اب مجھے ڈھاکا شہر میں مزید رکنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

میں نے آئندہ روز ہی چاٹگام جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی دن ہمزاد نے مالک مکان سے بھی میرے ایما پر بات کر لی کہ کل اسے مکان کی چابی مل جائے گی۔

میرے ہمزاد نے ایک مسہری کے سوا گھر کا تمام سازو سامان رات ہی کو چاٹگام پہنچا دیا۔ صبح ہوتے ہی ہمزاد مجھے ناشتہ کرا کے مسہری بھی میرے چاٹگام والے گھر میں پہنچا آیا۔ اس وقت ساڑھے نو بج رہے تھے کہ جب گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ ہمزاد حصار اٹھا چکا تھا ورنہ دستک دینے والوں پر جانے کیا گزرتی! میں نے نیچے جا کر دروازہ کھولا تو پتا چلا کون لوگ آئے ہیں! نفیسہ اور ایاز کے ساتھ خیرالدین اور اس کی بیوی بھی تھی۔ گلی میں مجھے ایک وین کھڑی نظر آئی جس میں سامان لدا ہوا تھا۔

"ہم نے سوچا کہ جانے سے پہلے آخری بار مل لیں۔" خیرالدین نے مجھے مخاطب کیا۔ "نفیسہ بیٹی اور ایاز میاں ہمیشہ کے لیے ہمیں اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں۔"

"میں بھی بس اب جانے ہی والا تھا' سامان تو گیا۔ آپ لوگ اچھے وقت پر آئے۔ آئیے' اندر آ جائیے' مگر کھڑے کھڑے ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ بٹھانے کو..."

"کوئی بات نہیں شیخ صاحب! یہ بھی بہت ہے۔" ایاز بول اٹھا۔ "ہمیں بھی جلدی ہے۔ باتیں تو یہاں بھی کھڑے کھڑے کی جا سکتی ہیں۔"

میری نگاہ نفیسہ پر پڑی تو وہ مجھے کسی تازہ کھلے ہوئے گلاب کی طرح معلوم ہوئی۔ ایک ہی رات میں جیسے وہ بدل سی گئی تھی۔ شب وصال کے بعد اس کے جمال کی دوشیزگی کچھ اور بھی نکھر آئی تھی۔ پھر ایاز اور خیرالدین مجھ سے گلے ملے۔ نفیسہ نے بھی مجھے رخصتی سلام کیا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔" میں نے شفقت سے نفیسہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آمین!" خیرالدین بولا۔

ذرا سی دیر میں وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ وین کے آگے ہی ایک ٹیکسی کھڑی تھی جس میں وہ لوگ بیٹھ گئے اور میں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔

"چٹخنی اور کنڈلی اندر سے نہ لگائیں۔" ہمزاد نے مجھ سے کہا۔ "مجھے باہر سے تالا ڈال کر مالک مکان کو چابی دینے کے لیے جانا ہے۔ آپ اوپر چلیں' میں ابھی آیا۔"

ہمزاد کو واپسی میں دیر نہ لگی۔ اسے کیوں کہ میرے ساتھ تیز رفتاری سے سفر کرنا تھا اس لیے مجھے ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں ڈھاکا سے چاٹگام اپنے گھر پہنچ چکا تھا۔ مجھے اتنے دن بعد دیکھ کر میرے وفادار ملازم ارشاد علی کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا۔

دوپہر کو کھانا کھا کر جب میں لیٹنے والا تھا تو مجھے معاً "قلمی نسخے کا خیال آ گیا جس میں وہ وظیفہ درج تھا جس پر آج ہی رات سے عمل کرنا تھا۔ امتحان اور آزمائش کا وقت آ چکا تھا۔ مجھے اپنی مطالعہ گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے وہ دن یاد آنے لگے جب ہمزاد کا عمل کیا تھا۔

قلمی نسخہ اپنی جگہ موجود تھا۔ اس کی میں نے جلد بندی کرائی تھی۔ پھر بھی اوراق بہت بوسیدہ تھے۔ میں اسے احتیاط سے نکال کر لے آیا۔

اپنی خواب گاہ میں واپس آ کر میں نے قلمی نسخے کی ورق گردانی شروع کر دی۔ جلد ہی میں نے مطلوبہ وظیفہ تلاش کر لیا۔ وظیفے کے ساتھ ہی فارسی زبان میں جو عبارت درج تھی' میں اسے پڑھنے لگا۔ اس وظیفے کی مدت انیس دن ہی تھی۔ یہ بات مجھے ہمزاد بھی بتا چکا تھا۔ اس وظیفے کی کچھ شرائط تو ایسی تھیں جن پر میں پہلے ہی سے عمل پیرا تھا' یعنی نماز اور پاک صاف رہنا! ہمزاد کے عمل کی خاطر مجھے گھر سے باہر بھی نکلنا پڑتا تھا' مگر اس وظیفے میں ایسی کوئی شرط نہیں تھی۔ یہ وظیفہ روز عشاء کی نماز کے بعد سے نصف شب تک پڑھا جاتا تھا۔ زوال کا وقت شروع ہونے سے پہلے ختم کر دینا تھا۔ اس کے لیے نہ کسی چراغ کی ضرورت تھی' نہ کمرے میں اندھیرے کی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر مجھے جانماز

ہی پر بیٹھے رہنا تھا۔ ہاں اس کے لیے حصار کھینچ کر بیٹھنا لازمی تھا۔ وظیفہ پڑھتے ہوئے مجھے کسی قیمت پر حصار سے نہیں نکلنا تھا' نہ وظیفہ پڑھ کر صبح ہونے سے قبل کوئی بات کرنی تھی۔ عمل کر کے مجھے سو جانا تھا۔

ہمزاد کا عمل کرتے ہوئے میں جس طرح فریب نظر اور فریب سماعت کا شکار ہوا تھا' یہی صورت حال اس وظیفے کے دوران میں بھی مجھے پیش آ سکتی تھی۔ اس کا اندازہ مجھے پہلے ہی سے تھا کہ شیطانی قوتیں میرے عمل میں ضرور رکاوٹیں ڈالیں گی۔ میں اسی لیے زیادہ نہ گھبرایا۔

عبارت کے آخری حصے میں لکھا تھا' جو یہ وظیفہ پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے حیرت انگیز پُراسرار قوتوں سے نواز دے گا۔ پھر کوئی بڑی سے بڑی شیطانی طاقت اسے زیر نہیں کر سکے گی۔ اس کے برعکس عامل باطل طاقتوں کو شکست دینے کا اہل ہو جائے گا۔

اس وظیفے کے متعلق تمام تفصیلات پڑھ کر میں نے مشورے کی غرض سے ہمزاد کو طلب کر لیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے' آج ہی رات وظیفہ شروع کر دیا جائے؟" میں نے ہمزاد کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں' اب مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔ آپ کو خبر ہی ہے کہ گرو گوبند پہلے ہی اپنا شیطانی عمل شروع کر چکا ہے۔" ہمزاد نے مشورہ دیا۔

"عمل کے دوران میں تو ظاہر ہے میں تمہیں طلب نہیں کروں گا اور نہ تم میری کوئی مدد کر سکو گے' لیکن دن کے وقت تو ایسی کوئی پابندی نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بہتر یہی ہے کہ انیس دن تک آپ کسی اشد ضرورت کے بغیر دن کے وقت بھی مجھے طلب نہ کریں۔" ہمزاد نے بتایا۔

"ٹھیک ہے' میری پوری کوشش یہی ہو گی' کوئی مجبوری آ پڑی تو الگ بات ہے۔" میں نے یقین دہانی کرائی۔ پھر ہمزاد کو رخصت کی اجازت دے

دی۔

شرائط کے مطابق جس جگہ بیٹھ کر عمل کیا جاتا تھا' وہاں عامل کا تنہا رہنا ضروری تھا۔ خاص طور پر عمل کے دوران میں کسی کو بھی وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ میں نے اسی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ارشاد علی کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"سنو ارشاد علی!" میں نے اس سے کہا۔ "آج ہی رات میں ایک وظیفہ شروع کرنے والا ہوں۔"

"پھر... پھر جناب؟" ارشاد علی کچھ خوفزدہ سا ہو گیا۔

"ہاں کیوں' تم کس لیے ڈر گئے؟"

"جناب! پہلے جب آپ نے وظیفہ پڑھا تھا تو روز ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی تھی۔ اب پھر کہیں ایسا ہی نہ ہو!" ارشاد علی نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم تو صرف وہ باتیں توجہ سے سنو جو میں کرنے والا ہوں۔" میں پرسکون آواز میں بولا۔ "پہلی بات تو یہ سن لو کہ عشاء کے بعد سے صبح ہونے تک کسی صورت میں تمہیں میرے کمرے کے اندر قدم نہیں رکھنا! سمجھ گئے؟"

"جی ہاں جناب!" ارشاد علی نے اقرار میں سر ہلایا۔ "بالکل سمجھ گیا۔"

"ممکن ہے' میرے کمرے سے رات کے وقت تمہیں بھیانک آوازیں آتی سنائی دیں۔ اس کے باوجود تمہیں اندر نہیں آنا!" میں نے تاکید کی۔

"ایسا ہی ہو گا جناب! میں آپ کے حکم پر عمل کروں گا۔"

"انیس دن تک تم میرے لیے گوشت وغیرہ نہیں پکاؤ گے۔ میرا گزارا صرف معمولی اور سادہ غذا پر ہو گا۔ میں صرف دالیں اور سبزیاں کھاؤں گا۔" میں نے اپنے ملازم کو وظیفے کی ایک اور شرط سے آگاہ کیا۔ "صبح ناشتے میں بھی انڈا وغیرہ مجھے نہ دینا! مگر تم پر کوئی پابندی نہیں۔ تم جو چاہو کھا سکتے ہو۔"

ارشاد علی کہنے لگا۔ "جناب! میں دو دو ہانڈیاں پکا کے کیا کروں گا۔ جو آپ کھائیں گے، میں بھی کھا لیا کروں گا۔"

"تمہاری مرضی! میری طرف سے تم کھانے پینے میں آزاد ہو۔" میں بولا۔

پھر میرے کہنے پر ارشاد علی چلا گیا۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا، میں اسی لیے وضو کرنے اپنے کمرے سے نکل آیا۔

اسی روز مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد میں نے پھر قلمی نسخہ نکالا اور عربی کی وہ عبارت یاد کرنے لگا جو مجھے وظیفے کے دوران میں پڑھنی تھی۔ وہ چند قرآنی آیات ہی تھیں جنھیں حفظ کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہی آیات مجھے دہراتے رہنا تھا۔ ہمزاد کے عمل کی طرح یہ وظیفہ بھی رحمانی ہی تھا۔

عمل کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی میں ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر میں نے دروزاہ بھیڑ لیا۔ وظیفے کی شرائط میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ جہاں وظیفہ پڑھا جائے، دروازہ مقفل نہ ہو، نہ چٹخنی یا کنڈی لگائی جائے۔ یہی حکم کمرے میں موجود کھڑکیوں کے لیے تھا۔ دروازہ اور کھڑکیاں صرف بھیڑی جا سکتی تھیں۔ اسی خیال سے میں نے نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہونے سے پہلے ان کھڑکیوں کی چٹخنیاں کھول دیں جو بند تھیں۔ عشاء کی نماز پڑھ کر مجھے حصار کھینچنا تھا اور پھر اس حصار سے نصف شب تک نہیں نکلنا تھا۔ حصار کھینچتے ہوئے مجھے جو الفاظ ادا کرنے تھے، وہ بھی قلمی نسخے میں درج تھے۔ وہ بھی میں نے یاد کر لیے تھے۔ آخر عشاء کا وقت ہو گیا اور میں جانماز بچھا کر نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔

نماز پڑھ کر میں نے اپنے گرد حصار کھینچا اور وظیفہ شروع کر دیا۔ وظیفہ پڑھتے ہوئے مجھے ابھی آدھا گھنٹا گزرا تھا کہ میں نے خود اپنی ہی چیخیں سنیں۔ پھر گویا میں اپنی مدد کے لیے پکارنے لگا۔ ذرا دیر کو مجھے خیال آیا، کہیں

میرے ہمزاد پر تو کوئی افتاد نہیں پڑ گئی؟ میری ہی آواز میں بھلا کون اور مدد کے لئے پکار سکتا تھا! اس کی آواز میرے سوا کسی اور کے لیے سن لینا ممکن بھی نہیں تھا جب تک کہ وہ خود ہی یہ نہ چاہتا۔ چیخیں اور تیز آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ معاً مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اسی طرف دوڑتا چلا آرہا ہو۔ یہ سب فریب سماعت ہے اور کچھ نہیں۔ میں نے سوچا اور ہر خوف کو اپنے ذہن سے جھٹک کر بہ دستور وظیفہ پڑھنے میں مصروف رہا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں میرے کمرے کے باہر تک آ کر رک گئیں۔ پھر ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے دھیرے سے کمرے کا دروازہ کھولا ہے۔ وظیفہ پڑھتے ہوئے کسی بھی طرف دیکھنے کی پابندی نہیں تھی۔ میں نے اس رعایت سے فائدہ اٹھایا۔ کمرے کا دروازہ دائیں جانب تھا۔ مجھے اس پر حیرت ہوئی کہ وہ محض میرا فریب سماعت نہیں تھا۔ کمرے کا دروازہ واقعی تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔

دروازے میں مجھے ایک کریہہ صورت شخص کھڑا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ معاً وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے ریوالور کی نال میری ہی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ سیاہ رو اور سیاہ لباس وہ شخص قدم قدم میری طرف بڑھنے لگا۔

یہ میری نظر کا دھوکا ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ سوچتے ہوئے اس شخص کی طرف سے نگاہ پھیر لی۔

"ارے واہ! یہ تو بڑا دلیر معلوم ہوتا ہے۔" ایک بھاری آواز کمرے میں گونجی۔ "اسے تو کوئی پروا نہیں میری!" وہ شخص جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ "اس کے علاوہ گھر میں ایک ہی آدمی تھا جسے میں نے باندھ کر ڈال دیا ہے۔ شاید وہ اس کا ملازم ہو گا۔ یہ مجھے دیکھ چکا ہے اور پولیس کو بھی میرا پتہ بتا سکتا ہے۔ کیا کروں؟... یہاں تو رات گزارنا مشکل ہی لگتی ہے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ میں اس کو بھی باندھ کر ڈال دوں، منہ میں کپڑا ٹھونس

دوں گا تاکہ یہ چیخ چلا نہ سکے ورنہ پولیس ادھر متوجہ ہو جائے گی اور پھر..."
ابھی اس شخص کی بات ادھوری تھی کہ کمرا ایک تیز چیخ سے گونج اٹھا۔
بے اختیار میری نگاہ اس طرف اٹھ گئی۔ مجھ سے کچھ ہی فاصلے پر وہ شخص زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ پھر میں نے اس کے جسم کو ساکت ہوتے دیکھا۔ اگر واقعی وہ کوئی فریب نظر نہیں تھا تو اس کی ایک ہی وجہ ممکن تھی۔ وہ شخص یقیناً" حصار کی زد میں آگیا تھا۔ یا تو یہ بے ہوش ہو گیا ہے یا پھر... میں اس سے زیادہ کچھ اور نہ سوچ سکا۔ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ نیچے سے دروازہ پیٹے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔

"دروازہ کھول دو! پولیس تمہیں حکم دیتی ہے کہ دیر نہ کرو ورنہ دروازہ توڑ دیا جائے گا!" کسی کی تیز آواز دور سے سنائی دی۔

ظاہر ہے کہ میں سنی ان سنی کر گیا۔ مجھے نہ تو وظیفہ ترک کرنا تھا' نہ اپنے کھینچے ہوئے حصار سے باہر نکلنا تھا۔ دو مرتبہ مزید بلند آواز میں دروازہ کھولنے کے لیے گویا حکم دیا گیا' پھر زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"ہم دروازہ توڑ رہے ہیں!" آخری مرتبہ گویا مجھے بتایا گیا۔

حقیقت میں اگر وہ میری سماعت کا فریب نہیں تھا تو بھی میں نیچے جا کر گھر کا دروازہ کھولنے سے قاصر تھا۔

مجھے یاد آیا کہ جب میں ہمزاد کا عمل کر رہا تھا تو پولیس والوں نے میری زندگی اجیرن کر دی تھی۔ اب پھر پہلی ہی رات سے یہ تماشا شروع ہو گیا تھا۔ دروازہ توڑے جانے کی آوازیں آتی رہیں' مگر میں اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اگر پولیس والے چاہتے تو گھر کی دیوار پھاند کر بھی اندر آ سکتے تھے کیوں کہ دیواریں بہت زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ کوئی ایک پولیس والا دیوار پر کسی طرح چڑھ کر صحن میں کود جاتا اور دروازہ کھول دیتا' لیکن انھیں تو جیسے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانا تھا۔

ذرا ہی دیر میں بہت زور کی آواز آئی جیسے گھر کا دروازہ ٹوٹ کر گرا

ہو۔ پھر میں نے بہت سے قدموں کی چاپ سنی۔

"سر! نیچے تو کوئی معلوم نہیں ہوتا۔" کسی پولیس والے کی آواز نیچے سے آئی۔ میں سمجھ گیا کہ پولیس والے میرے گھر میں داخل ہو چکے ہیں۔

"اوپری منزل پر روشنی دکھائی دے رہی ہے سر!" ایک اور نئی آواز سنائی دی۔

"تو پھر اوپر ہی چلو! کہیں اوپر جانے کے لیے زینہ ضرور ہو گا۔"

"لیکن سر' وہ... وہ ڈاکو مسلح ہے۔ اگر..."

"تو کیا تمھارے پاس ہتھیار نہیں ہیں!... ڈرنے کی کیا بات ہے! آؤ میرے ساتھ!" حکم دیا گیا۔

سب کچھ سننے کے باوجود میں نے وظیفہ پڑھنا نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ پولیس والے اوپری منزل پر آ گئے اور پھر میرے کمرے میں بھی گھس آئے کیوں کہ وہیں روشنی تھی۔ میں سر جھکائے اپنے عمل میں مصروف رہا۔ معاً" کوئی پولیس والا چیخا۔ "سر! وہ... وہ ادھر..."

میں نے دیکھ لیا ہے۔ زیادہ قابل بننے کی ضرورت نہیں! یہ وہی مفرور مجرم لگتا ہے' لیکن یہ تو شاید بے ہوش پڑا ہے۔" وہ شاید کوئی پولیس افسر تھا۔

تجسس کے تحت میری نظر اس طرف اٹھ گئی۔ وردی سے وہ کوئی پولیس افسر ہی لگا۔ اس کے ساتھ کمرے میں تقریباً" دس بارہ پولیس والے اور تھے۔ ان سبھی کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ اچانک ایک پولیس والے نے اپنے افسر کی توجہ میری طرف مبذول کرائی۔

"ارے ہاں' اسے تو میں بھول ہی گیا۔" پولیس افسر نے چونک کر کہا' پھر براہ راست مجھے مخاطب کیا۔ "اے! یہ کیا قصہ ہے؟ تم جاگ رہے تھے تو دروازہ کیوں نہیں کھولا؟ اور اب بھی چپ سادھے بیٹھے ہو! یہ یہ کیسے بے ہوش ہو گیا؟"

جواباً" میں خاموش ہی رہا اور اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

"اے بولتا کیوں نہیں؟" پولیس افسر اپنی روایتی بدتمیزی پر اتر آیا۔ "کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں تیری کھال بھی اُدھیڑ سکتا ہوں!"

اس عرصے میں دو پولیس والے سیاہ لباس غافل شخص کے قریب پہنچ گئے۔ ریوالور قریب ہی پڑا تھا۔

"سر!... سر! یہ تو مر گیا۔" ایک پولیس والا تقریباً" چیخ اٹھا۔

"کیا بکتے ہو؟" پولیس افسر پلٹ کر دہاڑا۔ پھر وہ خود ہی لپک کر فرش پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے شخص کے قریب پہنچ گیا۔ میری نگاہ اسی طرف تھی۔ پولیس افسر نے نبض دیکھی' پھر ناک پر ہاتھ رکھا اور اچھل پڑا۔ "یہ... یہ تو واقعی زندہ نہیں' لیکن اسے کس نے قتل کیا؟"

"سر! یہاں اس شخص کے سوا اور کون ہے جس نے آپ کا حکم سن کر بھی زبان نہیں کھولی۔ یہی شخص اسے قتل کر سکتا ہے۔" ایک پولیس والے نے فوراً" میرے اوپر قتل کا الزام لگا دیا' پھر بولا۔ "مقتول کو شاید گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔"

"یہ تو اس کا باپ بھی بولے گا۔ اسے شاید معلوم نہیں کہ میرے سامنے تو مُردے بھی بولنے لگتے ہیں۔" پولیس افسر کسی درندے کی طرح غرّایا۔ "یہ کوئی چھوٹا موٹا معاملہ نہیں' قتل کا کیس ہے۔ گرفتار کر لو اسے!"

کوئی پولیس والا اگر اپنے افسر کے حکم کی تعمیل میں مجھے گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھتا تو اس کا بھیانک نتیجہ نکلتا۔ میں اب سمجھ چکا تھا کہ یہ سب کچھ فریب نظر یا فریب سماعت نہیں۔ میں نے اسی لیے اپنا وظیفہ جاری رکھتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے کسی کو بھی اپنے قریب آنے سے منع کیا۔

"اچھا تو تجھے گرفتار نہ کریں' یوں ہی چھوڑ دیں! واہ بے واہ! بہت چالاکی دکھا رہا ہے!" پولیس انسپکٹر منہ بگاڑ کر بولا۔

پھر میں نے ہاتھ کے اشاروں سے یہ سمجھانے کی بہت کوشش کری کہ پولیس والوں کو میرے قریب نہیں آنا چاہیے' لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ ان دونوں پولیس والوں کے حق میں بہت ہول ناک ثابت ہوا جو اپنے افسر کے حکم پر مجھے گرفتار کرنے آگے بڑھے۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ حصار کی زد میں آگئے۔ ان کے منہ سے بڑی بھیانک چیخیں نکلیں اور پھر چند لمحے تڑپ کر وہ بھی ساکت ہو گئے۔

ذرا دیر کو کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی کو پولیس افسر کی گھبرائی ہوئی آواز ہی نے توڑا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ... کہ یہ کوئی جلالی وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ اسی... اسی کی وجہ سے مفرور مجرم قادر بھی مارا گیا اور... اور وہ سپاہی بھی زندہ نہ بچ سکے جو اسے گرفتار کرنے آگے بڑھے تھے۔ نہیں... ہمیں اب یہاں نہیں رکنا چاہیے ورنہ کیا خبر کس نئی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں! لا... لاشیں اٹھاؤ' جلدی کرو!"

معاً" اسی وقت سیاہ پوش کے جسم کو حرکت ہوئی اور وہ کراہنے لگا۔ یہ منظر خود میرے لیے بھی انتہائی حیرت انگیز تھا کہ ایک مردہ کس طرح زندہ ہو سکتا ہے! کمرے میں موجود پولیس والے بھی یہ دیکھ کر حیران پریشان سے نظر آنے لگے۔ سیاہ پوش پولیس اب کراہتے ہوئے اٹھ رہا تھا۔

"خبردار!" پولیس افسر زور سے بولا۔ "بھاگنے کی کوشش نہ کرنا!... پکڑ لو اسے!" پولیس افسر نے آخری الفاظ اپنے ماتحت مُسلح سپاہیوں کی طرف دیکھ کر ادا کیے۔ سیاہ پوش مفرور مجرم قادر کو گرفتار کر لیا گیا۔

"سر! کیا خبر کچھ... کچھ دیر میں ہمارے ساتھی بھی اسی طرح زندہ ہو جائیں!" ایک سپاہی نے پر امید لہجے میں اپنے افسر کو مخاطَب کیا۔

"ہو سکتا ہے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو ورنہ افسَران بالا کے سامنے جواب طلبی مشکل ہو جائے گی۔ ویسے بھی یہ علاقہ ہمارے تھانے کی حدود میں نہیں آتا۔" پولیس افسر نے کہا۔ "ہم تو اس خبیث قادر کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آگئے تھے۔" وہ یہ کہتے ہی جانے کیوں چونک اٹھا اور پھر تعجب سے لہجے میں قادر سے پوچھا۔ "تم بتاؤ کیسے مر گئے تھے؟"

"مر... مر گیا تھا!" قادر حیرت سے بولا۔ "میں... میں تو اس شخص کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اسے بھی اس کے ملازم کی طرح باندھ کر ڈال دوں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ کہیں اس شخص کی چیخ پکار تم لوگوں کو ادھر متوجہ نہ کر دے! اس کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک میرے جسم کو شدید جھٹکا لگا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ میں دور جا گرا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کیا ہوا! جب ہوش آیا تو... تو مجھے گرفتار کر لیا گیا۔"

"یہاں اس عامل کے علاوہ اور کون کون ہے؟" پولیس افسر نے قادر سے سوال کیا۔ "میرا مطلب عورتوں' بوڑھوں اور بچوں..."

"کوئی بھی نہیں جناب!" قادر بتانے لگا۔ "یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک کمرے میں صرف اس شخص کا ایک ملازم مجھے ملا۔ اس کے متعلق میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں۔"

پولیس افسر اپنے ساتھ قادر اور دو سپاہیوں کو لے کر کمرے سے نکل گیا۔ میں نے سوچا' یہ اچھا ہوا' بے چارہ ارشاد علی مصیبت سے بچ جائے گا۔ ذرا دیر میں پولیس انسپکٹر' ارشاد علی کو بھی میرے ہی کمرے میں لے آیا اور اس سے میرے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا۔ ارشاد علی نے میرا نام بتا دیا اور شدید! استفسار پر یہ بھی قبول کر لیا کہ میں کوئی وظیفہ پڑھ رہا ہوں۔ اس دوران میں مجھے اپنے اس سوال کا جواب بھی مل چکا تھا کہ قادر دوبارہ کس طرح زندہ ہو گیا؟ میرے نزدیک اس کی ایک ہی وجہ ممکن تھی کہ اسے سکتہ ہو گیا تھا' وہ مرا نہیں ہو گا۔ ابھی پولیس انسپکٹر نے بے حس و حرکت پڑے ہوئے سپاہیوں کو اٹھانے کا حکم دیا تھا کہ ان کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا۔

"میں نے کہا تھا نا سر کہ... کہ یہ دونوں بھی زندہ ہو جائیں گے۔ دیکھ لیں کہ..."

سپاہی کا جملہ ابھی پورا نہیں ہو سکا تھا کہ کمرے میں کسی سانپ کی پھنکار گونجی۔ پھر میں نے حصار کے باہر ایک بڑے سیاہ ناگ کو پھن کاڑھے

لہراتے دیکھا اور اسے پہچان گیا۔ بدلی ہوئی جون میں وہ شمبھو کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

"بھاگو!" پولیس انسپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیا اور پھر سب سے پہلے وہی کمرے کے دروازے کی طرف بھاگا۔

سپاہی' قادر اور میرا ملازم ارشاد علی بھی گویا سر پر پیر رکھ کر بھاگ اٹھے۔ جاتے جاتے ارشاد علی نے یہ عقل مندی کی کہ کمرے کا دروازہ بھیڑ گیا۔

"شیخ کرامت! میں تیرا عمل پورا نہیں ہونے دوں گا۔" معاً" شمبھو نے سانپ کی جون بدل لی اور خود ظاہر ہو گیا۔ اس کا بدہیئت جسم مجھ سے کچھ فاصلے پر موجود تھا۔ "چاند کی دیوی نے مجھے بڑی شکتی دان کی ہے اور اب میں تجھے اپنی شکتی کا چمتکار (معجزہ) دکھاتا ہوں!" شمبھو یہ کہہ کر زور سے ہنسا۔ اسی کے ساتھ شمبھو کے گرد چمکیلا حصار قائم ہو گیا۔ پھر اس کی سرخ آنکھوں سے مجھے دو شعلے لپکتے دکھائی دیے۔ وہ شعلے جب میرے کھینچے ہوئے حصار سے ٹکرائے تو زور دار کڑاکے کی آواز آئی۔ یوں جیسے بجلی کے ننگے تار آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ تیز روشنی میں میری پلکیں جھپک گئیں۔ شمبھو کسی درندے کی طرح غرایا۔ "اچھا تو اس طرح نہیں مانے گا تو!" وہ یہ کہتے ہی پلٹا۔ شعلے پھر اس کی آنکھوں سے نکلے اور میرے کمرے میں آگ لگ گئی۔ میرا بستر' مسہری' پردے' غرض کہ کمرے میں موجود ہر شے جلنے لگی۔

اچانک شمبھو میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آگ کے شعلے بڑھتے ہوئے حصار تک پہنچ گئے۔ ان کی حدت سے میرا سارا جسم پسینے میں بھیگ گیا اور دھویں سے میرا دم گھٹنے لگا۔ پھر بھی میں وظیفہ پڑھتا رہا۔ معلوم نہیں کس نے فائر بریگیڈ والوں کو خبر کر دی۔ میں نے گھنٹیاں بجنے کی آوازیں سنیں۔

آگ بجھانے والے عملے نے جلد ہی بھڑکتے شعلوں پر قابو پا لیا ورنہ شاید میرا پورا گھر جل کر خاک ہو جاتا اور شاید ارد گرد کے مکانات بھی آگ کی لپیٹ میں آ جاتے۔ فائر بریگیڈ والے آگ بجھا کر حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے

کیوں کہ میرا کمرا پانی کے سبب گویا سیلاب کا نمونہ پیش کر رہا تھا' لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی حصار کے اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ میں بہ دستور وظیفہ پڑھنے میں مصروف تھا۔

"یہ... یہ کوئی اللہ والے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔" بنگلہ زبان میں کسی نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ "ورنہ ہرگز نہ بچتے اور جل کر مر گئے ہوتے۔"

"دیکھتے نہیں کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں' وہاں تک پانی بھی نہیں پہنچ رہا بلکہ دائرے کی صورت میں چاروں طرف رکا ہوا ہے۔" کوئی اور بولا۔

"ہمیں ان کی عبادت میں خلل نہیں ڈالنا چاہیے۔ آؤ چلو!" کسی نے کہا۔

پھر وہ سب چلے گئے۔ اب وظیفے کا وقت ختم ہونے میں صرف چند منٹ باقی رہ گئے۔ میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور جیسے ہی زوال کا وقت ہوا وظیفہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ میں نے اٹھتے ہوئے خواب گاہ پر ایک نظر ڈالی۔ اس کا دروازہ تک سلامت نہیں رہا تھا۔ معاً مجھے قلمی نسخے کا خیال آیا اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔ قلمی نسخے کو میں نے اپنے بستر پر تکیے کے نیچے رکھ دیا تھا۔ اب وہاں بستر تھا' نہ تکیہ اور نہ مسہری۔ سب کچھ جل کر خاک ہو گیا تھا۔ اس پر مجھے بہت رنج ہوا۔ کاش میں اسے اپنی مطالعہ گاہ میں واپس رکھ آیا ہوتا۔ وہ قلمی نسخہ میرے لیے انمول تھا۔ اسی کی وجہ سے میری زندگی بدل گئی تھی' مگر اب کیا ہو سکتا تھا! صبر کے سوا چارہ بھی کیا تھا! وظیفے کی ایک شرط کے مطابق مجھے صبح ہونے تک کسی سے بات نہیں کرنی تھی۔

"اب میرے لیے یہ مسئلہ تھا کہ کہاں سوؤں؟ میں نے جانماز لپیٹی اور پھر اپنے گرد قائم حصار کو اٹھانے کے لیے مخصوص الفاظ کا ورد کیا۔ حصار اٹھتے ہی چاروں طرف رکا ہوا پانی بہہ کر وہاں تک بھی آ گیا جہاں چند لمحے پہلے جانماز پر بیٹھا ہوا میں وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ میں پائنچے اٹھائے وہاں سے نکل آیا اور سوچا'

اب تو صبح ہونے ہی پر کچھ تدارک ممکن ہے۔"

"میرے کمرے کے قریب ہی ایک اور کمرا تھا۔ میں اس میں داخل ہونے کے لیے دروازہ کھول رہا تھا کہ میرا ملازم سامنے سے لپکتا ہوا قریب آ گیا۔"

"جناب! اب کیا ہو گا؟... یہ تو بہت بڑا نقصان ہو گیا۔ گھر کا صدر دروازہ بھی ٹوٹا پڑا ہے۔ کوئی چور ڈاکو گھر میں گھس آیا تو کیا ہو گا؟"

ارشاد علی کی بات سن کر میں کچھ نہیں بولا اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ اشارے ہی سے میں نے اسے جانے کا حکم دیا۔ وہ حیران حیران سا لوٹ گیا۔ میں کمرے کا دروازہ کھول کر اندر پہنچا اور لائٹ جلا دی۔ اس کمرے میں دو مسہریاں موجود تھیں۔ پلٹ کر میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اسی وقت کمرا ایک بھیانک قہقہے سے گونج اٹھا۔ چند ہی قدم کے فاصلے پر مجھے شیطان صورت شمبھو کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں مجھے آہنی ترشول بھی دکھائی دیا۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وظیفے کی مدت ختم ہونے پر بھی وہ خبیث میری جان کا دشمن بنا رہے گا۔

"شیخ کرامت! آج تیری زندگی کی آخری رات ہے۔" شمبھو ہنستے ہوئے مجھ سے بولا۔ "میں یہ ترشول تیرے سینے میں اتار دوں گا!"

مجھے شدید ترین خطرے کا احساس ہوا اور میرے جسم میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ شمبھو اپنی دھمکی پر عمل کر سکتا تھا۔ اسے ایسا کرنے سے بھلا کون روک سکتا ہے؟ یہ سوچتے ہوئے معاً مجھے اپنے ہمزاد کا خیال آیا۔ عمل کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ اب ہمزاد کو طلب کرنا میرے لیے ممکن تھا' مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔ شمبھو جیسے ہی ترشول تان کر میری طرف جھپٹا' میرا ہمزاد طلب کیے بغیر ہی حاضر ہو گیا۔ اس نے شمبھو کے ہاتھ سے ترشول چھین لیا۔ شمبھو نے فوراً" اس کے حملے سے بچنے کی خاطر جون بدل لی۔

"آج تو بچ کر نہیں جا سکے گا شمبھو! میں تیرا ترشول چھین چکا ہوں۔ تو

خود بھی اچھی طرح اس کا مطلب جانتا ہے۔" ہمزاد نے شمبھو کو مخاطب کیا جو اب ایک سانپ کی ہیئت اختیار کر چکا تھا۔ "اب تو اپنے گرد چمکیلا حصار قائم نہیں کر سکتا اور نہ اس گھر کی حدود سے نکل کر فرار ہو سکتا ہے۔"

اسی لمحے سانپ پھنکار مارتا ہوا تیزی سے ایک طرف رینگنے لگا۔ ہمزاد نے لپک کر اُسی کے آہنی ترشول سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسی کے ساتھ شمبھو کا انسانی جسم ظاہر ہو گیا۔ اس کی گردن ایک طرف کٹی پڑی تھی اور جسم کے بقیہ حصے بھی کٹے ہوئے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ فرش پر خون بہہ رہا تھا۔

"میں اس کی لاش ٹھکانے لگا کر آتا ہوں۔" ہمزاد نے مجھ سے مخاطب ہوا۔ "مبارک ہو آپ کو کہ ایک دشمن آج مارا گیا۔"

میرے ذہن میں متعدد سوال تھے، مگر فی الحال چپ ہی رہا۔ ہمزاد نے شمبھو کی لاش کے ٹکڑے سمیٹے اور غائب ہو گیا۔ چند ہی لمحے میں واپس آ کر اس نے خون آلود فرش بھی صاف کر دیا تو میں نے پہلا سوال کیا۔ "تم طلب کیے بغیر کس طرح آ گئے؟"

"اس لیے کہ شمبھو آپ کو قتل کر دیتا تو میں بھی زندہ نہ بچتا۔" ہمزاد نے جواب دیا۔ "میں آپ ہی کا تو عکس لطیف ہوں۔ وظیفہ پہلے ہی آپ ختم کر چکے تھے۔"

"اب تم آ ہی گئے ہو تو کچھ کام اور کر جاؤ۔ میری خواب گاہ کو صاف کر کے دوبارہ اصلی حالت میں لے آؤ۔ اس کے علاوہ گھر کا دروازہ جو ٹوٹ چکا ہے، اسے بھی۔۔۔"

"میں سمجھ گیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں، لیکن ایک بات شاید بھول گئے۔ آج صبح سے پہلے آپ کو کسی سے بھی کلام نہیں کرنا تھا۔" ہمزاد بول اٹھا۔

"پھر... پھر اب کیا ہو گا؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"صرف یہ ہو گا کہ کل رات سے آپ کو دوبارہ عمل شروع کرنا پڑے

گا اور..." ہمزاد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور کیا؟" میں نے دریافت کیا۔

"آپ سے ایک بھیانک غلطی ہو چکی ہے۔" ہمزاد نے بتایا۔ "ہر غلطی کی سزا انسان کو بھگتنی ہی پڑتی ہے۔ کسی صورت میں آپ کو صبح ہونے سے پہلے بولنا نہیں چاہیے تھا۔ وظیفہ پورا ہونے سے پہلے میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ وہ سزا کیا ہے!"

پھر میرے اصرار کے باوجود ہمزاد نے سزا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میں نے البتہ ایک بات ضرور محسوس کی کہ وہ انتہائی ملول تھا۔ اس کا سبب بھی وہ بیان نہ کر سکا۔ مجبوراً میں خاموش ہو گیا۔ ہمزاد نے میرے حکم کی تعمیل میں دیر نہ کی اور میں واپس اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔ میرے لیے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی کہ خواب گاہ پہلے ہی کی طرح نظر آ رہی تھی کیوں کہ میں ہمزاد کی حیرت انگیز قوتوں سے واقف تھا۔

"آج رات جو کچھ ہوا، اس میں ایک خوشگوار پہلو بھی ہے۔" ہمزاد نے کہا۔ "شمبھو کی موت کے بعد اب آپ کے عمل میں مداخلت کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ صرف فریب نظر اور سماعت کے دھوکے میں آپ نہیں آ سکتے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں۔"

"اور گرو گوبند؟ کیا وہ اس عرصے میں خاموش بیٹھا رہے گا؟ کیا وہ مجھ پر وار نہیں کرے گا؟" میں نے معلوم کیا۔

"وہ چالیس دن کے لیے اپنا شیطانی عمل پورا کرنے کی غرض سے حصار کھینچ کر بیٹھ چکا ہے۔ اس دوران میں وہ اپنے مندر کی حدود سے نہیں نکل سکتا۔" ہمزاد بولا۔

میں یہ سن کر مطمئن ہو گیا۔ ہمزاد کو بھی میں نے رخصت کی اجازت دے دی، لیکن ایک بے کلی سی رہی۔ اس کی وجہ نامعلوم سزا کا خوف ہی تھا۔ مجھے اس رات بڑی مشکل سے نیند آئی۔ دوسرے دن صبح ارشاد علی نے جب

سب کچھ جوں کے توں دیکھا تو حیران پریشان سا میرے سامنے آکھڑا ہوا۔

"مجھے معلوم ہے ارشاد علی کہ تم کس بات پر حیرت زدہ ہو! گزشتہ رات جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ! میں نے تمہیں جو ہدایات دی ہیں' بس انہی پر عمل کرو!" میں نے کہا۔

"بہتر... بہت بہتر ہے جناب!" ارشاد علی یہ کہہ کر میرے لیے ناشتہ لانے چلا گیا۔

میرے ہمزاد نے جو کچھ کہا تھا' قطعی درست نکلا۔ عمل کے دوران میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔ فریب نظر اور فریب سماعت کے سوا کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا اور میں نے عمل پورا کر لیا۔ انیس دن گزر چکے تھے اور وہ بیسواں دن تھا جب ہمزاد مجھے چاٹگام سے کلکتے لے گیا۔ میں اب ہگلی کے کنارے اس قدیم مندر کے سامنے کھڑا تھا جہاں میرا دشمن گرو گوبند موجود تھا۔ ہمزاد نے مجھ سے کہا تھا کہ جب تک گرو گوبند اپنے انجام کو نہیں پہنچ جاتا' وہ مجھے متوقع سزا کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے گا۔

"آپ کو اب تنہا اس مندر میں داخل ہونا ہے۔ گرو گوبند کا اب کوئی شیطانی حملہ آپ پر کارگر نہیں ہو گا۔" ہمزاد بولا۔

"اسے ختم کرنے کے لیے مجھے کیا تدبیر آزمانا ہو گی؟" میں نے دریافت کیا۔

"آپ کو وہ آیات تو یاد ہی ہوں گی جو عمل کے دوران میں پڑھی تھیں! جیسے ہی گرو گوبند آپ کے مقابل آئے' اس پر یہی آیات کو پڑھ کر دم کر دیں۔ اسے ختم ہونے میں انشاء اللہ دیر نہیں لگے گی۔" ہمزاد مجھے بتانے لگا۔

"آپ ہی کی طرح عرصہ دراز سے گرو گوبند بھی غیر فطری طور پر زندہ ہے۔ اس کے جسم کی طبعی عمر کبھی کی ختم ہو چکی ہے۔ اب وہ صرف اپنی پُراسرار شیطانی قوتوں کے بل پر زندہ ہے۔ قرآنی آیات پڑھتے ہی اس کی تمام قوتیں سلب ہو جائیں گی اور وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ آپ خود آنکھوں سے دیکھ لیں

گے کہ اس کا انجام کتنا بھیانک ہو گا! اب اللہ کا نام لے کر مندر میں داخل ہو جائیے۔ میں واپسی میں آپ کو یہیں ملوں گا۔"

یہ سنتے ہی میں سامنے ہی نظر آنے والے اجاڑ سے مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جیسے ہی میں نے اندر قدم رکھا' ایک دم زور زور سے گھنٹے بجنے کی آوازیں ہر طرف سے سنائی دینے لگیں۔ پھر ایک آشنا قہقہہ میری سماعت سے ٹکرایا۔

"شیخ کرامت! آخر تجھے تیری موت یہاں تک کھینچ ہی لائی۔" گرو گوبند کی آواز تو میری سماعت سے ٹکرائی مگر وہ خود نظر نہیں آیا۔ "پھر بھی تو میرا مہمان ہے۔ تجھے موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے میں تیرے سواگت (استقبال) کے لیے اپنی حسین ترین داسیوں کو بھیج رہا ہوں۔ یہ تیری ہر خواہش پوری کرنے کی پابند ہیں کہ ان کو میں نے یہی حکم دیا ہے۔ آج آدھی رات تک میں تجھے جینے کی مہلت دیتا ہوں' جی بھر کر عیش اڑا لے۔ جب یہ مہلت ختم ہو جائے گی تو میں' کالی مائی کے چرنوں میں تیرے کٹے ہوئے سر کی بھینٹ چڑھا دوں گا۔ تیرے خون سے میں' کالی مائی کی مورتی کو غسل دوں گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی زبردست چھناکا ہوا۔

وہ اجاڑ سی جگہ ایک دم جیسے جنت نظیر بن گئی۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ تھے' خوشبو ہی خوشبو تھی۔ دوسرا چھناکا ہوا تو جیسے میرے ہوش گم ہو گئے۔ اتنا سارا حسن زندگی بھر میں نے کسی ایک جگہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ گرو گوبند کی داسیاں تھیں جنھوں نے مجھے اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔ باریک لباس ان کے حسین ترین جسموں پر گویا تہمت ہی تھا۔ روشنی جیسے ان کے جسموں سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ بھی مجسم خوشبو تھیں۔

میں نے یہ جاننے کے لیے کہ وہ محض نظر کا دھوکا تو نہیں' ایک داسی کو کھینچ کر اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ وہ جیتی جاگتی حقیقت تھی۔ جام سے تو بہ شکن تھا اور میری توبہ جام شکن! میرا چہرہ اس کے حسین لبوں پر

جھکتا چلا گیا۔ عارض و لب کی حلاوت نے میرے جسم میں لہو کی گردش تیز کر دی۔ وہ خود سپردگی کی انتہائی منزلوں پر تھی۔ خود فراموشی اور بے خودی کے شاید وہ چند ہی لمحے تھے۔ میں دیار لذت میں پہلا قدم رکھنے والا تھا کہ جیسے کسی انجانی پُراسرار قوت نے مجھے جھنجوڑ دیا۔ میں جیسے ہوش میں آگیا۔ مجھے اب یہ احساس ہو چکا تھا کہ میرا دشمن میرے ساتھ کیا خطرناک کھیل کھیلنے والا تھا۔ وہ یقیناً مجھے ناپاک کر کے کلام الٰہی کو پڑھنے سے روکنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ناپاک ہونے کی صورت میں ان آیات کا اثر ختم ہو جاتا جو مجھے اپنے دشمن کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے پڑھنا تھیں۔ گرو گوبند کا یہ خطرناک وار بیکار گیا۔ اس کا سبب انیس دن کا وہی عمل تھا جو میں نے پورا کر لیا تھا۔

لاحول پڑھ کر میں نے اس حسین داسی کو اٹھا کر دور پھینک دیا اور اٹھ کر کھڑا ہوا۔ زمین پر گرتے ہی وہ داسی چیخ اٹھی، پھر بقیہ داسیاں بھی جیسے گھبرا کر بھاگنے لگیں۔ چند ہی لمحوں میں سارا منظر بدل گیا۔ اب میں وہاں اکیلا تھا اور وہ جگہ مجھے دوبارہ اجاڑ نظر آنے لگی تھی۔

اچانک سامنے سے گرو گوبند آتا دکھائی دیا اور اس نے مجھے مخاطب ہوا۔

"شیخ کرامت! میرے پہلے وار سے تو بچ گیا، لیکن اب ناگ دیوتا تجھے زندہ نہیں چھوڑے گا!" وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔ پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ بلند کیا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے ایک سیاہ ناگ اس کی کلائی سے لپٹا ہوا نظر آیا۔ اس نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھا اور اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

اس کے ہاتھ سے لپٹا ہوا سانپ جیسے اڑتا ہوا میری طرف آیا، مگر مجھ تک نہ پہنچ سکا۔ وہ آدھا فاصلہ طے کرتے ہی "دھپ" سے زمین پر گرا اور تڑپ کر ساکت ہو گیا۔ گرو گوبند نے حیرت سے سانپ کی طرف دیکھا۔ پھر مجھے اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ وہ ایک دم پلٹ کر بھاگا۔

کسی انجانی طاقت نے مجھے اس کے تعاقب میں جانے پر اکسایا اور میں

بھی دوڑنے لگا۔ مندر اندر سے نیم تاریک تھا، پھر بھی مجھے کچھ فاصلے پر گرو گوبند بھاگتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک تنگ سی جگہ جا کر وہ راستہ ختم ہو گیا۔ سامنے یہ ایک چبوترے پر کالی مائی کی بڑی سی بھیانک مورتی رکھی تھی۔ گرو گوبند اسی مورتی کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ میرے قدم اس کے عقب میں رکے تو وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں اس وقت تک آیات پڑھنا شروع کر چکا تھا۔ میں نے اپنے دشمن کو بھی کچھ پڑھتے دیکھا، مگر پروا نہیں کی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا کوئی شیطانی حربہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے آیات پڑھتے ہی اس پر دم کر دیا۔ معاً اس کے منہ سے بڑی بھیانک چیخ نکلی۔ اس کے بعد میری آنکھوں نے بڑا ہول منظر دیکھا۔ گرو گوبند کے جسم کا گوشت جیسے پانی کی طرح بہہ کر اس کے قدموں میں ڈھیر ہونے لگا۔ ذرا سی دیر میں صرف ہڈیوں کا ایک ڈھانچا میرے سامنے کھڑا تھا۔ ہڈیوں کے کڑکڑانے اور جوڑ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈھانچا بھی ٹوٹ کر کسی کھلونے کی طرح بکھر گیا۔ گرو گوبند اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

میں اپنے دشمن کو ختم کر کے پلٹ رہا تھا کہ جانے کدھر سے گرو گوبند کی حسین داسیاں نکل کر میرے راستے میں آگئیں۔

"ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو کہ تم نے ہمیں اس راکھشش (شیطان) سے آزادی دلائی ہے۔" داسیوں نے مجھ سے التجا کی۔

"اس کی ایک شرط ہے کہ تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا۔" میں بولا۔ "اور تم میں سے صرف چار کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" میری آنکھوں میں جیسے کوئی خواب جاگ اٹھا۔

"ہم سب تمہاری خاطر مسلمان ہونے کو تیار ہیں۔" انھوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

میرے لیے ان چاند کے ٹکڑوں میں سے چار کا انتخاب کرنا ایک کڑی آزمائش تھا۔ پھر بھی میں نے کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے کر ہی لیا۔

"کیا تم ہمیں اپنی کنیزیں بنا کر بھی ساتھ نہیں رکھ سکتے؟" بقیہ داسیاں بولیں۔

"شرط یہی ہے کہ تمہیں ہندو دھرم چھوڑ کر اسلام کو اپنانا پڑے گا۔"

انھوں نے میری یہ شرط مان لی۔ میں نے انھیں کلمہ پڑھا کے دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔ ان کے جسموں پر موجود لباس ستر پوشی کا متحمل نہیں تھا۔ سو وہ میرے حکم پر مندر ہی کی حدود میں موجود اپنی کوٹھریوں تک جا کے لباس تبدیل کر آئیں۔ ان کی کل تعداد سات تھی۔ چار کو میں نے اپنے عقد میں لینے کا فیصلہ کر چکا تھا' بقیہ تین خود ہی کنیزیں بن کر میری ہر خدمت پر آمادہ تھیں۔ میں انھیں ساتھ لیے مندر سے نکل آیا تو ہمزاد نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

"ہم سب کو چاٹگام لے چلو!" میں نے ہمزاد کو حکم دیا۔

اس کے لیے ہمزاد نے ہمیں ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔ پھر ہمیں اسی وقت ہوش آیا کہ جب چاٹگام پہنچ چکے تھے۔ میرے ایما پر ہمزاد نے اسی روز ایک بڑی کوٹھی خرید لی۔ میں ان سبھی کے ساتھ نئی کوٹھی میں منتقل ہو گیا۔ ارشاد علی بھی میرے ساتھ تھا۔ یہ نئی کوٹھی بہترین سامان و آرائش سے مزین تھی۔ یہ وہی کوٹھی ہے شمیم نوید' جہاں تم اس وقت بھی بیٹھے ہو اور میں بستر مرگ پر پڑا ہوں۔ ہاں تو سنو! ان چاروں کو اپنے عقد میں لینے سے پہلے میں نے پوچھا کہ وہ کب اور کس طرح گرو گوبند تک پہنچیں تو ایک نیا عقدہ کھلا۔ ان سب کو بچپن ہی میں گرو گوبند نے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اغوا کیا تھا اور پرورش کی تھی۔ میرے لیے یہ بات بھی حیران کن ہی تھی کہ گرو گوبند ان کے فطری تقاضے پورے کرنے کا اہل نہیں تھا۔ وہ ساتوں اب تک کنواری تھیں۔ گرو گوبند کا معاملہ صرف لذت دید کی حد تک تھا۔ اسے ان داسیوں کا معمولی لمس بھی پگھلا دیتا تھا۔ اپنے ماضی کے متعلق ان میں سے کسی کو بھی کچھ خبر نہیں تھی۔ ناآسودگی کی وجہ سے اور فطری تقاضے پورے نہ ہونے کے سبب

وہ گرو گوبند سے انتہائی نفرت کرتی تھیں۔

حسن کے اس خزانے کو پا کر جیسے میں بھول ہی گیا۔ ان میں سے چار کے ساتھ میں نے نکاح پڑھوالیا۔ اور پھر جیسے رنگ و نشاط میں ڈوب گیا۔ جن تین داسیوں کو میں نے کنیزوں کی حیثیت سے قبول کیا تھا' ان کے حقوق بھی ادا کیے۔ یوں وہ بھی ناآسودہ نہ رہیں اور خوش ہو گئیں۔

ابھی تک مجھے یہ ہوش نہیں آیا تھا کہ ہمزاد سے اس غلطی کی سزا کے بارے میں پوچھ سکتا جو مجھ سے عمل پڑھنے کی پہلی ہی رات سرزد ہو چکی تھی۔ اس واقعے کو اب پانچ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا کہ ایک روز ہمزاد ہی نے مجھے متوقع سزا کی یاد دلائی کرائی۔ میں ان پانچ برسوں کے دوران میں سات بیٹوں کا باپ بن چکا تھا۔

"اب آپ کے اس جسم کی طبعی عمر پوری ہونے میں صرف آٹھ دن باقی رہ گئے ہیں۔" ہمزاد نے انتہائی افسردہ آواز میں مجھے یہ خبر دی۔

"تو کیا پھر مجھے یہ جسم تبدیل کرنا پڑے گا؟" میں نے فکر مند ہو کر سوال کیا۔

"نہیں' اب آپ یہ جسم نہیں بدل سکتے۔ اس غلطی کی یہی سزا ہے جو آپ سے پانچ سال پہلے عمل پڑھتے ہوئے سرزد......"

"نہیں!" میں تقریباً چیخ اٹھا' مگر چیخنے سے حقیقتیں نہیں بدلتیں۔

"خود میرا وجود بھی تو آپ ہی کے ساتھ فنا ہو جائے گا کہ میں آپ کا ہمزاد ہوں۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولا۔

جو پیدا ہوا ہے اسے ایک دن ناپید ہونا ہے شمیم نوید! ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے' میں نے اب اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ حکم الٰہی سے بھلا کسے انکار کی مجال ہے! آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ اب سورج غروب ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی ہے! اپنی چاروں چہیتی بیویوں' کنیزوں اور ساتوں بیٹوں کے لیے میں اتنی دولت چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ میری اولاد کی

پشتوں تک خوش حال زندگی گزار سکتی ہے۔

شمیم نوید! میں مرتے ہوئے افسردہ نہیں ہوں۔ جو خواب کبھی میں نے دیکھا تھا' مجھے اس کی تعبیر اپنی اولاد کی شکل میں مل چکی ہے۔ میں نے خود کو آنے والی نسلوں میں محفوظ کر دیا۔ اب تم جاؤ شمیم نوید! میری پراسرار سرگذشت ختم ہو گئی ہے۔ میں اب اپنی چاروں بیویوں اور کنیزوں کو بھی اس حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اس فانی دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں۔ خدا حافظ شمیم نوید!

ہمیشہ کے لیے خدا حافظ!

ختم شد